اُردو کا کلاسیکی ادب
مکاتیبِ آزاد
از
مولانا محمد حسین آزاد
مُرتّبہ
سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
مجلس ترقیِ ادب ○ لاہور

مکاتیب آزاد

*

طبع اول : نومبر ۱۹۶۶

تعداد : ۲۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب لاہور

مطبع : مطبع عالیہ لاہور

مہتمم : سید اظہارالحسن رضوی

قیمت : [illegible] روپے

بعونِ صانعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۷۲
اُردو کا کلاسیکی ادب
مکاتیبِ آزاد
مرتبہ
سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲- نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

فہرست

مولانا محمد حسین آزاد کی زندگی سنوں میں

۱۸۲۷ع	۱۸ - ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ دلی میں پیدا ہوئے
۱۸۳۶ع	اردو اخبار جاری ہوا۔
۱۸۵۴ع	استاد ذوق نے رحلت کی ۔
۱۸۵۷ع	جنگ آزادی — مولانا محمد باقر صاحب کی جرم بغاوت میں شہادت ۔
فروری تا نومبر	
۱۸۵۹ع	جیند (ریاست) میں ملازمت ۔
۱۸۵۹ع	جگراؤں ضلع لدھیانہ میں مجمع البحرین پریس میں ملازمت ۔
۱۸۶۱ع	پوسٹ ماسٹر جنرل لاہور کے دفتر میں سررشتہ داری ۔
۱۸۶۲ع	محکمۂ تعلیم پنجاب میں ملازمت ۔
۱۸۶۳ع	آغا محمد ابراہیم صاحب کی ولادت ۔
۱۸۶۵ع	اگست میں وسط ایشیا کا سفر ۔
۱۸۶۶ع	اس سفر سے واپسی ۔
۱۸۷۲ع	گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔
۱۸۷۴ع	۸ مئی - انجمن پنجاب کے جلسے میں نئی شاعری کی بنیاد کا اعلان کیا ۔
۱۸۸۰ع	آب حیات کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا ۔
۱۸۸۵ع	سفر ایران ۔

۱۸۸۶ع	امۃالسکینہ یعنی اکلوتی بیٹی کی وفات ۔ بیرون دہلی دروازہ لاہور کتب خانۂ آزاد کی تعمیر و افتتاح ۔
۱۸۸۷ع	علمی خدمات کے اعتراف میں شمس العلما کا خطاب ملا ۔
۱۸۹۰ع	گورنمنٹ کالج سے پنشن ملی ۔
۱۹۰۱ع	اندرون اکبری منڈی لاہور میں آزاد منزل کی تعمیر ۔ —وارفتگی اور مسلسل بیماری ۔
۱۹۱۰ع	۲۲ ۔ جنوری کو لاہور میں وفات پائی ۔ مزار کربلا گامے شاہ لاہور ۔

مطبوعہ تالیفات مولانا محمد حسین آزاد

۱ ۔ دربار اکبری
۲ ۔ آب حیات
۳ ۔ سخندان فارس
۴ ۔ نگارستان فارس
۵ ۔ نیرنگ خیال
۶ ۔ نظم آزاد
۷ ۔ خمکدۂ آزاد
۸ ۔ سیر ایران
۹ ۔ کائنات عرب
۱۰ ۔ فلسفۂ الٰہیات
۱۱ ۔ سپاک و نماک
۱۲ ۔ نصیحت کا کرن پھول
۱۲ ۔ اردو ریڈریں (۵ حصے)
۱۴ ۔ جانورستان
۱۵ ۔ جامع القواعد
۱۶ ۔ قصص ہند
۱۷ ۔ شہزادہ ابراہیم
۱۸ ۔ حکایات آزاد
۱۹ ۔ دیوان ذوق
۲۰ ۔ قند پارسی

۲۱ - قواعد اردو
۲۲ - مکتوبات اردو
۲۳ - رسالہ سائنس
۲۴ - مقالات آزاد (جلد اول)

پیش لفظ

۱۹۵۵ع میں مولانا محمد حسین آزاد کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہوئے خیال آیا تھا کہ اتنے بڑے صحافی ، پروفیسر ، مورخ ادیب اور مشہور عالم کے اتنے کم خطوط! اتنی معمولی طباعت! اور اس قدر بے توجہی کا شکار !

میں نے اسی سال 'یوم آزاد' کے اجتماع میں ایک مضمون پڑھا 'آزاد کے خطوط'۔ یہ مضمون مختلف جرائد میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد پہلے میں نے ارادہ کیا کہ خطوط کا ایک انتخاب شایع کیا جائے ۔ پھر خیال آیا کہ نئے خط تلاش کر کے اور حواشی لکھ کر مفصل اور مرتب طور پر پورے مجموعے کا شایع ہونا زیادہ بہتر ہے ۔ لیکن بڑی چھان بین کے باوجود کچھ نہ ملا ۔ جناب سید امتیاز علی صاحب (ستارۂ امتیاز) اور جناب آغا محمد باقر صاحب نبیرۂ آزاد کی توجہ و محبت نے مجھے ایک مرتبہ پھر اس کام پر آمادہ کیا ۔ خدا کا شکر ہے کہ دیرینہ آرزو بر آئی اور 'مکاتیب آزاد' کا یہ مجموعہ مرتب ہوگیا ۔

خطوط کی جمع آوری میں مجھے سب کچھ جناب آغا صاحب نے مرحمت فرمایا ۔ اس کے حواشی اور توضیحات میں موصوف نے محنت کی اور نقل و ترتیب ، تعین تاریخ اور دوسرے مراحل میں نے جناب آغا صاحب ہی کی بہ‌دولت انجام دیے ۔

مولانا محمد حسین آزاد کی برصغیر کے تمام علم‌دوست حضرات سے واقفیت تھی ۔ بے شمار اکابر ، شاگردوں ، عزیزوں ، نجی‌دوستوں

اور ایڈیٹروں سے خط و کتابت تھی۔ اگر آج ان کے خطوط کا پورا مجموعہ مل سکتا تو ایک دفتر ہوتا۔ بلاشبہ ان خطوں میں نجی معاملات، سوانحی اشارات، نفسیاتی مسائل مل سکتے تھے، لیکن سردست صرف ایک سو چھتیس تحریریں مہیا ہو سکی ہیں۔ ان میں ایک سو پچیس کے قریب خط اور رقعات ہیں؛ گیارہ کے قریب متفرقات۔ آب حیات اور دربار اکبری کے سلسلے میں سینکڑوں خط ناپید ہیں۔ علمی مراسلات میں سے ایک خط بھی نہیں ملتا۔ حالی، شیفتہ، مجروح، ذکاء اللہ، غلام رسول ویران، سر سید جیسے بزرگوں کے خط مولانا کے کاغذات میں موجود ہیں لیکن ان کے نام مولانا کے خط کیا ہوئے؟ کسے معلوم۔

خدا بخشے جناب سر عبدالقادر کو، جن کی تحریک اور سیدحسن بلگرامی مرحوم کی محبت سے ۱۹۰۷ع (؟) میں 'مکتوبات آزاد' کا ایک مختصر سا مجموعہ لاہور سے شائع ہوگیا۔ اس مجموعے کا دوسرا ایڈیشن میرے پاس ہے جس میں عمدہ کاغذ، اچھی کتابت اور انتہائی مفید مقدمے کے ساتھ ایک ہی مکتوب الیہ کے نام اٹھائیس خط شایع ہوئے تھے۔

۱۹۲۳ع میں جناب آغا محمد طاہر صاحب نبیرۂ آزاد نے کوشش کرکے لالہ دنی چند سے ۳۲ خط حاصل کیے۔ اس مجموعے کا بھی دوسرا ایڈیشن میرے سامنے ہے اور مجموعی طور پر سو تحریروں سے آراستہ ہے۔ مکتوبات آزاد کے اس ایڈیشن میں سید جالب دہلوی کا مقدمہ نہیں ہے، لیکن خط زیادہ ہیں۔ دو تحریریں اور بھی ہیں: ایک شکریہ—جو آب‌حیات کے بارے میں لوگوں کی پسندیدگی پر مولانا نے اخبارات کے ذریعے نشر کیا تھا[1] اور دوسرے

---

۱ - زیر نظر مجموعے میں اسے شریک اشاعت نہیں کیا گیا کیوں کہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سرسید کے نام خواتین پنجاب کا سپاس نامہ ـــ جسے[1] ہم نے شامل نہیں کیا ۔ اس مجموعے میں جالب مرحوم کے مقدمے کی کمی تھی ، مگر آغا طاہر صاحب نے آخر میں گل دستۂ ادب کے نام سے ایک ضمیمہ بڑھا دیا تھا جس میں گیارہ نادر اور اہم خطوں کو شایع کیا ۔ یہ خط غالب ، سرسید ، حافظ غلام رسول ویران ، مولانا حالی، مولانا مقرب علی، شریف حسن اور شریف حسین صاحبان جیسے بزرگوں کے تھے ۔ اس کے بعد انھوں نے مکتوب الیہ حضرات کا مختصر لفظوں میں تعارف نامہ بھی لکھا تھا ۔

مجھے ان دونوں مجموعوں کی ترتیب سے اختلاف تھا ، کیوں کہ تاریخی لحاظ سے خطوط الٹ پاٹ تھے ـــ صحت کے لحاظ سے بھی دونوں مجموعے توجہ طلب تھے ۔

زیر نظر مجموعے میں شایع شدہ خط تو خیر موجود ہی ہیں ، ان کے علاوہ تقریباً پینتیس تحریروں کا اضافہ ہوا ہے ۔ یہ تحریریں تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہیں ؛ مثلاً مولوی سید معصوم علی صاحب کے نام فارسی کے دو خط ہیں جن سے مولانا کے ریاست جیند میں قیام اور لودھیانہ کی آمد کے متعلق نہایت مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ اسی طرح حاجی بنے صاحب اور نواب حسین مرزا صاحب کے نام چار نئے خط ہیں ، جن سے آغا محمد ابراہیم صاحب کی شادی اور مولانا کی خوشی کا حال معلوم ہوتا ہے ۔ سالار جنگ کے نام فارسی کا ایک خط ہے اور ایک سپاس نامہ بھی ہے جو سالار جنگ نے پڑھا ہوگا ۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ مولانا کے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
جناب آغا محمد باقر صاحب نے اسے مقالات آزاد طبع مجلس ترقی ادب میں شریک فرما لیا ہے ۔

۱ ۔ مقالات مولانا محمد حسین آزاد جلد اول طبع مجلس ترقی ادب صفحہ ۱۰۴ ۔

سر سالار جنگ سے گہرے روابط تھے ۔ کچھ محکمانہ اور سرکاری مراسلات ہیں جو ہمیں مولانا کی مصروفیات کا مواد فراہم کرتے ہیں۔

نئے خطوں اور تحریروں کے بارے میں مشکل یہ تھی کہ وہ خستہ کاغذوں پر مسودوں کی صورت میں ملیں ۔ ان کا پڑھنا بھی مشکل ہوا ، پھر ان پر تاریخ بھی نہیں ۔ اس کے علاوہ یہ بھی یقین ہے کہ مولانا نے ان عبارتوں کو نقل کرتے اور مکتوب الیہ کو بھیجتے وقت کچھ کا کچھ کر دیا ہوگا ۔ مولانا کی عادت تھی کہ وہ جب بھی ایک بات کو دوسری مرتبہ لکھتے تو اس کا نکھار بڑھا دیتے تھے ۔

فارسی کے خطوط مولانا کے ذخیرے میں بہ کثرت موجود ہیں ، لیکن اصل خط سات ہی مل سکے ہیں ــــ ایک عرضی اور اس پر ڈاکٹر لائٹنر کا نوٹ انگریزی میں شایع کیا جا رہا ہے ، کیوں کہ اس کے بغیر متعدد خطوط کا مفہوم واضح نہیں ہو رہا تھا ۔ اس کے علاوہ جناب آغا صاحب کے پاس کئی عرضیاں اور اس سے متعلق متعدد انگریزی تحریریں بھی موجود ہیں ۔ ان شاء اللہ 'خطوط بہ نام آزاد' میں اس ذخیرے کو بھی شایع کیا جائے گا ۔

میں نے تمام خطوط کو مکتوب الیہ کے اعتبار سے مرتب نہیں کیا ہے ، بلکہ تمام تحریروں کو تاریخ وار رکھا ہے ۔ میرے خیال میں اس سے مکتوب نگار اور مکاتیب کے بارے میں تدریجی حالات کا علم بھی حاصل[1] ہوتا ہے اور خطوط کا پس منظر بھی نمایاں ہوتا ہے ۔

خطوط و رقعات کے اس ذخیرے میں کس قسم کی باتیں لکھی ہیں ، اس کے لیے کسی تفصیل کی تو گنجائش نہیں ، البتہ دو تین

---

۱ ۔ مکاتیب غالب کو بھی میں اسی طرح مرتب کر رہا ہوں ۔

اہم نکتوں کی طرف اشارہ ضروری ہے :

سید حسن صاحب بلگرامی کے نام کے خطوں میں مولانا آزاد بار بار 'دربار اکبری' اور 'ڈراما اکبر' کا ذکر کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں انھیں 'دربار اکبری' میں مکمل انہاک تھا اور آپ اس کتاب کی ترتیب و مواد کا اہتمام کر رہے تھے اور ڈرامے کے بارے میں بھی غور فرما رہے تھے ۔

دنی چند کے خطوں میں محبت کے مظاہرے ، شاگرد کی ترقی کے لیے دعائیں اور کوششیں ہیں ۔ یہ مجموعہ پڑھتے وقت غالب کے شاگرد ہرگوپال نرائن تفتہ بے اختیار یاد آتے ہیں ــــ مگر دونوں میں فرق ہے ۔

محمد دین صاحب کے نام چھ خط ہیں ۔ انھیں پڑھ کر ایک افسانے کی سی لذت حاصل ہوتی ہے ۔ اس افسانے کا خاکہ ہے :

> مولانا کی ایک کتاب کوئی شخص غائب کر دیتا ہے ۔ مولانا اسے واپس لینے کے لیے کوشش کرتے ہیں ۔ مجرم اقرار جرم کرتا ہے اور مولانا اپنا شوق بھول جاتے ہیں ۔ ذہنی پریشانیوں اور قلبی تکلیف سے چشم پوشی کرتے ہیں اور عین اس وقت جب کتاب ملنے کو ہے مولانا معاف فرما دیتے ہیں ۔

اس سے مولانا کی فراخ حوصلگی ، انسانیت اور رحم و خدا ترسی کا ایک قابل تقلید پہلو سامنے آتا ہے ۔

سید ناصر نذیر فراق دہلوی کو غالب کا میر مہدی مجروح کہہ لیجیے ، لیکن صرف عقیدت کی حد تک ۔ مجروح غالب کے شاگرد عزیز ہیں ، شرف مصاحبت بھی رکھتے ہیں ، اور بے تکلف دوست بھی ہیں ۔ فراق آزاد کے لیے صرف سید زادے اور عزیز دوست کے عزیز بیٹے ہیں ۔

ڈاکٹر لائٹنر کے نام خطوں کو پڑھ کر ہمیں ایک انگریز اور اس کے مقابلے میں ایک غیرت دار و خود اعتماد انسان کا کردار نظر آتا ہے۔ ان خطوں میں نوک جھونک اور تناتنی ہے، کشمکش ہے اور آزاد کی پریشانیوں کے دور رس نتائج کی نشان دہی ہے۔ مولانا ذکاء اللہ صاحب اور جناب مولوی ممتاز علی صاحب کے نام صرف تین خط ہیں اور وہ بھی ذہنی تعطل کے دور میں لکھے ہوئے۔ مگر عبارت پڑھنے کے قابل اور حالت دیکھنے کے لائق ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

۱ - مکاتیب آزاد میں ایک سو چھتیس تحریریں ہیں -

۲ - اس مجموعے کی ترتیب باعتبار تاریخ ہے -

۳ - اس مجموعے میں بہت سی نادر تحریریں اصل مسودوں سے مہیا کی گئی ہیں -

۴ - اس مجموعے میں مولانا آزاد کی زندگی و فکر اور نظریات سمجھنے کے لیے روشنی ملتی ہے -

۵ - آزاد کے بارے میں بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

۶ - آزاد کے سفر و مقاصد حیات اور خدمت قوم و ملک، خلوص نیت اور استقلال طبع پر اس سے بہتر مواد ملنا مشکل ہے -

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ میں نے خطوط کو خود مولانا کی تحریروں سے مقابلہ کرکے دیکھا اور صحیح کیا ہے - یہی اس مجموعے کی خصوصیت ہے - اکثر خطوں میں تاریخ نہیں تھی، اس کے لیے پوری چھان بین کی اور تاریخ معین کرنے کی وجہ بھی لکھ دی ہے -

اختلافات متن، اشارات، ابہام، اشخاص کا تعارف یا اور بہت سی ضروری باتوں کے لیے حواشی میں تفصیل کے بجائے

اختصار سے کام لیا ہے ، تاکہ ضخامت اور افادیت دونوں کے تقاضے ملحوظ رہیں ۔ علم دوست احباب نے اگر چاہا تو ان شاءاللہ آیندہ اضافہ بھی ہوسکے گا ۔

مکتوبات آزاد (طبع اول و دوم) میں جناب سید جالب دہلوی نے ایک دیباچہ بھی لکھا تھا ۔ انھوں نے غالب اور آزاد دونوں کو دیکھا تھا ، اور بہت قریب سے دیکھا تھا ، اس لیے انھوں نے دونوں کے بارے میں بے حد کار آمد باتیں لکھی ہیں ، جن سے غالب و آزاد پر کام کرنے والوں میں اکثر حضرات با خبر نہیں ہیں ۔ میرے خیال میں اس دیباچے کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ جالب نے دو مکاتیب نگاروں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ، معاصر صاحب قلم ہونے اور براہ راست روایت کے نقطۂ نظر سے انتہائی وقیع ہے ۔

مولانا کے خطوط کا پہلا مجموعہ چوں کہ ''مکتوبات آزاد'' کے نام سے بارہا چھپ چکا ہے ، اور مسلسل ماخذ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ جب ترتیب بدل گئی، مواد کچھ کا کچھ ہوگیا تو نام بھی کیوں نہ بدل جائے ۔ لہٰذا مکتوبات کے بجائے اب اس مجموعے کا نام ''مکاتیب آزاد'' رکھنا ہی مناسب سمجھا ۔

مرتضیٰ حسین فاضل

۱۵ - جون ۱۹۶۶ع

مصادر

۱ - ذخیرۂ مخطوطات آزاد مملوکہ جناب آغا محمد باقر صاحب

۲ - مکتوبات آزاد مرغوب بک ایجنسی طبع دوم ۱۹۰۶ع ؟

۳ - مکتوبات آزاد طاہر بک ڈپو طبع دوم ۱۹۲۰ع ؟

۴ - نقوش مکاتیب نمبر

۵ - نقوش لاہور نمبر

۶ - انیسویں صدی میں وسط ایشیا کا سفر

۷ - تاریخ نظم و نثر اردو طبع جدید مصنفہ آغا محمد باقر

۸ - داستان تاریخ اردو

۹ - سخندان پارس طبع اول

۱۰ - سخندان فارس طبع سوم

۱۱ - ترجمہ سفر نامۂ برنی‌ار

۱۲ - قاموس المشاہیر

۱۳ - سوانح آزاد

۱۴ - تاریخ صحافت از امداد صابری

۱۵ - محمد حسین آزاد—سوانح و تصانیف دو جلدیں طبع کراچی ۱۹۶۵ع

۱۶ - مقالات مولانا محمد حسین آزاد - (جلد اول) مجلس ترقی ادب ۱۹۶۶ع

دیباچہ

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی[1]

کم و بیش بائیس[2] برس کا زمانہ گزرتا ہے کہ راقم سطور ہٰذا نے جس کی عمر ان دنوں دس گیارہ سال سے زیادہ نہ ہوگی ، حضرت آزاد کو اپنے وطن مالوف کے ایک خانہ باغ میں ٹہلتے ہوئے کمال ذوق و شوق کے ساتھ مندرجہ بالا شعر پڑھتے سنا اور مصرع ثانی کے پانچوں لفظوں پر یکے بعد دیگرے زور دے دے کر معانی مختلفہ کا مزہ لیتے دیکھا ۔ مولانائے موصوف پر اس وقت ایک ایسی زبردست وجدانی کیفیت طاری تھی اور شعر مذکور کے الفاظ کچھ ایسے نرالے انداز سے ان کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہو رہے تھے ، نیز آپ کی حرکات چشم و ابرو اور جنبش دست و بازو کچھ اس طرح محسوسات قلبی کا پتا دے رہی تھیں کہ راقم الحروف باوجود اس کم سنی و ناسمجھی کے اس سے عالی قدر حال متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا

---

۱ ۔ غالب کا شعر ہے ۔

۲ ۔ جالب نے ۱۸۸۵ء کا یہ واقعہ لکھا ہے ۔ سید بشارت علی جالب دہلوی ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے اور ۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو لکھنو میں رحلت کی ۔ عربی ، فارسی ، انگریزی کے ماہر تھے ۔ مختلف اخبارات کی ادارت کی اور بڑی شہرت کے مالک ہوئے ۔

(نقوش ، مکاتیب نمبر ج ۲ ص ۱۴۸)

اور شعر مرقومۂ صدر فوراً اس کے لوحۂ دل پر کالنقش علی الحجر ثبت ہوگیا اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً خاص خاص موقعوں پر اسی موہوم تاثیر کے ساتھ یاد آتا رہا جو حضرت آزاد کے تصرف نے اس میں پیدا کر دی تھی ۔ لیکن اس کے معانی کی جو پوری دل خراش و حسرت انگیز تشریح دس سال کے بعد یہ خبر وحشت اثر سن کر ہوئی کہ :

”مولانا آزاد نے بہ آن ہمہ علائق روزگار محویت و استغنا کا آخری درجہ حاصل کر کے دکھا دیا اور صدمات پیہم سے تنگ آ کر دنیا و اہل دنیا کے تعلقات سے یک لخت ہاتھ اٹھا لیا۔“

اس کا اظہار بہ ذریعۂ الفاظ کسی طرح ممکن نہیں ؛ بس :

دل داند و من دانم و داند دلِ من

کیوں کہ گو مولانائے موصوف نے سن رشد و تمیز کو پہنچتے ہی عملی فوائد پر خیالی دل چسپیوں کو ترجیح دینی شروع کر دی تھی اور اوائل[1] شباب ہی میں اپنی طبیعت کا یہ نرالا رنگ معاصرین و احباب پر ظاہر فرما دیا تھا اور بیس[2] بائیس سال کی عمر میں قدامت پرستی کو کھلم کھلا اپنا شعار خاص قرار دے لیا تھا ، نیز صوفیائے کرام کے معتقدات میں جن دو عالموں—جسمانی و روحانی یا سفلی و علوی — کا الگ الگ آباد ہونا مذکور ہے ان کی دیکھ بھال اپنے لیے ضروری ٹھہرائی تھی اور اپنے اوقات گرامی کا ایک حصہ روحانیات پر غور کرنے

---

۱ - بہت نادر اطلاع ہے ۔ مولانا کے سوانح نگار اس حوالے اور کارآمد اشارے سے بظاہر ابھی تک بے خبر معلوم ہوتے ہیں ۔

۲ - یعنی ۱۸۵۰، ۱۸۵۲ع میں وہ دلی کے الھڑ جوانوں کے برخلاف ثقہ آدمی تھے اور علم کے ساتھ عرفان سے ذوق رکھتے تھے ۔

اور دونوں عالموں کے ظاہری و باطنی تعلقات کا پتا لگانے کے لیے مختص کر رکھا تھا اور ویدانت و تصوف میں جو ریاضتیں تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن کے لیے مقرر ہیں وہ مہنتوں اور درویشوں کی صحبت میں رہ کر سیکھی تھیں۔ متعدد اشغال و اذکار کو اپنا لازمۂ زندگی بنایا تھا اور ذکر خفی و جلی اور ورد ناد علی میں وہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ آپ کے سانس کی حرکات بعض اوقات پاس بیٹھنے والوں کو چونکا[۱] دیتی تھیں۔ غدر کے بعد کئی افتادیں آپ پر پڑیں اور ایک سے زیادہ مرتبہ آپ کی زندگی معرض خطر میں رہی مگر کوئی دقت یا صعوبت آپ سے یہ شوق ترک نہ کرا سکی۔ سفر کا آپ کو بارہا اتفاق ہوا مگر یہ سلسلہ ہر جگہ ساتھ رہا۔ خواہ آپ شمالی ہند و افغانستان میں پھرے خواہ ترکستان و ایران تشریف لے گئے مگر کہیں اس رفیق طریق کو جدا کرنا گوارا نہ فرمایا اور دوران سیاحت میں برابر آپ کو یہ چیٹک لگی رہی کہ کسی پہنچے ہوئے اللہ والے بزرگ سے سابقہ پڑے جو اپنی توجہ سے ہستی کا اصلی راز آپ پر منکشف کردے اور عالم بالا کی سیر کے متعلق آپ کا دیرینہ اشتیاق پورا کرے۔ خصوصاً جو حیرت انگیز و فوق‌العادت کرشمے مختلف مذاہب میں اہل باطن سے منسوب کیے جاتے ہیں ان کی حقیقت آپ کو جتائے اور فلاح دنیا و صلاح عقبیٰ کے لیے جن بزرگوں کا دامن

۱۔ جناب آغا محمد باقر صاحب کے پاس متعدد وظائف اور بہت بڑے بڑے نقش اور ورد و ذکر کے کاغذات موجود ہیں جسے سمجھنے والے ہی دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ ذکاء اللہ صاحب کے نام خط میں اور عالم وارفتگی کی تحریروں میں اس قسم کے اشارے ملتے ہیں جن سے مولانا کے شعور و تحت‌الشعور کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ[1] نے پکڑا ہے ان کی ارواح طیبہ سے حسب دل خواہ فیض پہنچوائے ۔

ایک طرف تو یہ خیالات تھے جنھوں نے سال ہا سال کی پختگی سے عقائد کا درجہ حاصل کر لیا تھا اور دوسری جانب وجہ مُعاش میں بھی آپ کو تعلیم و تحقیق السنہ سے واسطہ پڑا تھا اور اس کام میں جو تین زبانیں—فارسی ، اردو اور ہندی—آپ کا سرمایۂ امتیاز تھیں ان کے لٹریچر کا دار و مدار صرف شاعری پر آ کر ٹھہرا تھا ، اس لیے آپ کی بود و باش زیادہ تر تخیل کی دنیا میں رہتی تھی اور شعرائے ہند و فارس کے نتائجُ افکار ہر وقت آپ کے انیس خلوت ہوا کرتے تھے ۔ اس لیے کوئی محل تعجب نہیں کہ جب ارباب زمانہ کی ناقدری و بے وفائی اور دنیائے دنی کے مصائب و آلام کا ساکنان عالم خیال کی دل جوئی و مدارات سے مقابلہ پیش آیا تو آخرالذکر طمانیت و یکسوئی کا گلزار سراپا بہار دکھا کر اور سال ہا سال بے غل و غش اس میں سیر کرنے کی امید دلا کر حضرت آزاد کی طبیعت کو اپنی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہوگئے اور مولانائے موصوف جملہ تعلقات دنیاوی سے منہ موڑ کر اور عقل و خرد کے ساتھ ملکی لٹریچر کو روتا چھوڑ کر یہ شعر پڑھتے ہوئے دیار تصور کے گلشن بے خزان میں پہنچے :

ز ہشیاران عالم ہر کرا دیدم غمی دارد
دلا دیوانہ شو ! دیوانگی ہم عالمی دارد

وہاں کی فضا کچھ ایسی آپ کے جی کو بھائی کہ آپ نے وہیں چھاؤنی چھا لی اور گذشتہ بارہ سال[2] میں سوائے گاہ گاہ کی

---

۱ - ائمہ اہل بیت مراد ہیں ۔
۲ - یعنی ۱۸۹۵ع سے ۱۹۰۷ع تک ۔ فاضل

سرسری و غلط انداز نگاہ کے اس طرف مطلق التفات نہ فرمایا اور شائقین زبان اردو کے لیے حسرت و یاس کا وہ عالم بہم پہنچایا کہ مشہور مصرع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

کا پورا مصداق ۔ اگر وہ سارے ہندوستان میں کسی کو پاتے ہیں تو جناب شمس العلماء مولانائے محمد حسین آزاد دہلوی ، سابق نامور پروفیسر السنۂ شرقیہ گورنمنٹ کالج لاہور و گرامی قدر مصنف آبِ حیات و نیرنگ خیال و دربار اکبری و سخندان پارس وغیرہ ہی کو پاتے ہیں ۔ اور جہاں پہلے مولانائے ممدوح کی زبان و قلم سے پھول اور موتی جھڑتے دیکھتے تھے وہاں اب خود ان کی حالت زار پر اشک حسرت بہاتے ہیں ۔ آف !

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح

غور کیا جائے تو مولانا کی حالت کا یہ زبردست انقلاب کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں کیوں کہ حکماے مشرق و مغرب دونوں اس بارے میں متفق الرائے ہیں کہ دماغی کام کرنے والے اپنی محویت و استغراق سے یہ راستہ برابر طے کرتے رہتے ہیں اور شعرا تو بلند پروازی خیال کی مدد سے اکثر اس کی سرحد کے لگ بھگ ہی پہنچ جاتے ہیں ۔ چناں چہ ایک بڑا یونانی فلسفی لکھتا ہے کہ :

"اگر میں اپنے تمام خیالات لوگوں پر ظاہر کر دوں تو فی الفور پاگل قرار پاؤں۔"

گولڈ سمتھ اپنے ایک مضمون میں زبان کی اس تعریف کو کہ —— "وہ اظہار خیالات کا ذریعہ ہے" غلط ٹھہراتا ہے اور بہ دلائل محکم ثابت کرتا ہے کہ یہ تعریف صرف حواس باختہ و قطرب زدہ لوگوں ہی پر صادق آ سکتی ہے ، صحیح الدماغ اشخاص

کے لیے زبان کی تعریف یہ ہونی چاہیے کہ ــــــ وہ اس کی مدد سے اپنی اصلی حالت کو چھپاتے ہیں اور اکثر اوقات اپنے قلبی محسوسات کے بدلے اوپری معاملات لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں - افلاطون مانتا ہے کہ ہر فرد بشر پر وقتاً فوقتاً دیوانگی کی حالت طاری رہتی ہے اور زیادہ تر یہ نا معلوم طریق پر ہوتی ہے ، خصوصاً جو اشخاص تحقیقات و اختراعات کے درپے ہوتے ہیں وہ خود کو زیادہ اس کا مورد بناتے ہیں -

حکیم ارشمیدس کا قصہ مشہور ہے کہ حمام میں غسل کرتے وقت پانی کے حوض میں طاس کو ڈوبتے اور بہ قدر اس کے حجم کے پانی کو اچھلتے دیکھ کر معاً 'ترازوے آبی' کا خیال اس کے ذہن میں آیا اور فرط مسرت سے وہ اس قدر مدہوش ہوا کہ فوراً "پا لیا ، پا لیا" کہتا ہوا ننگا حمام سے نکل بھاگا اور بادشاہ کے دربار میں جا داخل ہوا - یورپ کے اخبارات میں بہ‌ذیل"لطائف و ظرائف" آئے دن بڑے بڑے نامی پروفیسروں کی خود فراموشی کے واقعات چھپتے رہتے ہیں -

لارڈ کیلون جو اس وقت نہ صرف انگلستان بلکہ دنیا کے چیدہ سائنس دانوں میں گنا جاتا ہے ، اس سے کئی بار ایسی حرکات سرزد ہو چکی ہیں کہ کوئی نادان بچہ بھی اتنا بھلکڑ نہ ہوگا -

خود جناب آزاد کے نامور استاد ملک الشعراء خاقانیٔ ہند حضرت ذوق مرحوم کی نسبت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ چلم کے لیے آگ لینے کو جو نکلے تو کسی شعر کی دھن میں ٹھیکرا ہاتھ میں لیے تہہ بند باندھے ، ٹوٹی سی جوتی پہنے ایک رئیس کے دولت سرا تک چلے گئے - اور ایک بار نہانے کے ارادے سے جو چلے تو اسی ہیئت کذائی سے قلعے کے اندر پہنچ گئے ؛ لوگ حیران و انگشت بہ دندان تھے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ

استاد شاہ کو ٹوک سکتا ۔ آخر آپ سراپردۂ شاہی پر جا کر چوبدار کے سلام کرنے سے رکے اور اس وقت آن کو اپنی حالت کا ہوش آیا ؛ گھبرا کر باہر نکلنے کو تھے کہ اتنے میں یہ بات بادشاہ کے کان تک جا پہنچی ؛ حضور فوراً بہ نفس نفیس برآمد ہوئے اور بہ منت استاد کو اندر لے گئے اور بڑے اصرار سے وہ اشعار سنے جنھوں نے حضرت ذوق کو اس قدر وارفتہ و محو کر دیا تھا ۔ پھر جو استاد باہر نکلے تو گراں بہا خلعت شاہی زیب تن فرما کر نکلے ۔

مرزا غالب مغفور کے دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کوٹھے پر رہا کرتے تھے اور نیچے دیوان خانے میں محلے کے تمام بے فکرے آ کر جمع ہوتے تھے ؛ حقے ، پان وغیرہ سے ان کی تواضع کی جاتی تھی اور جب کسی شاگرد یا رئیس کے ہاں سے میوے یا مٹھائی کی نذر یا سوغات آتی تھی تو اس میں بھی ان لوگوں کا حصہ لگتا تھا ۔ ان بیٹھنے والوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ، خواندہ ، نیم خواندہ ، جاہل ، خلیق ، بد مزاج سب ہی طرح کے لوگ ہوتے تھے ، اور چوں کہ اکثر گنجفہ ، شطرنج چوسر وغیرہ کا شغل رہتا تھا اس لیے باتوں باتوں میں تکرار بھی ہو پڑتی تھی اور خوب غل غپاڑا مچتا تھا جس کی آواز جب مرزا صاحب کے کان تک جاتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ —— "ہاں دیوان خانہ آباد ہے ۔" اگر اتفاق سے کسی روز جمگھٹا نہ ہونے پاتا تھا یا شور و شغب کی نوبت نہ آتی تھی تو مرزاصاحب کچھ افسردہ سے ہو جاتے تھے اور ملازموں سے فرماتے تھے کہ —— "دیکھنا میاں ! آج محلے میں خیریت تو ہے ، کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟" —— نوکر ، جنھیں لوگوں کی چلمیں بھرنی اور متفرق کام کرنے پڑتے تھے ، دل میں دعائیں مانگتے تھے کہ آج دیوان خانہ گرم نہ ہو ۔ مگر جب مرزا صاحب کو بے چین

دیکھتے تھے تو دل ہی دل میں سلگتے اور زبان سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے لوگوں کے گھروں پر جاتے تھے اور آواز دے کر کہتے تھے ـــــ "بھئی چلو ، بڈھے کو سودے کا زور ہوا ، چلو ! چل کر اودھم مچاؤ ـ" ـــــ لیکن یہ حالت ملازموں کی عارضی تھی ، ورنہ در حقیقت ہر شخص ان کا عاشق و جان نثار تھا ـ

مرزا صاحب اپنی شاہ خرچی اور فیاضی کے باعث اکثر تنگ دست رہتے تھے اور نوکر بھی ان کے ساتھ پریشان ہوتے تھے مگر کبھی کوئی ملازم حرف شکایت زبان پر نہ لایا اور بڑے بڑے رؤسا کے ہاں زائد تنخواہ پر بھی کسی نے جانا نہ چاہا ـ خاص کر کلو ، کلیان ، جنھوں نے اپنی خدمت کا سب سے بڑا صلہ یہ پایا ہے کہ مرزا صاحب کے رقعات مندرجہ 'اردوے معلیٰ' و 'عود ہندی' نے صدیوں تک ان کے بقاے نام کا سامان کر دیا ہے ـ ان سے اس قدر مانوس تھے کہ کلو نے ان کی وفات کے بعد پھر کسی کی نوکری ہی نہیں کی اور ساری عمر آن کی یاد اور فاتحہ خوانی میں گزار دی ـ راقم الحروف نے کلو سے بارہا مرزا صاحب مرحوم کے حالات سنے ہیں مگر کبھی اس نے ٹھنڈا سانس لیے اور سخت حسرت ظاہر کیے بغیر ان کا ذکر شروع نہیں کیا ـ دیوان خانے میں بیٹھنے والوں کی نسبت وہ کہا کرتا تھا کہ جناب مرزا صاحب بعض اوقات دنوں نیچے نہ اترتے تھے اور آن کی صورت تک نہ دیکھتے تھے مگر وہ غل غپاڑہ گویا ان کی غذاے روح تھا جس کے بغیر انھیں کل نہ پڑتی تھی ـ ان لوگوں سے اگر وہ کبھی کچھ کام لیتے تھے تو یہ لیتے تھے کہ جب کوئی نیا مضمون باندھتے تھے اور اس کی مسرت کے کیف میں بے خود ہو جاتے تھے تو نیچے تشریف لے آتے تھے اور وہ شعر لوگوں کو سناتے تھے اور داد لے کر پھر الٹے پاؤں واپس چلے جاتے تھے ـ

کبھی ایسا موقع ہوتا تھا کہ دیوان خانے میں چند ناخواندہ شخص جمع ہیں جو شعر کا مطلب تو درکنار اس کی ترکیب لفظی کو بھی نہیں سمجھ سکتے تھے مگر مرزا صاحب موصوف پر شوق کا وہ غلبہ ہوتا تھا کہ انھیں کو سناتے تھے ، ایک ایک لفظ کی تشریح کرکے بتاتے تھے اور داد لیتے تھے -

کلو کا بیان ہے کہ کئی مرتبہ ایسا بھی دیکھا کہ دیوان خانےمیں چڑیا بھی نہیں لیکن مرزا صاحب آئے اور دروازے میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا ''لو بھئی ، سنو کیا مضمون ہاتھ آیا ہے -'' اور پھر آپ نے شعر پڑھا اور اس کی ضروری تشریح کی اور مطمئن ہو کر پھر کوٹھے پر چلے گئے - ملازم چوں کہ ان حالتوں سے واقف تھے اس لیے خاموش رہتے تھے اور بعض اوقات کسی معمولی آدمی کو چپکے سے دیوان خانے میں بھیج دیتے تھے تا کہ مرزا صاحب کی تکلیف رائگاں نہ جائے اور وہ آزردہ نہ ہوں حالانکہ انھی مرزا نوشہ کی نازک دماغی کا یہ حال تھا کہ بعض موقعوں پر جناب نواب ضیاء الدین خان مرحوم نیر و رخشاں اور مصطفٰی خان شیفتہ ، سرور[1] اور نواب علاءالدین خان علائی مغفور جیسے رؤسائے بلند پایہ منتیں کرتے کرتے تھک جاتے اور وہ ایک مصرع تک زبان پر نہ لاتے تھے - اللہ اللہ سچ کہا ہے کہ :

''شاعر اپنے رنگ میں بادشاہ سے بڑھ کر ہوتا ہے -''

حکیم مومن خاں مغفور[2] کا یہ عالم تھا کہ راستے میں چلتے چلتے خود بہ خود ٹھٹھک جاتے تھے اور پھر چلنے لگتے

---

۱ - مرزا کے ہم زلف -

۲ - یہ واقعات بھی سوانح نگاران مومن کی نظر میں نہیں ہیں -

تھے ۔ ایک دو شاگرد یا معتقد ساتھ لپٹے رہتے تھے کہ کہیں کسی گاڑی گھوڑے کی زد میں نہ آجائیں ۔ پھر بھی ایسا ہوا کہ کئی بار چوٹ کھائی اور کئی بار گرتے گرتے بچے ۔ آپ کے ہاتھ کی جنبش اکثر اُس بات کا پتا دیا کرتی تھی جس میں آپ غرق ہوتے تھے ۔ کبھی دونوں ہاتھ بھی چلتے تھے ۔ ایک شاہزادہ صاحب کا بیان ہے کہ کلاں محل میں ایک بالا خانے پر ہم چند احباب کی نشست رہتی تھی ؛ حکیم صاحب بھی گاہے ماہے قدم رنجہ فرماتے تھے ۔ اور چوں کہ ہم میں قریب قریب سب تعلیم یافتہ اور مذاق سخن کے دل دادہ تھے اس لیے اپنا کلام بھی سناتے تھے ۔ ایک روز میں بالا خانے کے چھجے پر بازار کے رخ بیٹھا تھا ، دور سے دیکھتا کیا ہوں کہ جناب حکیم صاحب جھومتے جھامتے چلے آ رہے ہیں ، مگر آپ کا دایاں ہاتھ عجب انداز سے ہلتا جاتا ہے جیسے کوئی کسی چیز کو جھٹکتا ہو ۔ جب کوٹھے کے نیچے آئے تو میں نے آواز دی کہ "تھوڑی دیر کے لیے قدم رنجہ فرمائیے ۔" مگر انھوں نے مطلق اعتنا نہ فرمایا ۔ میں نے پھر بلایا اور جب دیکھا کہ یہ سنتے ہی نہیں تو خود نیچے اُتر کر گیا ، مگر آپ آگے بڑھ گئے تھے ۔ میں نے دبے پاؤں آپ کے قریب جا کر سنا تو اس مصرع کی تکرار فرما رہے تھے :

مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

میں نے کہا "اچھا ! حضرت پھر ہم سے بھی گلے ملتے جائیے ؛ خدا خیریت سے واپس لائے!" اس پر آپ نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا دیے ۔ حکیم صاحب مغفور کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ راتوں کو دو دو تین تین بجے سوتے سوتے اُٹھ کر باہر نکل آتے تھے اور جس طرف منہ اُٹھتا تھا چل دیتے تھے ۔ یہ حالتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شعرا کو بے خودی و خود فراموشی

سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہے ۔ مگر اُن حضرات میں یہ حالتیں عارضی ہوتی تھیں ، اور حضرت آزاد کے معاملے میں ملک و زبان کی بد قسمتی سے اُنھوں نے استقلال کا درجہ قبول کر لیا ہے اور فرط استغراق سے یہ عالم بہم پہنچا ہے کہ گھنٹوں اور دنوں تو درکنار ہفتوں اور مہینوں بھی آپ اپنے آپ میں نہیں آتے ۔ اللہ اللہ شاہد حقیقی کی کیسی تلاش ہے کہ اس میں خود ہی کو بالکل گم کر دیا :

کھویا گیا ہوں دے کے پتا نامہ بر کو میں
اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں

در حقیقت حضرت آزاد اور زبان اردو دونوں کی بدقستی تھی کہ آپ نے ایسا برا زمانہ پایا جب کہ لوگ ایشیائی تہذیب کو علیٰ وجہ‌الکمال نباہنے کا اپنے میں سکت نہ پاتے تھے اور مغربی رنگ سے اچھی طرح آشنا نہ ہوئے تھے ۔ اس لیے جناب آزاد کو اپنی مساعی اصلاح و ترقی زبان میں سال ہا سال بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ پرانے فیشن کے بزرگوار آپ کے نیچرل مذاق کا پورا لطف اٹھانے اور سادگی و بے ساختہ پن کو تصنیع و آرائش پر ترجیح دینے کے لیے تیار نہ ہو سکے ، اور انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب یورپین خیالات کے اس قدر پیچھے پڑے کہ انھیں جناب آزاد کی نظم و نثر مغربی چاشنی کے ساتھ بھی بہ خوبی مطبوع نہ ہوئی اور اُن کی زبان گویا نمک ہندی کا چٹخارہ ہی بھول گئی ۔ اس لیے جناب آزاد نے اردو لٹریچر خصوصاً نظم کا جو اعلیٰ ذخیرہ بڑی محنت و لاگت سے فراہم کیا تھا وہ پورے طور پر استعمال نہ ہو سکا ۔ اور 'آب‌حیات' جیسی نادر تصنیف جس جان کاہی و مغز پاشی سے تیار کی گئی ہے اس کی ملک سے پوری داد نہ ملی اور ابتدائی اڈیشن کی جو جلدیں نکلیں بھی وہ سر رشتۂ تعلیم

کی عنایت سے مدارس کی انعامی کتابوں میں نکلیں اور 'نیرنگ خیال' تو اس میں داخل ہونے کی وجہ سے بکی ۔ مگر اس سے مولانا کا مدعاے دلی حاصل نہ ہونے پایا اور وہ بجاے شگفتہ کے شکستہ خاطر ہو گئے ، اور بعد کے صدمات کی تاب نہ لا سکے ۔ اس طرح پبلک کی لاپروائی کا نہایت مضر و ناگوار نتیجہ یہ نکلا کہ ملک نہ صرف مولاناے ممدوح کی تلاش و تحقیق کے دیگر دل چسپ و کارآمد نتیجوں اور طبع آزمائی و خامہ فرسائی کے قیمتی و دل آویز نمونوں سے جن میں سے بعض تقریباً مرتب ہو چکے تھے اور بعض کا خاکہ آپ کے ذہن رسا میں کھچا ہوا تھا ، محروم ہو گیا ، اور 'آب حیات' میں موعود اضافہ جو بسا ضروری تھا ، نہ ہونے پایا بلکہ ناقابل ہاتھوں میں پڑ کر اُلٹی اُس کی مٹی پلید ہوئی ، اور سب سے بڑھ کر مصیبت یہ پیش آئی کہ خود مولاناے ممدوح وہ آزاد نہ رہے ۔ ہائے !

وہ چمن ہی اڑ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

اگر ہومر کے ساتھ بے اعتنائی برتنے ، ملٹن کو مبتلاے فلاکت رکھنے اور اُس کی معرکۃالآرا تصنیف 'پیریڈائز لاسٹ' صرف پانچ پونڈ کو بکوانے ، جانسن کو در در کی ٹھوکریں کھلوانے ، خاقانی کو جیل خانے بھیجنے ، ڈانٹی کو حسرت کی موت مارنے ، فردوسی کو شکستہ خاطر دنیا سے اُٹھانے ، حضرت میر سے افلاس کے صدمے سہوانے ، مصحفی کا گذارہ غزلوں کی تجارت پر ٹھہرانے اور زولا کو جلاوطنی پر مجبور کرنے میں اُن کے اہل وطن مورد الزام ہوسکتے ہیں اور بے درد و ناقدردان قرار پا سکتے ہیں تو مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ حضرت آزاد کی طبیعت کے اس دردناک و حسرت انگیز انقلاب کی ذمہ داری بھی اردو زبان کے برتنے والوں پر عاید ہوتی ہے اور شمالی ہند کے

باشندے اخلاق طور پر اس کے جواب دہ سمجھے جا سکتے ہیں۔
کہ انھوں نے اپنی زبان کے سب سے بڑے محسن و مربی اور لٹریچر
کے رفارمر کی پوری قدر نہ کی اور اسے اتنا خوش حال و
فارغ البال نہ بنایا کہ وہ معمولی حوادث روزگار کا مقابلہ کر سکتا
اور مالی نقصانات و قلبی صدمات کو خاطر میں نہ لاتا ۔ یہ مانا
کہ جیسا میں اوپر لکھ آیا ہوں اس ناگوار تبدیلی کے اسباب
ابتدا سے آس کی طبیعت میں موجود تھے مگر آن کی موجودہ
سقیم حالت کی جو فوری وجوہ بتائی جاتی ہیں آن میں سے بعض
مثلاً امانت کا روپیہ ڈوبنا ، کتب خانے میں آگ لگنی ، اختلاج
قلب کا زور ہونا یقیناً ایسی ہیں جو خوش حالی کی صورت میں
یا تو ٹل جاتیں یا اس قدر مضرت انگیز نتیجہ نہ پیدا کرتیں مگر:

اب پچھتائے کیا ہوئے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

خدا بھلا کرے ڈاکٹر لائٹنر ، کرنیل ہالرائڈ وغیرہ
نیک نہاد و شریف نواز افسران سر رشتۂ تعلیم پنجاب کا جنھوں نے
قصص ہند حصہ دوم ، نیرنگ خیال ، جامع القواعد اور مثنویات
بھی مولانا آزاد سے لکھوا کر چھپوا لیں اور آب حیات کی تالیف و
اشاعت میں بالواسطہ سہارا دیا اور دربار اکبری کی تیاری کا سامان
پیدا کیا ۔ ورنہ اگر مولانا کی دوسری تصانیف کی طرح کہیں
ان کتابوں کا نکلنا بھی اہل ملک کی اعانت پر منحصر ہوتا تو
شاید دہلی و لاہور کے باہر کوئی آزاد کا نام بھی نہ جانتا اور
دوسری کثیر التعداد مثالوں کی طرح آن کا سرکاری خطاب
'شمس العلما' بھی محض مقامی وقعت رکھتا اور آن کے مسودات
جھینگروں اور دیمک کی خوراک بننے کے سوا کسی کام نہ آتے۔
جیسا کہ انگلستان کے نامور شاعر گرے نے اپنی مشہور عالم
نظم 'ایلیجی' میں لکھا ہے : "بیسیوں آدمی شیکسپیئر اور

ملٹن کا سا دل و دماغ لے کر منصۂ عدم سے عرصۂ شہود میں آئے مگر نا مساعدت زمانہ نے اُن کے ارمان دل ہی میں رکھے اور آخر انھیں خاک میں ملا دیا ۔" لیکن جناب مولانا آزاد کے معاملے میں بڑی دردناک اور حسرت انگیز حالت یہ ہے کہ پہلے تو عرصۂ دراز تک ملک نے اُن کے فیوض اور کمالات کا پورا اعتراف نہ کیا اور اُن کی قدر شناسی و حوصلہ افزائی کا سہرا صرف پنجاب گورنمنٹ کے سر رہا ۔ لیکن جب ابناے وطن کو اس جوہر قابل کی کچھ پرکھ آئی اور اُس کے شعشعے اُن کے دلوں میں گھر اور تاریک کلبۂ خاطر کو منور کرنے لگے تو متواتر صدمات و آلام سے اُس پر گرد کدورت چھا گئی ، اور گو فیض کی کرنیں نکلنی موقوف نہیں ہوئیں مگر بندھ کر پڑنے کی بجائے متفرق ہو کر گرنے لگیں جس کی وجہ سے وہ روشنی مدھم کیا بالکل ہی ماند ہوگئی ۔ افسوس قدر دان اردو اب اُن دل نشین فقرات کے لیے تلملاتے اور مولاناے ممدوح کے نتائج افکار کی دید کا بے حد اشتیاق جتاتے ہیں مگر اب کیا ہوسکتا ہے ؟ مولانا کے قیمتی مسودات اُن کے حواس کی طرح منتشر ہوکر زبان حال سے اپنے مصنف کی بیتی سنا رہے ہیں اور شائقین اردو پر سچا الزام لگا رہے ہیں کہ :

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہاے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مولاناے ممدوح کی زیارت اب ساکنین لاہور کے لیے بمقابلہ سابق بہت آسان ہوگئی ہے اور ہر کس و ناکس اُن کی ہم کلامی کا شرف بھی حاصل کر سکتا ہے کیوں کہ آپ برابر پھرتے رہتے ہیں اور اپنی عادت مستمرہ کے موافق اکثر صبح کو مختلف مزارات پر بھی جاتے ہیں ۔ نیز سواے خاص خاص موقعوں کے

جب کہ آپ کسی خاص دھن میں ہوں ، عموماً ہر شخص کی بات کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں ۔ اور اُسی طرح صحیح ، اردوے معلّٰی کے الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوتے ہیں ، وہی انداز گفتگو ، وہی طرز ادا ، وہی لب و لہجہ ، وہی محاورات ، وہی امثال ، وہی موقع بہ موقع اشعار کی چاشنی اس وقت بھی آپ کے کلام میں موجود ہے بلکہ صداقت نے درد اور بڑھا دیا ہے اور زمانہ سازی کی اُلجھنوں سے آپ کو چھڑا کر بے ساختہ پن پیدا کردیا ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ خیالات میں ایک تسلسل نہ ہونے سے یہ ساری خوبیاں ہیچ ہیں ۔ دو چار فقروں کے بعد سلسلۂ گفتگو کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے اور سامع ربط کو ٹٹولتا رہ جاتا ہے ۔ بعض اوقات کوئی لفظ آپ کو کسی خاص واقعے کی یاد دلاتا ہے اور بلا ضرورت اُس کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے مگر بہت کم وہ خاتمے تک پہنچتا ہے ۔ چوں کہ معلومات کی غیر معمولی وسعت اور الفاظ کی حد سے زیادہ کثرت نے ایک نہایت فراخ میدان آپ کے لیے مہیا کر رکھا ہے اس لیے ذہن پوری آزادی سے اس میں ہر طرف دوڑتا پھرتا ہے اور ایک سرے تک پہنچنے نہیں پاتا کہ دوسری طرف کوئی رنگین پھول دیکھ کر اُدھر مڑجاتا ہے ، اور اُدھر جاتے جاتے پھر پلٹ پڑتا ہے ۔گویا آپ کا عنقاے خیال ہر وقت فضاے لامکاں میں پرواز کرتا رہتا ہے اور کبھی کبھی زمین کی طرف متوجہ ہو کر نیچے اترنا شروع ہوجاتا ہے کہ فطری رفعت پسندی پھر اُس کا رخ بدل دیتی ہے اور اوپر بلا لیتی ہے ۔ بھلا کس کی عقل کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ اس تیز پری اور بلند پروازی میں مولانا کے خیال کا ساتھ دے اور ان عجیب و غریب نظاروں کا لطف اٹھائے ۔ جن لوگوں کو آپ کے مذاق و عادات سے آگہی ہے اور جو آپ

کے سوانح عمری سے واقفیت رکھتے ہیں اُن کا ذہن بھی تھوڑی دیر میں تھک کر رہ جاتا ہے اور مولانا کے توسن فکر کو بھی نہیں پاتا ۔ واقعی اس بارے میں آپ کا یہ فخر ہے کہ :

میں ہوں وہ رہ نورد شوق میرے ساتھ جاتا ہے
بسان سایۂ مرغ ہوا نقشِ قدم میرا

بالکل بجا ہے ۔ مگر وائے بر حال ہم بدنصیب مشتاقوں کے ان نکات کو نہیں سمجھ سکتے اور ایجاد و اختراع کی زبردست قابلیت جو آج کل آپ میں آگئی ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ البتہ آپ کی باتوں کا اگر کچھ اثر ہوتا ہے تو رنج و حسرت اور سناٹا سا آ جاتا ہے ۔ راقم سطور ہٰذا کو چوں کہ زمانۂ طفولیت میں مولانا صاحب کی نصیحت آمیز گھرکیاں جھڑکیاں کھانے کا اتفاق ہوا اور ان گھروں میں اُس نے پرورش پائی جن کے بزرگ مکینوں کو پہلے سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی آخری بھڑک دیکھنے اور اس یادگاری زمانے کے اہل کمال کی صحبتیں اٹھانے کا اتفاق ہوا تھا اور اب فلاکت و ادبار کے ہاتھوں صرف یاد ایام کا شغل باقی رہ گیا تھا ، اس لیے بہت سی باتیں اس کے کان میں پڑیں جن کی وجہ سے حضرت آزاد کی لٹریری کوششوں اور جاں فشانیوں کے متعلق اسے نہ صرف وہ حالات معلوم ہوئے جو ان کتابوں سے اخذ کیے جاسکتے ہیں بلکہ بہت سے خاص امور کا پتا چلا جنھوں نے مولانا کی عظمت دل پر نقش کردی اور زبان کے ایک زبردست محسن اور انشا پردازی کے گرامی قدر ریفارمر کی حیثیت سے اُن کی خاص عقیدت قائم کی جس کے اثر سے اب یہ کیفیت بہم پہنچی ہے کہ جب کبھی چلتے پھرتے آزاد کی نورانی صورت نظر آ جاتی ہے تو طبیعت پر عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے اور ملک و قوم خصوصاً اردو زبان کی

شوسی بخت و محرومی قسمت کے احساس سے دل بے اختیار دھڑکنے لگتا ہے ، جسم میں سنسنیاں ہونے لگتی ہیں اور جو الفاظ مولانا کی زبان سے نکلتے ہیں وہ تیر کی طرح سیدھے کلیجے میں جا بیٹھتے ہیں اور فوراً ان کے استاد کا یہ شعر جو انھوں نے خود آب حیات میں نقل کیا ہے ، یاد آ جاتا ہے :

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

خاص کر ایک روز کی بات تو عمر بھر نہ بھولے گی جب کہ غالباً اواخر ۱۹۰۴ع میں راقم اپنے مخلص دوست مسٹر سید محمد ایڈیٹر اخبار الحق کراچی کے ساتھ ٹہلتا ہوا دہلی دروازے کی طرف جا رہا تھا ۔ مسٹر موصوف اس سے پہلے کئی بار حضرت آزاد کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کر چکے تھے اور اس وقت بھی یہی کہہ رہے تھے کہ اتنے میں مولانا موصوف محض اتفاقیہ دوسری طرف سے ٹہلتے ہوئے آ گئے اور دفتر اخبار آبزرور کے عین مقابل ہماری یکایک مڈھ بھیڑ ان سے ہوگئی ۔ مولانا کسی خیال میں محو تھے اس لیے انھوں نے کچھ توجہ نہ فرمائی مگر راقم نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور بلا حصول اجازت مسٹر سید محمد کو آپ کا نام نشان بتا دیا جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور بڑے شوق سے آپ کو دیکھنے لگے ۔ لیکن سوء اتفاق کہیے یا کیا کہ گو میں نے مولانا کا نام بہت ہی آہستہ بلکہ زیر لب کہا تھا اور اشارہ تک نہ کیا تھا مگر خدا جانے کس طرح مولانائے ممدوح نے سن لیا کہ چار قدم جا کر آپ پھر پلٹے اور مولانا سید محمد سے جو کمال حیرت اور اس سے کہیں زیادہ حسرت کے ساتھ شمس العلما پروفیسر آزاد دہلوی کی چلتی پھرتی ہنستی بولتی تصویر کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے ،

فرمایا : "میاں اس لڑکے نے غلط کہا ، آزاد بھلا کہاں ؟"
اتنا کہہ کر آپ پھر آگے بڑھ گئے ۔ مگر راقم کے دل پر آپ کے
سہ لفظی جملے "آزاد بھلا کہاں" نے گویا کہ بجلی گرا دی اور
حسرت و اندوہ کا وہ اثر پیدا کیا کہ تھوڑی دیر کے لیے جہان
نظروں میں سیاہ ہوگیا اور ہجوم خیالات سے دم رکنے لگا ۔
ہندوستان جنت نشان جیسے ملک کی مشترکہ و ہر دل عزیز زبان
کا سب سے بڑا ادیب اور اُس کی یہ نوبت :

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

کامل چوتھائی صدی کی حوصلہ فرسا محنت سے ایک بزرگ
شخص نے سخت تردد کے بعد اردو کی اراضی میں فلسفیانہ و
نیچرل خیالات کی تخم ریزی کی اور اپنے خون جگر سے اسے
سینچا مگر جب کھیتی کی حفاظت کا وقت آیا تو بسان عضو
معطل و بے کار ہوگیا اور اپنی تہذیب اور مغز پاشی کا کچھ ثمرہ
حاصل نہ کر سکا ۔ یہی نہیں بلکہ پیداوار بھی مقدار میں کم رہی
اور جنس ویسی اعلیٰ درجے کی نہ ہوئی جیسی اُس کی مزید سعی
سے متصور تھی حیف :

قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

لوگوں کو اُمید تھی کہ آب حیات کے چشمے سے مولانائے ممدوح
کوئی اور نالی کاٹ کر لائیں گے اور دور آخر کے نامور شعرا کو
اس میں سیراب کرکے زندگی جاوید بخشیں گے ۔ دربار اکبری
کو بڑی شان و شوکت سے سجائیں گے اور اس کے مینا بازار کی
زمانۂ حال کے لوگوں کو سیر کرائیں گے ۔ خیابان فارس کی
چمن بندی از سر نو فرما کر اُس میں نئے گل بوٹے کھلائیں گے ۔
نیرنگ خیال کے نئے تماشے دکھائیں گے ۔ ہندوستان کی گزشتہ

باکمال خواتین کو کسی مرقع محل میں بسائیں گے۔ تاریخ ہند کے بہت سے شان‌دار مناظر نئی نسل کے رو بہ رو پیش کریں گے اور عروس زبان کو اصلاحات علمیہ کا زیور پہنائیں گے جس کے ارادے وہ وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے رہتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ فلک بد نہاد کی کینہ توزی سے تمام امیدوں پر یک لخت پانی پھر گیا اور مایوسی کا یہ مرتبہ بہم پہنچا کہ اب دفتر مخزن نے جو مولانا آزاد کے یہ تھوڑے سے خطوط کتابی شکل میں شائع کیے ہیں اُن کو ہم آپ کا ایک قابل قدر تبرک سمجھتے ہیں اور ملک و زبان کے حق میں ایک احسان عظیم سے تعبیر کرتے‌ہیں کیوں کہ اُن کے مکتوبات کے ذریعے سے رسالۂ مخزن نے نہ صرف مولانا کی بے تکلفانہ تحریر کا ایک دل‌آویز نمونہ شائقین اردو کو دکھایا ہے بلکہ بالواسطہ ان کی پر حوادث مگر قیمتی زندگی کے حالات کا وہ دل چسپ حصہ بہم پہنچایا ہے جس کا مہیا ہونا خود مولانا آزاد سے بھی نظر بہ حالات موجودہ سخت دشوار تھا۔

اہل ملک کی غفلت یا تنگ دلی بھلا اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ کامل چھ ماہ تک ان کی اشاعت کا سلسلہ مخزن جیسے وقیع و نامور رسالے میں جو ماشاء اللہ ہندوستان کے ہر حصے میں قابل ہاتھوں میں جاتا ہے، برابر جاری رہا اور لائق ایڈیٹر کی جانب سے دوبارہ یاران نکتہ داں کو صلاے عام دیا گیا کہ جن اصحاب کے پاس حضرت آزاد کے کچھ خطوط موجود ہوں وہ انھیں گم‌نامی کی تاریکی سے نکال کر شہرت کی روشنی میں لائیں اور ان پر تمام شائقین اردو کا حق استفادہ تسلیم کر کے مولانا کی سوانح عمری لکھنے والے کے لیے معلومات کا ایک کارآمد ذخیرہ جمع کرنے میں مدد دیں۔ مگر کسی بندۂ خدا نے حامی نہ بھری۔ حالانکہ مولانا کی خط و کتابت جس قدر وسیع تھی

اور صرف 'آب حیات' کی تالیف کے زمانے میں شعرا ادبا سے نامہ و پیام کا سلسلہ جو کئی سال تک انھوں نے قائم کر رکھا تھا اس کے دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ کسی اور شخص کے پاس ان کی تحریریں نہ ہوں اور ان میں معمولی سے معمولی یا باعتبار صفائی زبان یا افادت مطالب دل‌آویزی کی شان نہ رکھیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگوں کو توجہ و پروا نہیں اور جو معدودے چند حضرات اُن خطوط کی وقعت جانتے بھی ہیں وہ انھیں ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور اُن کے دکھانے میں بخل سے کام لیتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے ملکی و قومی کمالات کو مٹانے اور ہماری قدیم صنعتی عظمت کو نقصان پہنچانے والی ثابت نہیں ہوئی۔ حسرت کی بات ہے یا نہیں کہ جس ادیب نے اپنی آب‌حیات کے ذریعے سے اساتذۂ قدیم و متاخرین کے ناموں کو زندہ کیا، زبان اردو میں بیا گرافی کی بنیاد ڈالی اور انشاپردازی کے جنگل میں تذکرہ نویسی اور وقائع نگاری کی ایک سیدھی بٹیا نکالی جس پر اب سینکڑوں اہل‌قلم چل رہے ہیں اور اپنی ہمت سے شاہراہ بناتے جاتے ہیں، اس کے حالات زندگی کا ہمیں تھوڑا بہت بھی علم نہ ہو حالانکہ وہ بہ فضل خدا ہم میں جیتا جاگتا موجود ہے۔ اگرچہ سرپرستان زبان کی مساعی حسنہ کے اظہار اور شعرائے ماضی کے قیام یادگار کی کوشش نے بہ خوبی مشکور ہو کر اس کے لیے بقائے نام و شہرت دوام کا سامان کردیا ہے مگر ہم اپنی طرف سے اس کا شکریہ ادا کرنے کی کوئی صورت نہ نکالیں۔

یورپ میں کئی صدیوں سے خوش حالی و اقبال مندی کا دور چلا آتا ہے اور علوم و فنون کی ہر شاخ میں حد سے زیادہ ترقی ہو رہی ہے، اس لیے وہاں ملک و زبان کے محسنوں کی

تعداد بھی زیادہ ہے اور ہر زمانے میں ایک سے ایک بڑھ کر اہل کمال پیدا ہوتے رہتے ہیں ۔ مگر اس افراط پر بھی وہاں کے لوگ قدر شناسی و حوصلہ افزائی سے نہیں تھکتے اور دامے درمے قلمے، قدمے برابر اپنے شعرا و مصنفین کی خدمت کیے جاتے ہیں ۔ اور اگر بعض باکمالوں کے ساتھ ان کے زمانے میں قدرے بےاعتنائی برتی گئی ہے تو اس کی تلافی اس گرم جوشی و فراخ حوصلگی سے کر رہے ہیں کہ ان بزرگوں کی روح بھی وجد کرتی ہوگی ۔ مگر وائے بر حال ہم اہل ہند و شائقین اردو کے کہ گو ہماری تعداد بہ فضل خدا بارہ پندرہ کروڑ کے لگ بھگ ہے اور محسنین زبان کی تعداد سینکڑوں تک بھی نہیں پہنچتی مگر ہم ان کے شکریۂ احسان سے نہایت شرم ناک طریق پر قاصر ہیں ۔ اور ایک طرف حضرت آزاد اپنی درد انگیز حالت سے ابنائے وطن کی بے اعتنائی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں اور دوسری جانب استادان ریختہ کے شکستہ مزار زبان حال سے فریاد کر رہے ہیں :

تو بکار کسے نمی آئی　　　بکنار کسے نمی آئی
بچہ امید می‌تواں مردن؟　　　بہ مزار کسے نمی آئی

میرے نزدیک مکتوبات آزاد کی اشاعت میں دفتر مخزن کی سعی مشکور ہوگی اگر وہ اس عام بے التفاتی کی شکایت کو رفع کر سکے اور اردو والوں کو فرائض خدمت زبان کے احساس پر مائل کرے ۔ و ما علینا الا البلاغ !

سید جالب دہلوی

لاہور - ۱۹ مارچ ۱۹۰۷ع

مکاتیب
مولانا محمد حسین آزاد

مرتبہ

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

۱

بنام معصوم علی؟

چہ جرم دید خداوند سابق الانعام
کہ بندہ در نظر خویش خوارمی‌دارد
خدای راست مسلّم بزرگی و الطاف
کہ جرم بیند و نان برقرار می‌دارد

حضرت‌عالی‌جناب ، مقدس‌الالقاب[1] اعلیٰ‌حضرت ، والادرجت ، قبلۂ عقیدت کیشان و کعبۂ ارادت اندیشان ادام‌اللہ ظلال افضالہم !

بعد عرض جوہر تسلیم و تقبیل عتبۂ حریم حرم تکریم بعرض حاشیہ نشینان بساط مکرمت مناط می‌رساند ۔

دیریست تا از سواد مداد صحیفۂ شریفہ و تعلیقۂ انیقہ مردم دیدۂ عقیدت شعار فائزالانوار نگردیدہ ۔ غیر از کوتاہی قسمت بر چہ ـ حمل کردہ‌آید ۔ مدت ہشت ماہ منقضی گردید تا عریضہ

---

۱ ۔ یہ خط مولانا کےمسودات سے برآمد ہوا ہے اور ابھی تک قدیم‌ترین خط یہی معلوم ہوسکا ہے ۔ عنوان خط میں مکتوب‌الیہ کا نام درج نہیں ؛ میرا خیال ہے کہ معصوم علی صاحب کے نام ہوگا ۔ خود سید معصوم علی صاحب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا ۔ یہ خط پہلی مرتبہ اشاعت پزیر ہو رہا ہے ۔ اس کے مندرجات سے مولانا کے قیام جیند اور لودھیانے آنے پر روشنی پڑتی ہے ۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد جیند مین عہدۂ محافظ دفتر فوجداری پر فائز تھے ۔

عرض‌خدمت ساختہ بودم بجوابش فائز و مستسعد نہ شدم ۔ عریضۂ ثانی کہ بپاسخش برنگاشتم زان بعد الان امیدوار و چشم بر راہ انتظارم و لیکن اگر طالع ہمین ست و قسمت ہمین فوز مرام معلوم :

ہرچہ ہست از قامت ما ساز و بد انجام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائی کس کوتاہ نیست

چون فی‌الحال حال این کثیرالاختلال صورت جدیدی بر روی کار دارد اطلاعش بخدمت خدام والا مقام از قبیل واجبات دید حارج اوقات گرامی گردیدہ :

ہزار بار خم و کوزہ کردہ اند مرا
ہنوز تلخ مزاجم ز مرگ شیرین کار

تفصیل این اجمال آن کہ سابق ازین حقیقت تقرری خود برعہدۂ محافظ دفتری فوجداری سرکار جیند[1] عرض خدمت کردہ بودم و ہمان جا

---

۱ ۔ مشرق پنجاب کی سابقہ ریاستوں میں جیند کی ریاست بڑی معزز ریاست تھی ۔ راجا گجپت سنگھ پھول نے زین خان ناظم سرہند سے جنگ کرکے جیند (شمالی مغربی رہتک) پر قبضہ کرلیا ۔ پھر شاہ عالم کے دربار سے راجگی کا خطاب حاصل کرکے خود مختاری پائی ۔ رنجیت سنگھ سے رشتے داری ، پھر انگریزوں کی حمایت نے آہستہ آہستہ اس ریاست کو بڑی اہمیت بخشی ۔

ریاست کے پانچویں گدی نشین سروپ سنگھ ۱۸۳۷ع میں گدی نشین ہوئے ۔ انھوں نے لاہور کے سکھوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کی ۔ کشمیر کی جنگ میں بھی انگریزوں کا ساتھ دیا ۔ ۱۸۵۷ع میں انگریزوں کی کمک کے لیے خود فوج لے کر دہلی پہنچے اور ۵ نومبر ۱۸۵۷ع کو گورنر جنرل نے خاص طور پر ان کا شکریہ ادا کیا ۔ سروپ سنگھ ۳۱ سال ریاست کے حکمران رہ کر ۱۸۶۴ع میں فوت ہوئے ۔ (تذکرۂ رؤسائے پنجاب ۶۶۸ ببعد)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

بسر می نمودم کہ بعد چندی مولوی رجب علی خان صاحب بہادر[1] بہ بندہ نبشتند کہ این جانب را چاپ نمودن بعضی از کتب ضروریہ مرکوز خاطرست ؛ می‌خواہم تا طرح مطبع از آن خود اندازی ۔ زرے کہ برای مصارفش بکار باشد بطور قرض حسنہ تکفلش ما می کنم ۔ باید کہ ترک روزگار گفتہٗ خود را زود تر برسانی ۔ اگرچہ بندہ اول بخیال ترک روزگار راج و ہم نظر بر ہیچ‌کارگی ہای خود سپس بخیال ابنای روزگار و تلون کاران ناہنجار کہ نفوس ملکیۃ (موریانہ خورد) می ربایند ...... (موریانہ خورد) ۔ ۔ ۔ بہ تہہ دل تن در می ورزیدم (؟) و لیکن چون اصرار جناب شان از حد بیش بود ۔ انکار صریح ہم خلاف رسم مروت و آئین مردمی انگاشتہ رموز دوستی[2] بحیلہ و حوالہ می‌خواستم ۔ چون خیالات پختہ کاران خام ہمی (؟) باشد تعالم پیش نرفت و ہم اعتذار کاری نکرد . . . . رسانیدند ۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

جیند کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست پٹیالہ اور جیند کے تعلقات بہت اچھے تھے ۔ دونوں ریاستوں کے راجا آپس میں عزیزدار بھی تھے ۔ اس لیے ممکن ہے پٹیالے کے معزز خنیفہ خاندان یا ارسطو جاہ نے مولانا آزاد کو جیند بلایا اور وہاں رکھنے کا اہتمام کر دیا ہو ۔ سروپ سنگھ چوں کہ انگریزوں کی نظر میں بہت معزز تھے ، اس لیے مولانا کا وہاں رہنا ان کے خلاف انگریز دشمنی کے لیے دفاع بھی تھا ۔

۱ ۔ سید رجب‌علی خاں ، ارسطو جاہ متوفی ۱۸۶۹ع نے لودھیانے میں مذہبی کتابوں کی اشاعت کے لیے مجمع‌البحرین نامی پریس قائم کرنا چاہا ہے ۔

۲ ۔ یہ لفظ پڑھے نہیں جا سکے ؛ شاید 'امور دوستی' ہو ۔

و بعد قال و مقال و گفتگو ہای بالمشافہہ و بالمواجہہ از مہاراجہ صاحب بہادر[1] سخن بمیان انداختہ بندہ را گرفتہ بردند ۔ فرمان پزیر را جز از فرمان بری چہ چارہ بود؟

بالجملہ الحال بہ لودھیانہ ام انداختہ اند و این ہمہ بارگران را برسر این ضعیف‌البنیان انبار ساختہ و بہ پزیرای عرض بندہ صورت چنین قرارداده اند کہ برعایت مصلحت ہائی چند در چند کہ مطبع و ضروریات مطبع ہرچہ باشد ازان خود جناب شان باشد بندہ خدمت گزار را برائے رفع حوائج ضروری کہ ازان ہیچ کس را گریزی نہ‌باشد نہ بطور مشاہرہ عطا می کردہ باشند ۔ الغرض آلات و ادوات مطبع ہمہ بہم رسیدند و ملازمان نوکر شدند ۔ در امروز فردا اخبار

---

۱ ۔ گویا ارسطو جاہ نے راجا سروپ سنگھ سے مولانا کے خدمات مستعار لے لیے اور مولانا بظاہر با دل ناخواستہ لودھیانے آگئے ۔ راجا صاحب نے دوران ملازمت کی کارکردگی پر ایک سرٹیفیکیٹ بھی دیا تھا ، جس سے مولانا کی ملازمت کے آغاز و خاتمہ کی قطعی تاریخ متعین ہوتی ہے :

"فضیلت مآب مولوی میرزا محمدحسین محافظ دفتر فوجداری حفظہ ، جوکہ تم من ابتداء نہم‌فروری ۱۸۵۹ع تا دہم نومبر سنہ حال(؟) کار محافظ دفتر بہ کمال ہوشیاری و محنت کشی و دیانت و امانت انجام دیتے رہے اور بسبب پیش آنے ضرورت خانگی کے تم نے استعفیٰ گذرانا ، مزاج حضور کا تمھاری کارگذاری سے خوش رہا ۔ لہٰذا بعد منظوری استعفیٰ یہ پروانہ منظوری مزاج کا دیا جاتا ہے کہ سنداً اپنے پاس رکھو ۔ فقط تحریر بتاریخ ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ع بمقام سنگرور ۔" (اصل تحریر جناب آغا محمد باقر صاحب کے پاس محفوظ ہے ۔)

مسمی بہ[1] . . . جاری می‌شود ۔ امید کہ بذل ہمت و شمول برکت انفاس باوقات خاص دریغ نفرمایند کہ احتمال امثال این بار گران کار این ذرۂ ناتوان خصوص بحالیکہ از مراحل جزئی و کلی دست بردار گشتہ اختیار سپید و سیاہ بدست این بی اختیار دادہ باشند ۔ اکنون بندہ امیدوار مواعظ چند و آرزومند چندی از پندہای ارجمند است تا در حال و مآل دستورالعمل شبا روزی خودمن شمردہ باشد ۔

زیادہ بجز آداب چہ عرض نماید ۔ بخدمت خدام عالی مقام جناب حاجی صاحب قبلہ آداب و تسلیمات و بجملہ حضرات تسلیم والتماس دعا ۔ و بہ صاحب زادگان والا دودمان ماوجب ومالزم پزیرہ باد[2] !

(دسمبر ۱۸۵۹ع[3])

---

۱ ۔ طے یہ ہوا کہ مولانا پریس کے تنخواہ دار ملازم ہوں گے اور رسالہ 'نور علی نور' بھی نکالیں گے ۔ اصل خط میں رسالے کا نام تحریر نہیں ہے ۔

۲ ۔ مولانا نے پذیرفتن کے تمام مشتقات اس خط میں زاے معجمہ سے لکھے ہیں ۔

۳ ۔ یہ تاریخ تخمینی ہے ، اصل میں تاریخ موجود نہیں ، کیوں کہ جس شکستہ کاغذ سے یہ خط نقل کیا گیا وہ بظاہر مسودہ اور ابتدائی خط ہے جسے صاف کر کے بھیجا گیا ہوگا ۔ چوں کہ مولانا دس نومبر کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے ، اس لیے دسمبر ۱۸۵۹ع تک لودھیانے میں پریس کے انتظامات اسی مرحلے میں ہوں گے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے ۔

۲

بنام معصوم علی صاحب

نقادۂ دودمان مجد و اصطفلی ، سلالہ خاندان عز و اعتلا ، جناب سیدی مولای مخدومی مکرمی سید معصوم علی صاحب دام مجدہم ـ

بعد اہدای ہدیۂ تسلیم مسنون اشواق مشحون کہ چون مکارم اخلاق میمنت مقرون پایان پزیر تحریر و تقریر نباشند مشہود ضمیر توود تخمیر گردانیدہ می آید ـ

الحمد للہ کہ حال این منکسرالبال بہ فضل داور بیہمال قرین شکر و سپاس او تعالٰی ست و مژدۂ صحت و نوید عافیتہای ذات سامی درجات کہ از سروش غیبی بالعشی والابکار گوش بر آواز و لیکن عجب است کل‌العجب کہ باوجود وعدہ ہای موثق و پیمان ہای موکد ، چہ ہنگام ترخیص گاڑی بانان و چہ بر وقت روانگی بہ سواری گردون دوان از کلمۃ الخیر کہ عافیت بخش خاطر متشتت باشد طمانیت ظاہر و باطن نیفزودند ـ ہر چند نظر بر توکل حفاظت ایزدی و تیقن تام بہ صیانت و قایت حافظ حقیقی کہ فضل حمایتش بہر حال شریک عباد راسخ الاعتقاد است طبعم متسلی بود ، خاطرم جمع ـ تاہم بفحوای مؤدائی مضمون براعت مشحون لیطمئن قلبی دل جویای بشارت لبریز شکایت ہاست و جان پُر آرزو مشتاق حرف و حکایتہا ـ بہر حال اگر خواستۂ کردگار است ، عجبی نیست کہ بندہ ہم ان شاءاللہ در اسرع مدت باحسن تقریب حاضر خدمت گردیدہ از محاکات بالمواجہہ و بہ مقالات بالمشافہہ دولت اندوز سعادت نشأتین می شوم و الا فکل امر مرہون باوقاتہا ـ اطلاعاً ریختۂ قلم مِن رقم گردید ـ

ضراعت نامہ کہ بہ ہنگام رخصت معنون باسم سامی خدام ذوی الاحترام سرکار منشی صاحب بہادر[1] تفویض جناب نمودہ بودم عجب نیست کہ یادش ہم از لوحۂ خاطر محو شدہ باشد ؛ تاہم اگر نامناسب نباشد بہ حسن آداب تسلیم نیاز گزار نمایند ۔ ہانا علت غائی ازیں سمع خراشی نہ دریافت حال مولای گرامی مقام است و نہ برخورد احباب باثنای راہ بلکہ غرض اصلی ادراک حال است کہ بحولہ وقوتہ مع الخیر والعافیۃ از مشقت وتعبہای سفر برآسودہ بہ منزل مقصود کی فائز گردیدند ۔ زیادہ اشتیاق است و بس ۔

(۱۸۶۱ع؟[2])

۳

بنام میجر فُلر ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم پنجاب

بحضور لامع النور ، سکندر ارسطو فطرت ، آصف سلیمان رفعت ، صاحب خداوند خدایگان ، مراتب ارجمند ، دام اقبالہم وضاعف اجلالہم !

تسلیم و آداب سر ادب سے بجا لا کر عرض رسا ہے ۔

حضور کو یاد ہوگا کہ ماہ دسمبر ۱۸۶۰ میں حضور دورے سے مراجعت فرما کر تشریف لائے اور ڈاک بنگلہ لودھیانے میں رونق افروز ہوئے تو فدوی بھی شرف اندوز ملازمت ہوا تھا ۔ اس وقت فدوی پرنٹر و پبلشر مطبع مجمع البحرین میں تھا کہ

---

۱ ۔ غالباً ارسطو جاہ مراد ہوں ۔

۲ ۔ یہ خط بھی پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے ۔ شکستہ اور معمولی کاغذ پر تحریر ہے ۔ بہ ظاہر نقل ہے ۔ سنہ تحریر موجود نہیں ، اندازاً سنہ تحریر ۱۸۶۰ ع یا ۱۸۶۱ع قرار پاتا ہے ۔

ارسطو جاہ مولوی رجب علی خاں بہادر نے بنا کیا ۔ فی الحال بہ اتفاق آب و دانہ فدوی لاہور میں اور محکمۂ محتشمۂ حضور جنرل پوسٹ ماسٹر بہادر میں سررشتہ دار ہے ۔ چوں کہ حضوری و خدمت حکام سے علاوہ اپنے نفع ذاتی کے اس قسم کے فوائد متصور ہیں، جن سے خلق خدا رضامند ہو اور واسطے ہمیشہ کے نام نیک یادگار رہے ؛ اس واسطے فدوی بھی آرزومند قدم بوسی حضور کا ہے ۔ امیدوار ہوں کہ بہ نظر علم پروری و جوہر شناسی اپنے وقت فرصت سے فدوی کو مطلع فرمائیے کہ حاضر حضور ہو کر دولت لازوال حاصل کروں ۔ فقط زیادہ آداب ۔

آفتاب دولت و اقبال تاباں رہے!

فدوی محمد حسین

سررشتہ دار محکمۂ محتشمۂ

جنرل پوسٹ ماسٹر لاہور

پنجاب

۲۵ مئی ۱۸۶۱ع[1]

---

۱ - مولانا دسمبر ۱۸۶۰ع تک لودھیانے میں مطبع مجمع البحرین سے وابستہ رہے ہیں ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈائرکٹر صاحب سے مولانا کی ملاقات ماسٹر پیارے لال آشوب نے کرائی تھی ؛ اس خط سے اس بات کی تردید ہوتی ہے ۔ حقیقت میں ماسٹر صاحب لاہور میں ۱۸۶۵ع کے بعد آئے تھے اور اس سے پہلے وہ دہلی کے نارمل اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے ۔ چناں چہ جب ان کا تقرر لاہور میں ہوا تو 'اکمل الاخبار' دہلی نے 'نجم الاخبار' کا ایک مضمون نقل کرکے لکھا کہ : "دہلی میں افواہ ہے کہ ماسٹر پیارے لال صاحب ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول جن کی ذی استعدادی اظہر من الشمس ہے اور حسن لیاقت ابین من الامس ، حق یہ ہے کہ جامع الکمال ہیں ،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۴

تعارف نامہ عجائب گاہ پنجاب[۱]

چوں ہمگی خاطر نیسان مقاطر گیتی خداوند بر سود انام و بہبود خواص و عوام مصروف است این مجموعہ بدائع حضرت آفریدگار و مرقع صنائع صنعت گران روزگار سرانجام نظام یافت تا کسانیکہ ندانند ببینند و یاد گیرند ۔ ناقص فنان بتکمیل شتابند و ہنرمندان ازکار خود برومندی‌یابند ، فنون ہنر را افزائش دہند و بدستکاری خود قدم سعی بالاتر نہند ؛ قوت ایجاد پیدا آید و سلیقۂ امتیاز بسنجیدگی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

علی‌الخصوص مترجمی میں لاثانی و عدیم‌المثال ہیں ، یہ کار سترگ انجام فرمائیں گے ؛ اپنی زبان فیض ترجمان سے ایک نفع عظیم پہنچائیں گے ۔ بڑی خوشی ہے کہ اب حل مشکلات کا زمانہ آیا ، گورنمنٹ کی خاص توجہ نے یہ مژدہ سنایا ۔ فی‌الواقع جیسی کہ یہ تجویز پسندیدہ ہے ، ایسا ہی یہ انتخاب مترجم بھی برگزیدہ ہے ۔ اکثر قرائن اس پر دال ہیں کہ یہ سوسائٹی لاہور میں قائم کی ہے ۔ ہم کو اس سوسائٹی کے صدر مقام سے کام نہیں ، ہاں یہ کہنا واجبات سے ہے کہ مترجم کو دہلی میں رہنا واجبات سے ہے ۔“

(تاریخ صحافت اردو ، حصہ دوم صفحہ ۲۳۸)

حسن اتفاق سے ان دنوں میں محکمۂ تعلیم میں سررشتہ دار کی اسامی خالی تھی ؛ مولانا نے ڈاک خانے کی ملازمت ترک کی اور محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوگئے ۔ زیر نظر درخواست میں مولانا ذاتی تعارف ہی کا حوالہ دے رہے ہیں ، پیارے لال آشوب کا کوئی ذکر نہیں کرتے ۔

۱ ۔ بظاہر سپاس نامہ ہے ۔ اس کاغذ کے بعض رخوں پر مصرع ہائے تاریخ نکالنے کی کوشش ہے ۔

گراید - زہی بدایع صنعتگر جمال و کمال کہ عینک نظر اعتبار خواہد بود - زمانہ تا بہ زمین است و روزگار بروز (؟) برای اہل زمان یادگار خواہد بود - ہم ازانجا کہ گمنامی کمال و بی خبری حال مانع روز بازار است بدایع خدا آفرین از نباتات و جمادات و معدنیات و صنائع اہل زمین اقسام کل صناعات ہر گاہ از جا بجا بیک جا آیند ، پریشانی بہ جمعیت گراید و دشواری پزوہش بآسانی چہرہ کشاید ، تجارت ترق پزیرد و کار بازرگان رونق کلی گیرد - اہل فلاحت را کشت امل سرسبز گردد و کشاورزی مزارع فراوانی بار دہد -

زہی مجموعۂ صنعت کہ نظمِ سال تاریخش
عجائب گاہ پنجاب و فروغ چشمِ ہند آمد

۱۸۶۴ع

سپاس این مرحمت عظملی و شکرانۂ این موہبت کبریٰ منحصر درین مختصر است :

شمسۂ افلاک باد قدر ترا زیر چرخ
ابلق ایام باد حکم ترا بر زمین
در ہمہ حالت ظفر باد قرین و رفیق
در ہمہ کارت خدا باد نصیر و معین

تا ہست فضل واسطۂ انتظام خلق
تا ہست علم قاعدۂ استوار کار
از آفتاب رای تو بادا جمال علم
بر مرکز مراد تو بادا مدار کار
این دعا از من و از جملہ جہان آمین باد !
گر قبول افتد زہی عز و شرف ! ۱۸۶۴ع[1]

---

۱ - مقالات مولانا محمد حسین آزاد جلد اول طبع مجلس ترقی ادب لاہور
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۵

صاحب مہتمم 'پنجابی اخبار' سلامت!

اب کے ہولی کے بعد ایک عجیب تماشا دیکھنے میں آیا ، یعنی قریب شام میرا گزر "سکشا سبھا" کے آگے سے ہوا تو کچھ سواریاں باہر اور بہت سے لوگ اندر جاتے ہوئے دکھائی دیے، میں بھی مشتاق ہو کر اندر گیا ؛ دیکھا تو جلسے کا سامان ہے ، مگر اتنا فرق ہے کہ معمولی میز کے اوپر ایک چوکی اور رکھی ہے اور اس پر ایک سفید دھوتی پھیلی ہوئی ہے ۔ میں حیران ہوا مگر خیال آیا کہ گرنتھ صاحب کا کچھ بچار ہوگا ، پھر جب دیکھا کہ بہت سے بابو صاحبان بھی بیٹھے ہیں تو بہت متوحش ہوا ۔ آخر کھلا کہ کوئی برہمو دھرم تازہ وارد ہوئے ہیں ، آج

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

صفحہ ۲۷۳ پر 'عجائب خانہ' لاہور' کے عنوان سے ایک مضمون ہے ۔ پہلے یہ مضمون رسالہ انجمن دسمبر ۱۸۶۷ع میں چھپا تھا ۔ مضمون کا پہلا فقرہ ہے :"سرکار نے ۱۸۶۴ع میں اہل ہند کی چشم بصیرت کھلنے کے واسطے نمائش‌گاہ پنجاب اس شہر لاہور میں کھولی ۔" فارسی کی یہ تحریر اسی نمائش کے آغاز سے متعلق ہے ۔

۱ ۔ 'پنجابی اخبار' دہلی کے سید محمد عظیم دہلی دروازے سے نکالتے تھے ۔ وہ قدیم دلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے ۔ ان کا انگریزی اخبار بھی تھا ۔ انگریزی اخبار کی طباعت کا تجربہ انھوں نے دہلی میں حاصل کیا تھا ۔ وہ انگریزوں کے تسلط کے بعد ۱۸۴۸ع میں لاہور آئے تھے ۔ انھی کے صاحبزادے منشی محمد لطیف تھے جو بعد میں جج ہو گئے تھے ۔ ان کی تصنیف تاریخ پنجاب و تاریخ لاہور قابل قدر تصانیف ہیں ۔

یہاں لکچر دیں گے ۔ یہ سن کر میں بھی بیٹھ گیا ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جن کے لیے یہ سارا کھڑاگ ہے ، ان کا انتظار ہے اور وہ ساڑھے سات بجے آئیں گے ۔ لطف یہ ہوا کہ وہ صاحب ، خدا جانے دروازے میں کھڑے تھے یا صحن کے پیپل پر بیٹھے تھے کہ عین وقت معین پر دفعتہً دالان میں ہی بیٹھے نظر آئے ۔ ہمارے خیال میں یہ تھا کہ وہ بھی ننگے سر آئیں گے مگر برخلاف اس کے ان کے سر پر ابلق مخمل کی ٹوپی تھی ، بلکہ اس میں ایک طرہ بھی لٹکتا تھا ۔ ان کا قد بہت چھوٹا سا ، چہرہ خشک ، رنگت جس قدر سخت سیاہ ، اتنے ہی کپڑے بہت اُجلے ، بغل میں اپنے ہی قد کے برابر کتاب ، پاؤں میں گرگابی ، منہ پر فقط مونچھیں ، سر پر معمولی دو چار اُنگل بال تھے ۔ مگر ٹوپی اِن کی یہاں بھی نہ اتری ۔ سیدھے آئے اور اپنے ٹھکانے پر جا کھڑے ہوئے ۔ بڑا افسوس یہ ہے کہ آگے ان کے سر کے چوکی ایسی بے ڈھب رکھی تھی کہ لوگوں کو اپنی کرسیوں پر سے اُبھر اُبھر کر دیکھنا پڑتا تھا ۔

انھوں نے پہلے تو نیچے کے سُر سے کچھ کہنا شروع کیا کہ سب کے کان ادھر ہی لگ گئے کہ خدا جانے کیا اسرار کہتے ہیں ، پیچھے سر جھکا ، اور سلسلہ چلا ۔ اس میں شک نہیں کہ لکھنے والے نے عبارت بری نہیں لکھ دی تھی ، پر بابو صاحب اسے اچھی طرح یاد کرکے نہ آئے تھے ؛ جا بجا اُلجھتے تھے اور ٹھوکریں کھاتے تھے ۔ خصوصاً چند فقروں کے بعد جب وہ کہتے تھے کہ ”اٹ فشٹ اور دی فشٹ“ تو عجیب عالم ہوتا تھا ، جیسے مچھلی کھاتے کھاتے منہ میں کانٹا آ جاتا ہے ۔ کئی دفعہ لوگوں نے تالیاں بھی بجائیں ، مگر اکثر بے تال رہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مضمون برا نہ تھا ، مگر کہانی ایسی روکھی اور بے جوڑ

تھی کہ لوگ اکتا کر بھاگنے شروع ہو گئے ۔
اس میں بھی شک نہیں کہ بعض بعض مذہبوں اور ان کے خداؤں کو بہت خراب کہا ، مگر ہمیں اشتیاق اتنا رہ گیا کہ انھوں نے خود اپنے خدا کی کچھ صفت نہ بیان کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ برہمو دھرم بہت اچھا دھرم ہے مگر ہمیں ہنسی اس وقت آتی ہے ، جب وہ کہتے ہیں کہ اس کی بناخاص عقلِ خداداد پر ہے ۔ یہ دھرم خدائی ہے ، جب سے خدا تھا جب سے یہ تھا ۔ یہ سب مذہبوں پر مقدم ہے کیوں کہ کوئی مذہب اس کے اصولوں سے خالی نہیں ۔ دیکھو ! جو اچھی باتیں ہیں سب مذہبوں میں اچھی ہیں ، وہی دیکھو اس کے اصل اصول ہیں ۔ جو بری باتیں ہیں ، سب مذہبوں میں منع ہیں ، انھیں سے یہ ممانعت کرتا ہے ۔ بس تو معلوم ہوا کہ یہ ہر مذہب سے پہلے تھا اور ہر مذہب میں اس کے نور کا ذرہ موجود ہے ۔
کیا خوب ! بھلا عقل ہو تو اپنی تو ہو ؛ اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا نے جس جس صاحب شریعت کی معرفت احکام بھیجے ، وہ اپنی شانِ کبریائی کے اعتبار سے نہیں بھیجے ، بلکہ اس وقت کے لوگوں کے حالات کے بہ موجب بھیجے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ عقل و دانش ، تہذیب و علم روز بہ روز دنیا میں زیادہ ہوتے گئے ، اسی قدر احکام اور اصلاح بھی درستی کے ساتھ آتے گئے ۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ سخاوت ، رحم ، سچائی ، پاک دامنی کون سے مذہب میں موجب ثواب نہیں ؛ جھوٹ ، چوری ، مکر ، ظلم ، بدکاری وغیرہ کہاں بری نہیں ۔ ان صاحبوں نے سب کو طاق پر رکھ کر جو جو باتیں مذاہب مذکورہ میں ثواب اور حسنِ عقبیٰ کی معلوم ہوئیں وہ تو برہمو دھرم کا مال (کذا) ، باقی جو رہ گیا . . . . وہی بچوں کا کھیل کہ ”دودھ بھاتی منا کھائے ، چھی

چھی چھی کوکو کھائے۔" اس پر وہ وہ ناز کہ زمین اور آسمان میں نہیں سماتے کہ جو میرے گھر سو راجا کے نہیں - یعنی ہمارے برہمو دھرم میں جو کچھ ہے اچھا ہی اچھا ہے ، وہ بھی ہمارے برہمو دھرم کا ہے (کذا) -

واہ! شرماتے بھی نہیں : "شرم چہ کتی ست کہ پیش مردان بیاید -" ایک صاحب کو میں نے یہاں بھی دیکھا کہ وہ سب مذاہب پر کھلے جاتے تھے۔ ان کی صورت دیکھ کر مجھے وہ مثل یاد آتی ہے کہ مرد کو شرم داڑھی کی ہوتی ہے، جب خدا داڑھی مونچھ کچھ نہ دے تو اس سے کیا بہتر؟

—— ژند ، وید سے لے کر توریت ، زبور ، انجیل تک پر بے اختیار مسکراتے تھے -

ہمیں انجمن سے بڑا تعجب ہے کہ اس لیکچر کو کیوں کر گورا کیا - وہ رول (قانون) ایچیسن صاحب[1] کا بندھا ہوا کیا ہوا کہ خاص مذہب کے متعلق جلسہ یہاں نہ ہوگا ، خصوصاً یہ تو ایسا جلسہ تھا کہ مذاہب خاص کی تضحیک حد سے گذر گئی -

بات یہ ہے کہ میں برہمو سماج کے بر خلاف نہیں ، مگر جس طرح یہ جو انھوں نے ژند ، وستا ، وید ، قرآن سے لے کر توریت ، زبور ، انجیل ، سب کی تضحیک اور تحقیر کی اور خاکہ آڑایا ، یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا :

زاہد بہ نماز روزہ خبطی دارد
عاشق بہ میِ دو سالہ ربطی دارد

---

۱ - گورنر پنجاب جو پہلے لاہور میں کمشنر بھی رہ چکے تھے -

معلوم نمشد که او به خرسند ز کیست
ہر کس بخیان خویش خبطی دارد آزاد
۱۸۶۵ع[1]

٦

بنام سلطان مراد خاں

عالی‌جاه ، رفیع جاے‌گاه ، معلٰی پاے‌گاه ، جناب المکرم،معلٰی المحتشم ، صاحبی ام جناب سلطان[2] مراد خان صاحب از حوادث دوران و نوائب زمان پیوسته در حفظ و امان حضرت یزدان محفوظ و مصئون و شادکام بوده باشند!

بعد از ادای مراتب سلام سنت الاسلام و اشتیاق ملاقات بہجت و مسرت آیات که ہمچو اخلاق کریم الوفاق پایان پزیر تحریر و تقریر نیست مشهود ضمیر عطوفت تخمیر گردانیده می‌آید که مفاوضۂ شریفه و صحیفۂ لطیفه تکمۂ گریبان وصول گشته کاشف مدعا گردید ۔ صورت حال بدین منوال است که حین روانگی از مقام کابل فرمایش حضرت صاحب زاده کلان و ہم ارادۂ آثم ہمین بود که اثنای راه فائز دولت ملاقات گرامی گردیده به بدخشان برسم ۔ از رہگزر اتفاقات چند در چند ظهور این مراد

---

۱ ۔ یہ خط مولانا کے مسودے سے نقل کیا گیا ہے ۔ اس میں تاریخ موجود نہیں ۔ چوں کہ سکشا سبھا ، انجمن پنجاب سے پہلے لاہور کی تہذیبی انجمن تھی، ۱۸٦۴ع میں انجمن پنجاب کا قیام عمل میں آیا ، اور سکشا سبھا آہستہ آہستہ ختم ہوگئی ؛ اس بنا پر یہ خط ۱۸٦۴ع کے آخر یا ۱۸٦۵ع کا معلوم ہوتا ہے ۔

۲ ۔ سلطان مراد خان افغانستان کے کوئی سردار معلوم ہوتے ہیں ۔

صورت نہ بست ۔ بہر کیف حالا اگر خواستۂ کردگار باشد ارادہ مصمم ہست کہ عندالمراجعت بہ خدمت رسیدہ و بہ برکات صحبت گرامی کامیاب گشتہ رو بہ منزل مقصود آرد ۔ سلسلۂ رابطہ کہ فیمابین جناب مرحوم میر صاحب کلان و حضرت غفران مرتبت صاحب زادہ کلان ادخلہما اللہ فی فرادیس الجنان بودہ نہ چنان است کہ از مرور دہور یا عدم دست داد ملاقات مندرس گردد :

گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود

معہذا امید از بارگاہ الٰہی ہمچنان است ان شاءاللہ شجرۂ طیبۂ محبت از آبیاری مودت ہای طرفین روز بہ روز سرسبز و شاداب خواہد بود ۔ باقی احوالات کہ مفوض حامل رقیمہ نیاز اند زبانی گزارش خواہد گردد ۔ و مفاوضاتیکہ حضرت صاحب‌زادۂ کلاں اسمی جناب مرحمت نمودہ ام (اند؟) بہ خدمت خواہد گزرانید ۔ والتسلیم بالوف التعظیم ۔

(نومبر ۱۸۶۵ع[۱])

۷

بنام خلیفہ محمد حسین صاحب

. . . گھوڑے کا گوشت اس ملک میں عام و تام ہے ۔ بازار ہائے قصابی میں جو بڑا عریض و طویل بازار ہوتا ہے میں

---

۱ ۔ مولانا ۳ ستمبر ۱۸۶۵ع/۱۳ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ دوشنبہ کو پشاور سے روانہ ہوکر ۱۷ ستمبر کو کابل پہنچے ۔ (انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی سیاحت ، صفحہ ۵۹) اور ۱۲ نومبر ۱۸۶۵ع کو کابل سے تاشقرغان پہنچے (حوالۂ مذکور صفحہ ۶۶) اس لیے یہ خط نومبر ۱۸۶۵ع کا ماننا پڑتا ہے ۔

نے دیکھا ہے کہ گوشت کی رانیں اور مچھے دوکانوں پر اور دوکانوں کے آگے جو لکڑ گڑے ہوئے ہوتے ہیں ، ان پر لٹکے ہوتے ہیں ۔ جس لکڑ پر گھوڑے کی دم لٹکتی ہے وہ گویا ٹکٹ لگا ہوا ہے کہ یہ گھوڑے کا گوشت ہے ۔ اور جس پر گائے کی دم ہوتی ہے ، سمجھ جاؤ یہ گائے کا گوشت ہے ؛ جس پر اونٹ کی دم لٹکتی ہے ، یہ اونٹ کا گوشت ہے ۔

جب ہم کابل سے بلخ کو روانہ ہوئے تو 'کتل دندان شکن' سے اترتے ہوئے ہمارے قافلہ سالار کا گھوڑا گرا (وہ اترائی بھی میل بھر سے کم نہ تھی ۔ ایسے مقاموں پر گر کر گھوڑے یا اونٹ کا سنبھلنا ممکن ہی نہیں) گھوڑا چور چور ہوگیا ۔ سامنے ہی ایک گاؤں تھا ، لوگ وہاں کے سنتے ہی دوڑے اور تکہ بوٹی کر کے لے گئے اور اپنی ہانڈیاں جا گرم کیں[1] ۔

۱۸۶۵ء[2]

---

۱ ۔ یہ نامکمل خط جناب خلیفہ سید محمد حسین وزیر اعظم پٹیالہ کے ترجمہ' سفر نامہ برنی ار طبع اول صفحہ ۲۲۳ سے نقل کیا ہے ۔

۲ ۔ چوں کہ مولانا کا سفر وسط ایشیا ۱۸۶۵ء میں ہوا اس لیے یہ خط اسی دور سے متعلق نظر آتا ہے ۔

آغا محمد اشرف 'انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی سیاحت' صفحہ ۶۶ پر رقم طراز ہیں :

> "رپورٹ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ تجارت کا مال خریدکر یہ چاروں کابل سے ۱۲ نومبر ۱۸۶۵ء کو تاشقرغان پہنچ گئے ۔"

اور صفحہ ۶۸ پر ہے : "اسی راستے میں بلخ بھی پڑتا ہے"

۸

بنام مولوی عبداللطیف خان صدر انجمن اسلامی کلکته

بمطالعۂ[1] مضمون مشتهره دوربین اخبار، نامی مشتمل بر انعقاد بزم گرامی و سالانه جلسۂ انجمن اسلامی و رونق افروزی حضور نائب‌السلطنت فرمان فرمای چار دانگ ہندوستان و حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر[2] با سائر حکام واجب‌الاعظام واستماع مضامین کلام الملوک ملوک الکلام دیدۂ دل روشن و خار ہاے چشم گلشن گردید[3] ـ خوشا بحال کسانیکه در صلاح و فلاح اہل انجمن[4] از صرف زر و اوقات عزیز دریغ نداشته مساعی جمیله بر روی کار آورند ہانا[5] بمفاخر تحسین حکام زمان و سرمایه اقبال اقران بہرۂ وافر می گرفته بلکه ازان ہم درگزشته سرمایه[6] ترغیب زمان و ممدوح زمانیان بوده

---

۱ ـ زیر نظر خط خود مولانا کے قلمی مسودے سے نقل کیا گیا ہے ـ لیکن رسالۂ انجمن بابت ماه اپریل ۱۸۶۷ع میں بھی چھپا تھا ؛ میں نے اس سے مقابله کیا ہے ـ (مقالات مولانا صفحه ۱۱۶)

۲ ـ یه اجتماع ۲ اپریل ۱۸۶۷ع کو منعقد ہوا اور بنگال کے لفٹنٹ گورنر سر سیسل بیڈن نے مولوی عبداللطیف صاحب کی تعریف میں فارسی میں تقریر کی ـ ملاحظه ہو : ’مقالات مولانا محمد حسین آزاد‘ جلد اول صفحه ۱۱۳ ـ

۳ ـ قلمی خط میں : ”و خانۂ دل گلشن گردید ـ“

۴ ـ مطبوعه عبارت یه ہے : ”در صلاح اہل وطن از صرف زر و اوقات عزیز تر ـ“

۵ ـ مطبوعه عبارت : ”و بمفاخر تحسین“ بجاے ”ہانا بمفاخر“ ـ

۶ ـ مطبوعه عبارت : ”موجب ترغیب اہل زمان“ـ

ذکر جمیل بر صفحۂ دہر یادگار می‌گزارند ۔ شرح[1] محاسن اخلاق سامی مجامع مخائل[2] اوصاف گرامی اگرچہ زائد از حد توصیف است مگر مجملے ازان کہ بذیل کارگذاریہای انجمن ہمایون گلشن باستماع رسیدہ موجب ہزاران مسرات بلکہ سرمایۂ شکربدرگاہ واہب‌العطیات[3] گردید ۔ کافہ اہل ہند را مقام فخر است کہ درین مملکت ہند ما شخصی[4] از ما بر صفحۂ روزگار آید و کارنامہ بر روی کار آرد کہ لائق تحسین فرمان فرمایان اقلیم دانش و داد گردد ۔ چون مساعی جمیلہ خدام نسبت بہ قاطبہ اہل ہند عام و تام بودہ بنا بران ارباب جلسہ این انجمن را نہ بتنہا بل تمامی اہل ہند زا باید بصمیم دلہا شکر گزار آیند و از کتاب و قلم تا دینار و درم در بذل اعانت و امداد دریغ ندارند ۔ کسانیکہ[5] از ارباب این انجمن بہ شمول جدید (؟) آرزو مند شدند اسامی سامی درج ذیل است در فہرست ممبران سمت اعزاز بخشند و از مصالحی کہ بحق این انجمن بخاطر خطیر خطور نمایند پیوستہ ازان مطلع می‌فرمودہ باشند ۔

والسلام بالوف الاحترام ۔

(اپریل ۱۸٦۷ع)

---

۱ ۔ مطبوعہ عبارت : ”بشرح اخلاق محاسن سامی ۔“

۲ ۔ مطبوعہ عبارت : ”جمائل اوصاف ۔“

۳ ۔ مطبوعہ عبارت : ”بدرگاہ واہب کثیرالموہبتہ گردید ۔“

۴ ۔ مطبوعہ عبارت : ”کہ شخصے از ما بر صفحہ روزگار آید و کار زمانہ بر روے کار آرد ۔“

۵ ۔ خط کی یہ عبارت شائع نہیں ہوئی ، اس کے بجاے حاضرین جلسہ سے فارسی میں درخواست کی گئی ہے ۔

۹

بنام انجمن پنجاب تجویز برائے علم طب[1]

علم طب ایک ایسا علم ہے کہ غریب یا امیر ، جوان یا پیر کوئی شخص اس کی ضرورت سے خالی نہیں ۔ لیکن آج کل اس علم کی طرف سے لوگ ایسے بے توجہ ہوئے ہیں کہ اکثر آدمی باوجود واقفیت علوم رسمی و قوت نوشت و خواند کے اس سے بالکل بے بہرہ ہیں ۔ خفیف سے خفیف مرض یا عارضے کے لیے بھی طبیب کا محتاج ہونا پڑتا ہے ۔ اور اس سے بھی سخت تر قباحت یہ ہے کہ اکثر امراض مثل زکام یا کھانسی یا بعض قسم کے درد یا سوء ہضمی یا فساد خون جو ذرا سی بے احتیاطی سے پیدا ہو جاتے ہیں ، صرف باعث ان کی ناواقفیت علمی کے عارض ہو جاتے ہیں کہ انجام کو ان کا انسداد بہت طول کھینچتا ہے ۔

---

۱ ۔ مولانا نے سکشا سبھا کو ایک کتاب آئینۂ صحت پیش کی تھی جس کے جواب میں لکھا گیا کہ چوں کہ یہ کتاب امرتسر والوں نے لکھوائی ہے لہٰذا وہی شائع کرائیں، بعد میں ہم انعام کی سفارش کریں گے۔ (اسلم فرخی : مولانا محمد حسین آزاد جلد اول) یہ تجویز مولانا نے انجمن میں پیش کی تھی ۔ ان دنوں وہ مجوزہ یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر اور اس کے ساتھ انجمن پنجاب کے سکرٹری بھی تھے۔ مجوزہ یونیورسٹی میں نے اس لیے لکھا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی تو ۱۸۸۲ع میں قائم ہوئی ، لیکن ڈاکٹر لائٹنر نے اس کی داغ بیل ۱۸۶۷ع میں ڈال دی تھی ۔ مولانا کو پچاس روپے ماہوار پر یونیورسٹی کا اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کردیا تھا ۔ وہ سائنس اور زبان اردو و فارسی پر لکچر باقاعدہ دیا کرتے تھے ۔ اس کی تفصیل انجمن پنجاب کے رسائل میں موجود ہے ۔

رنج ہائے جسانی و روحانی و اخراجات کثیر کا اٹھانا بلکہ وہ موت
کا بہانہ ہوتا ہے ۔ تفصیل ان بے احتیاطیوں کی اور بیان ان کی
رعایتوں کا اگر لکھا جائے تو بہت طویل ہے ۔ سبب اس کا اول
تو وہی وبائے عام یعنی بے پروائی ہمارے اہل وطن کی ہے ، اور
دوسری وجہ قوی یہ ہے کہ کتابیں جو تصانیف سابقہ علم طب
کی ہیں ، مطالب بعیدہ اور عبارت مغلقہ اور ترتیبات پیچیدہ میں
ہیں ۔ جب تک چند کتابیں استاد سے تحصیل نہ کی جائیں ، تب
تک فائدہ اس کا حاصل نہیں ہوتا ۔ اس واسطے مناسب ہے کہ
ایک ایسی کتاب تصنیف کی جائے جس میں جملہ امراض کے
سبب اور علامتیں اور معالجات مجرب عبارت اردو میں بیان ہوں
اور اس کے ساتھ ایک قرابادین اور بیان مفردات کا بھی ہو ۔
ترتیب اور بیان اس کا اس طرح کا ہو کہ تھوڑے سے صاحب
استعداد کے بھی سمجھ میں آ جائے اور اس کی واقفیت سے اکثر
امراض عامہ کا علاج اور پرہیز ہائے واجبہ کا لحاظ رکھ سکیں ۔
ایک رقم معقول اس کے انعام پر مد تصنیف یونیورسٹی سے عطا
کی جائے ۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی تصنیف خالی نفع عام
سے نہیں ہوگی[۱] ؛ فقط ۔

محمد حسین عفی عنہ

سکرٹری انجمن و اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی

(۱۸۶۷ء)

---

۱ ۔ مولانا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارت ہے اور اصل سے نقل کی
گئی ہے ۔

۱۰

بنام چندہ دھندگان

مخدمت صاحبان چندہ دہندگان یونیورسٹی ، شہر لاہور ۔
بموجب آپ کی تجویز کے جو کہ جلسۂ دربار واقعہ ۵ ۲ ماہ حال میں نواب لفٹنٹ کی خدمت میں بیان کیے گئے اور اس پر صاحب ممدوح نے اظہار خورسندی شکرگزاری بیان کی اور وہ یہ تھا کہ جو چندہ کہ آپ صاحب دیتے ہیں ، وہ مکتب حال کی نسبت کسی اور برگزیدہ کام پر لگانا چاہیے ، جس سے کہ زیادہ تر فائدہ یونیورسٹی (کوہو) اور نام‌وری آپ کی ہو ۔ اس لیے مناسب ہے کہ فوراً اسکول موجودہ بند کیا جائے تاکہ مصارف اور زیادہ نہ ہونے پائیں ، کیوں کہ فی‌الحال بھی ہم لوگ ایک ہزار روپے کے مقروض معلمان اور پنڈتان سکول کے ہیں ۔ اس واسطے اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مہینے کے اخیر پر یہ سکول بند کیا جائے ۔ اس لیے مناسب ہے کہ سب صاحبوں کو اطلاع دی‌جائے اور آپ سب صاحب اپنے اسم سامی اس اطلاع نامہ انسداد اسکول پر درج فرمادیں اور بقایا چندہ سابقہ اور آئندہ سال بہ سال دیتے رہیں ۔ اور حق دار اپنے حق کو پہنچیں ۔

امید ہے کہ اپنے مضمون میں جن لوگوں نے اچھا کام کیا ہے ، ان کے واسطے سرکاری مکاتب میں کچھ بندوبست کرنے کی تجویز ہے اور راقم کو یہ فائدہ دیا گیا ہے کہ چیدہ چیدہ لوگوں سے پوچھو ، جو یہ کہیں کہ کام بخوبی ادا کیا ہے اور لائق و فاضل ہیں ، جیسے کہ جگہ خالی ہوگی ، ویسا عمل کیا جائے گا ۔

۲۸ مئی ۱۸٦۸ع[1]

حاشیہ نمبر ۱ اگلے صفحے پر

۱۱

بنام قائم علی

مشفق و مہربان ، کرم فرمائے مخلصانی جناب امیر[1] سید قائم علی صاحب سلامت !

بعد اشتیاق ملاقات بہجت و مسرت آیات (؟) کہ پایان پزیر تحریر و تقریر نہیں ہے ، مشہود خاطر محبت مظاہر ہو دربارۂ اعانت یونی‌ورسٹی ضلع گورداس پور میں اور فراہمی زر چندہ کہ ایک رقم زائد چھ ہزار روپے سے ہے : ممبران یونی‌ورسٹی اس بذل توجہات کا شکریہ کہتے ہیں ۔ فی‌الحقیقۃ نہایت عالی شان طور سے آپ نے اپنے وعدہ کو وفا فرمایا ۔ چوں کہ ایک یونی‌ورسٹی کلکتے میں بھی ہے ، معلوم ہوا کہ رقم مذکور شاید بہ باعث کسی غلطی یا سہو کے کلکتے کو بھیجی گئی اور وہ رقم وہاں

پچھلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۱
اس چٹھی کی پشت پر مولانا نے 'حرکت اور سکون' پر مضمون لکھا ہے جو ان کے مجموعہ' مقالات میں شائع ہوچکا ہے - حرکت اور سکون کے مضمون کا ایک اور کاغذ ہے جس پر ڈاکٹر لائٹنر نے بہ حیثیت صدر انجمن پنجاب ایک چٹھی اپنے قلم سے لکھی ہے جو انجمن‌پنجاب کے ممبروں کے لیے جاری کی گئی ہے - اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ سکرٹری حکومت‌پنجاب نے ہدایت کی ہے کہ میں حکومت ہند کو مجوزہ یونی‌ورسٹی کے متعلق پیر کے دن ۲۵ ماہ حال کو 'لارنس ہال' میں سات بجے جو امور زیر غور آئیں گے ، ان سے مطلع کروں - ۲۳ مئی ۱۸۶۸ع -

۱ - مسودے میں بظاہر دبیر لکھا ہے -

کی یونی‌ورسٹی میں پہنچی - چوں کہ کلکتہ یونی‌ورسٹی کے قواعد جدا ہیں ، یعنی اس میں اصل اصول تعلیم انگریزی (ہے) اور یہ یونی‌ورسٹی کہ یہاں مقرر ہوئی ہے اور اس کے لیے آپ کی خدمت میں تحریک کی گئی تھی اور آپ نے بھی اس کے لیے اس قدر حسن سعی ماضی و حال میں فرمائی ہے اور اپنے کیسۂ خاص سے بھی پہلے اعانت فرما چکے ہیں ، اس کی غرض اصلی یہ ہے کہ علوم دیسی یعنی عربی و فارسی و سنسکرت وغیرہ اصل اصول ہو کر ان کے ذریعے سے علوم و فنونِ انگریزی بھی رائج ہوں - پس اس کی غرض اور اصول و قواعد اس سے جدا ہیں ، اس واسطے آپ کی خدمت میں تکلیف دی جاتی ہے کہ بابت رقم مبالغ مذکور کے دریافت حال فرما کر مطلع فرمائیں تاکہ اس امداد گراں بہا کی اطلاع لفٹنٹ گورنر بہادر کی خدمت میں لکھیں(؟) اور موجب خورسندیِ خاطر (ہو) -

(۱۸۶۸ء)

✶

ڈاکٹر لائٹنر پرنسپل گورنمنٹ کالج

[ولیم لائٹنر تقریباً ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے ، استنبول میں تعلیم و تربیت پائی - نوعمری میں لندن یونی‌ورسٹی کے کیننگ کالج میں مذہبیات کی جماعت میں داخل ہوگئے ، لیکن چند مہینے کے بعد عربی فارسی پڑھنے لگے ؛ فراغت کے بعد کالج ہی مین پروفیسر ہوگئے ، اور عربی ، فارسی اور اسلامی قانون کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی -

نومبر ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور آ گئے - کالج میں پرنسپل کی حیثیت سے ان کا بڑا مرتبہ تھا ، اور انگریزی میں

ان کی حیثیت مسلم تھی ، مگر ان کی مشرق علوم سے محبت کم نہ ہوئی ۔ انھوں نے اورینٹل کالج لاہور ، پنجاب یونی‌ورسٹی اور انجمن پنجاب کی داغ بیل ڈالی ۔ ان کی تمنا تھی کہ لاہور میں اردو زبان کو ذریعہء تعلیم قرار دیا جائے ۔ انجمن پنجاب کے صدر اور یونی‌ورسٹی کے پہلے رجسٹرار قرار پائے ۔

۱۸۸٦ع میں وہ لندن چلے گئے اور ۲۲ اپریل ۱۸۹۹ع کو جرمنی میں انتقال کیا ۔

لائٹنر عربی ، فارسی ، ترکی ، اردو ، انگریزی کے عالم اور مصنف تھے ، لیکن مغلوب الغضب اور سیماب مزاج تھے ۔ مولانا محمد حسین آزاد سے ابتدا میں ان کے تعلقات بڑے گہرے اور مشفقانہ و دوستانہ تھے ۔ لیکن بعد میں انتہائی مخالفانہ اور نقصان دہ ثابت ہوئے ۔ ڈاکٹر صاحب نے 'سنین الاسلام' نامی کتاب میں مولانا آزاد سے بہت امداد حاصل کی تھی مگرجلد اول کی اشاعت کے بعد وہ نہ صرف اس بات کے منکر ہوئے بلکہ سرتوڑ کوشش کی کہ مولانا کسی طرح کالج سے برطرف اور گورنمنٹ کی نظر میں معتوب قرار پائیں ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مولانا کے ذہنی امراض اور نفسیاتی علالت میں ڈاکٹر لائٹنر کا بڑا دخل تھا جیسا کہ مولانا آزاد کے مکاتیب سے ثابت ہوتا ہے ۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے آغا محمد اشرف صاحب کا مقالہ "مولانا آزاد ایک پروفیسر کی حیثیت سے" — شائع کردہ مجلس آزاد ۔ لاہور)]

(فاضل)

★

۱۲

بنام ڈاکٹر لائٹنر

صاحب من - تسلیم !

اس کتاب کو میں نے اکثر جگہ سے دیکھا : بچوں کے مناسب حال ہے اور دیہاتی مدارس میں پڑھانے کے لیے خوب ہے۔ اگر چاہیں تو بعض جگہ توضیح کرکے دل چسپ کرسکتے ہیں ، مثلاً:

ملتان کی چھینٹ ایک زمانے میں اور شہروں میں جا کر اشرفی گز بکا کرتی تھی - اس کی آب و ہوا کو رنگ کی شوخی اور پختگی میں قدرتی تاثیر ہے - انگریزی چھینٹوں کے آنے سے وہاں کے کارخانے بند ہوگئے -

مینا کاری کا کام بہ نسبت اور شہروں کے اچھا ہوتا ہے ، البتہ کشمیر کے برابر رنگ میں تیزی نہیں -

شہر ملتان بہ سبب راہ گزر کے ہندوستان اور خراسان کی منڈی ہے ، لیکن پشاور سے دوسرے درجے پر -

امیر تیمور اسی راستے سے ہندوستان آیا تھا ، اور بادشاہ بھی اسی رستے سے گزرتے رہے ہیں -

طریقۂ تعلیم کی کتابیں اردو میں پہلے بھی لکھی گئی ہیں ، جو بات اس کتاب میں ہے ، کسی کتاب میں نہیں - مصنف نے مطالب کو خوبی سے ادا کیا ہے - طرز ادا نے سہولت کے خط میں لیا ہے اور انھیں دل چسپ بنا دیا ہے - انگریزی میں پہلے بھی جا بجا جاری تھیں ، مگر جو لوگ اس سے بے بہرہ تھے وہ پوچھ بوچھ کر ترجمے کرتے پھرتے تھے — اب اردو ہوگئی ،

گویا ہر شخص کے حصے میں آ گئی ۔ عبارت سلیس ہے اور الفاظ آسان ۔ سہولت سے مطالب سناتے ہیں اور طریقہ سمجھاتے ہیں ۔ زیادہ نیاز

بندہ
محمد حسین آزاد عفی عنہ
(قبل[1] ۱۸۶۹ء؟)

۱۳

بنام مہتمم ہاے پنجاب

خط دولت خواہ سرکار

صاحب مہتمم ہاے پنجاب سلامت !

آپ جانتے ہیں کہ جس طرح حاکم کو رعایا کی اطاعت اور بندگی موجب صلاح و فلاح ہے ، اسی طرح حاکم کو بھی رعیت کے حال پر شفقت اور مرحمت رکھنی موجب قیام و استقلال سلطنت ہے ۔ الحمدللہ سرکار ابد پائدار کو یہ امر حاصل ہے ، یعنی وہ خود اس امر کے جویا رہتے ہیں کہ اپنے حوائج و ضروریات میں ہماری عزیز رعایا کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو ، ہر شخص ہر طرح خوش حال اور فارغ البال رہے ۔ مگر چوں کہ ہجوم کاروبار اور کثرت مہمات مالی و ملکی ہے ، اس لیے بعض

---

۱ ۔ بظاہر یہ خط انجمن پنجاب اور محکمۂ تعلیم کی ملازمت کے زمانے میں ریویو کے طور پر لکھا گیا ہے ؛ ابھی تک مولانا کالج نہیں آئے تھے ۔

پہلو رہ جاتے ہیں ۔ ہم لوگوں کی عین صدق (نیت) و عقیدت یہ ہے کہ جہاں کوئی ایسی بات ہو ، وہاں انھیں جتا کر آگاہ کریں ۔ چناں چہ ایک امر کی اکثر لوگوں سے شکایت سنی گئی ہے ، اسے لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کرتا ہوں کہ براہ مہربانی درجِ اخبار فرمائیں ۔ یقین ہے کہ اس ذریعے سے کسی نہ کسی طرح ٹھکانے پہنچ رہے ۔

سب جانتے ہیں کہ آج سے ۲۵ - ۳۰ برس پہلے اس ملک پنجاب میں صرف پانچ سات صورتیں کرنیل دنتورا وغیرہ وغیرہ فرانسیسیوں کی تھیں ، جن کے گھروں میں سرکار خالصہ کا روپیہ جاتا تھا ۔ باقی سب اہل سیف و اہل قلم ادنٰی سے اعلٰی تک اس ملک کے لوگ اور اہل علم فارسی خواں وغیرہ تھے ۔ کل آمدنی مالی اور ملکی انھیں کے گھروں کو آباد کرتی تھی ۔ آج یہ حال ہے کہ اہل سیف میں بڑے سے بڑے عہدے صوبہ دار یا رسالدار وغیرہ کے ہیں جن کی تنخواہ کم و بیش اڑھائی سو تین سو تک ہے ۔ اکسٹرا اسسٹنٹوں کے کل عہدے ۵۰ - ۶۰ کے درمیان میں ہیں ، جن میں آدھے سے زیادہ تو دیسی لوگوں کے لیے ہیں ، باقی یورپین ہیں ۔ اعلٰی اعلٰی عہدوں پر صاحبان انگریز ہیں ، اور اس میں کیا کلام ہے کہ لیاقت اور قابلیت ان عہدوں کی انھیں لوگوں کو ہے ۔ اب خیال کرنا چاہیے کہ یہاں کی رعایا کے گھروں کا کیا حال ہوگا اور سفیدپوشوں اور قدیمی اشرافوں پر دونوں وقت کیا گزرتی ہوگی خصوصاً جس حال میں کہ قدیمی عہد کے دیکھنے والے ابھی بقیہ موجود ہیں ۔ اور ان سے فارسی قلم کے سوا فولاد تو درکنار پر کا قلم بھی نہیں اٹھ سکتا ۔ اس سبب سے ان کے دل افسردہ اور ہمتیں شکستہ ہو رہی ہوں گی اور یہ امر آئندہ ہونہاروں کے تحصیل علم و کمال اور ترقیات ظاہر و باطن

میں کیسا سد راہ ہوتا ہوگا ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ یہاں
کے لوگ اپنی کم لیاقتی اور بعض اسباب سے اعالیٰ عہدوں کے
شایاں نہیں اور جن کو ذرا بھی قابلیت ہے سرکار نے انھیں ترقیوں
کے رستے پر کھڑا کر دیا ہے اور تعلیم اور تربیت سے قابلیت کے
سامان دیے جاتے ہیں ۔ چناں چہ جو طالب علم بی ۔ا[1] وغیرہ کے
درجے کے سرکار نے تیار کیے ، انھیں اول قدم پر تحصیل‌داری کے
عہدے دیے۔ مگر اس معاملے میں بھی ایک بڑی بات فروگزاشت
ہو گئی ۔ یعنی ظاہر ہے کہ اصل باشندے یہاں کے بسبب اس
بات کے کہ دیسی علم یہاں کا فارسی آردو تھا ، منشی متعمدی
ہوتے ہیں اور ان کی معراج ترقی اکثر (تحصیل‌داری) اور بعض
(اوقات) اکسٹرا اسسٹنٹی ہے ۔گویا تحصیل‌داری (سے بڑھ کر اکثر)
عہدے ایسے ہیں جن کا کام اگر سپرد ہو تو یہ لوگ کر سکیں ۔
سرکار نے جو ان تیار کیے ہوئے لوگوں کو پرورش کر کے (عہدے
دینے شروع کیے) یہ سو سوا سو گھر جو ان کی پرورش کے تھے
ان میں سے گھر لینے شروع کیے اور میدان ان کو (ترقی دینے
کا وسیع) کردیا ۔ محبت حاکمانہ اور شفقت شاہانہ یہ تھی کہ[2] . .
. . . . کرنے سے ان پا شکستہ اشرافوں کے گھروں میں
کوتاہی نہ ڈالتے ۔ تدبیر اس کی ہم اگر تحریر کریں تو لقمان کو
حکمت سکھانی اور والدین کو شفقت اور محبت کی طرز بتانی ہے ۔
ظاہر ہے کہ اکسٹرا اسسٹنٹوں کے کل عہدے پنجاب میں ؟ ہیں ،
جن میں‌سے ؟ انگریز اور ؟ دیسی لوگ ہیں ۔ چوں کہ شاہ شفقت پناہ
کو اصل میں اپنی رعایا کی پرورش مد نظر ہے ، پس جس قدر

---

۱ ۔ مولانا B.A. کو بی ۔ا یعنی ا یاے مجہول کے بغیر لکھتے تھے ۔
۲ ۔ یہ حصہ کرم خوردہ ہے ۔

ان نو لیاقت لوگوں کو عہدے دیویں ، چاہیے کہ اتنے عہدے دیسی اکسٹرا اسسٹنٹوں کے لیے اور کھول دیں تاکہ اگر نو لیاقت اور نئے تعلیم یافتہ لوگ اپنی محنت اور لیاقت سے ترقی کریں تو ان کی جدا سڑک بڑھتی چلی جائے؛ عہدہ داران موجودہ کی روٹی میں خلل نہ واقع ہو ۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو یہ پرورش ہم لوگوں کے حق میں پوری پرورش نہیں ۔ گویا ہم ہی لوگوں میں سے ایک کا گھر لیا اور دوسرے کو دے دیا ؛ ایک بھائی کے ہاتھ سے روٹی لی ، دوسرے بھائی کو دے دی ۔ البتہ اگر ان نو لیاقت لوگوں کے لیے نئے گھر کھولتے اور ان کے کھانے کو نئے دسترخوان بچھاتے تو پرورش کامل تھی اور یہ امر شفقت پدرانہ اور مرحمت حاکمانہ سے بعید نہیں ۔ یعنی اس قدر عہدے دیسی اکسٹرا اسسٹنٹوں کے لیے زیادہ ہو جائیں تاکہ یہاں کے شکستہ حال اور شکستہ‌دست لوگوں کے گھروں کا میدان تنگ نہ ہو؛ اپنے اپنے روزگار سے لگے رہیں ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہم لوگ خواہ خوش‌نصیب انگریزی دان ہوں ، خواہ بدنصیب فارسی خوان سب انھیں کی رعایا ہیں ، اور ہماری خوش حالی یا بد حالی ، مارنا یا جلانا انھی کے اختیار میں ہے ۔

راقم دولت خواہ سرکار

(۱۸۷۰ع[1])

---

۱ ۔ یہ خط جناب آغا محمد باقر صاحب نے مولانا کے مسودات سے نقل کرکے مرحمت فرمایا ، اور بتلایا کہ مولانا ، ۱۵ جون ۱۸۷۰ع سے ہمارے پنجاب میں کام کرنے لگے تھے ۔ (بحوالہ رسالہ انجمن ، جولائی ۱۸۷۰ع) اس بنا پر تاریخ خط ۱۸۷۰ع ہی قرار پاتی ہے ۔ مولانا نے اس خط میں انگریزوں کی ناانصافی اور مشرقی علوم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۴

بنام مہتمم اخبار انجمن — احوال نکودر

صاحب مہتمم اخبار انجمن سلامت !

میں ہوں چکر میں لگی جس دن سے دنیا کی ہوا
حال میرا ہے بعینہ آسیاے یار کا

آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے ایک جگہ بیٹھا نہیں جاتا ، خصوصاً جب کہ باران رحمت الٰہی سے جنگل سرسبز ہوں اور دریا جاری ہوں ۔ اس نعمت الٰہی اور فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھا ، بلکہ ایسے موقع پر گھر میں بیٹھنا بھی نا شکری میں داخل خیال کرکے باہر نکلا ۔ چناں چہ گزر میرا نکودر علاقہ جالندھر میں ہوا ۔ چوں کہ بعض اسباب سے یہاں ٹھہرنا واجب ہوا ، اس لیے جو کچھ معلوم ہوا یہاں کا حال بھی لکھتا ہوں ۔ اگر مناسب ہو تو درج اخبار فرمائیے گا ؛ یقین ہے کہ لطف سے خالی نہ ہوگا ۔

واضح ہو کہ یہ قصبہ قدیمی آبادی ہے ۔ اکبر نامہ میں بھی ذکر اس کا موجود ہے ۔ مگر یہ نہیں کھلتا کہ کس نے آباد کیا اور کب آباد کیا ۔ یہاں یہ مشہور ہے کہ نکودر کوئی راجپوت تھا ؛ اس کے نام سے یہ آبادی قائم ہوئی ۔ چناں چہ اس کی اولاد اب تک اس قصبے میں ہے اور غلام غوث ان میں سے معزز اور صاحب جائداد لمبردار ہے ۔ یہاں کے مقبرے دیکھنے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کے افاضل سے بے توجہی ، ہندوستانیوں کی ملازمت میں نسبت و حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے احتجاج کیا ہے ۔ خط کا انداز بڑا طنزیہ ہے ۔

کے قابل ہیں ۔ ایک مقبرہ محمد مومن کا ہے اور دوسرا حاجی محمد جمال کا ۔ یہ دونوں شخص امراے عہد جہانگیری سے ہیں ۔ محمد جمال وہی شخص ہے جس کے اہتمام سے قلعۂ لاہور کی بعض عمارتیں تعمیر ہوئیں ۔ یہاں یہ مشہور ہے کہ یہ جہانگیر کے رضاعی بھائی تھے ؛ ان کی ماں کا دودھ جہانگیر نے پیا تھا ۔

تاریخ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے ، ایک دفعہ اکبر یہاں سے گزرا تو مقام خوش فضا دیکھ کر ابوالفضل کو بیس ہزار روپے کا سونا دیا اور حکم دیا کہ یہاں ایک پل اور عمارت بنائے کہ اس میں آبشار یعنی پانی کی چادر بھی جاری ہو ۔

پھر جب کہ آخر سن ۲ جلوس میں جہاں گیر کا یہاں سے گزر ہوا تو اس کو بھی یہ جگہ بہت پسند آئی ۔ چناں چہ عمارت اکبری کا ذکر بیان کرکے اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ فی الحقیقت دل چسپ اور با طراوت مقام ہے ۔ جاگیردار کو حکم دیا کہ اس پل کے ایک طرف عمارت اور باغ لگا دے تا کہ جو مسافر یہاں آ کر ٹھہریں اور لطف اٹھاویں ۔

اب محمد مومن کے مقبرے میں مدرسۂ سرکاری ہے ۔ یہ عمارت ۱۰۲۱ھ میں بنی تھی ۔ مگر ایسا دلکش مکان ہے کہ اٹھنے کو جی نہیں چاہتا[1] ۔

(جولائی ۱۸۷۰ع ببعد)

---

۱ ۔ فہرست اولاد امیر دوست محمد خان والی کابل کی پشت پر سے نقل کیا گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کالج میں تعطیلات ہوئیں اور مولانا حسب عادت سیر و سفر اور تلاش کتب میں نکلے ۔ اخبار انجمن کے لیے یہ چٹھی لکھی ۔ خدا جانے چھپی یا نہ چھپی ، حسن اتفاق سے مسودہ باقی رہ گیا ۔ مولانا ۱۸۷۰ع میں گورنمنٹ کالج میں ملازم ہوئے تھے ، اس لیے اسے ۱۸۷۰ع کے بعد کا لکھا ہوا خیال کرنا چاہیے ۔

۱۵

بنام سید محمد کامل صاحب ، کوہ مری

جناب من!

غالباً یہ کتاب[1] تمام و کمال آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی ؛ چار ضخیم جلدوں میں ہے - کئی برس سے یہ کتاب دلی میں بھی کمیاب بلکہ نایاب ہے ، چہ جائے لاہور . . . . . ڈائرکٹر کے دفتر میں بڑی ضرورت تھی ، اتفاقاً مجھے خبر لگی کہ دلی میں ہے میں نے فوراً منگائی - اتفاق حسنہ یہ ہوا کہ پندرہ روپے[2] کو ہاتھ آ گئی - وہاں کسی کو خبر نہ ہوئی ورنہ ممکن نہ تھا کہ مجھ تک پہنچتی -

اب یہاں ایک صاحب انگریز عہدے دار اعلیٰ نے اپنی کتابیں بیچی تھیں تو ان میں میرے ایک دوست نے چوبیس روپے[2] کو چاروں جلدیں خریدیں - جب یہاں آپ تشریف لائیں گے ان شاء اللہ حاضر کروں گا - فی الحال ۳۰(تیس) راتیں اس کی مطبع سرکاری میں چھپی ہیں ، وہ اگر فرمائیے تو لے کر بھیج دوں - آپ چند روز انھیں ملاحظہ فرمائیں ، جس وقت کوئی سارا نسخہ ملا ، وہ بھی حاضر خدمت کروں گا - اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب زبانِ عرب کی جان ہے ؛ اس کا رکھنا شائق زبان کو فرضِ عین ہے -

آپ کا نیازمند

محمد حسین عفی عنہ

(۱۸۷۰ع ؟)[3]

---

۱ - بظاہر 'الف لیلہ و لیلہ' کا ذکر ہے - ۲ - رقمی ہندسوں میں ہے -

۳ - شاید ۱۸۷۰ع کے قریب کا خط ہے -

۱۶

بنام ڈاکٹر لائٹنر ، پرنسپل گورنمنٹ کالج لاهور

بندہ پرور !

شرمندہ ہوں اور حضور کی چٹھی کا جواب عرض کرتا ہوں ، مگر با صواب نہیں ہوسکا ۔ ایک جلد کے اخیر میں چار کتبے کی تصویریں مندرج ہیں ، چناں چہ پہلے کتبے میں آیہ قرآن مجید کی ہے . . . . صاف ہے ۔ اس کے لکھنے کی حاجت نہیں ۔ دوسری میں ”حال النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے ، یہ بھی صاف ہے اور اصل کتاب کی دوسری جلد میں بھی درج ہے ۔ تیسرا کتبہ عبرانی میں ہے اور کتاب میں بھی اسے صاف کرکے نہیں لکھا ، اس لیے میری عقل ناقص میں جو کچھ آیا ، عرض کرتا ہوں ۔

دوسری جلد میں فقط ایک کتبے کی تصویر ہے ، جس کی سطریں اور اصل رسالے میں بھی اس کی عبارت کو صاف کرکے لکھا ہے ، مگر میری رائے ناقص میں اس کے اکثر الفاظ میں اختلاف ہے ۔ اس کے آخر کی دو سطروں کی عبارت کو جو کتاب میں لکھا گیا ہے ، غالباً وہ کچھ اور ہے مگر مجھ سے بھی پڑھا نہیں گیا ، جو کچھ پڑھا گیا ، وہ عرض کرتا ھوں ۔

باوجود اس کے فکر و غور سے خالی نہیں ۔

ان شاءاللہ عنقریب جو کچھ اور نکلے گا وہ عرض کروں گا ۔ یہاں کی عمارات[1] کا حال صاف ہونا ہے ، عنقریب خدمت میں پہنچے گا ۔

آزاد (۱۸۷۰ع[2] ؟)

---

[1] ۔ مولانا نے لاہور کی عمارتوں پر بہت کام کیا ۔ شاید ڈاکٹر صاحب

(بقیہ حاشیہ نمبر ۱ ، اور حاشیہ نمبر ۲ اگلے صفحے پر)

۱۷

بنام ڈاکٹر لائٹنر صاحب

بندہ پرور!

مرحمت نامۂ حضور نے معزز فرمایا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تحریروں سے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ لاہور کے اختلاف لفظی کو تاریخ ہفت اقلیم میں لاہور کے بیان میں دیکھنا چاہیے ۔ اس نے اسے 'لہر' بھی لکھا ہے اور سند میں ایک شعر بھی لکھا ہے ، مگر وہ حقیقت میں اس قسم کا تصرف ہے جیسے غیر زبان کے الفاظ کو صاحب زبان شاعر اپنی زبان میں تصرف کرکے لے جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ چوں کہ ترکوں کا

(گذشتہ صفحے کا باقی حاشیہ)

لاہور کی تاریخی عمارتوں کا حال مولانا سے لکھوانا چاہتے تھے ۔ قرائن بتلاتے ہیں کہ یہ کام ۱۸۶۵ع کے بعد شروع ہوا ، اسی دوران میں مولانا کو وسط ایشیا کا سفر پیش آیا ۔ پھر وہ نصاب کی تیاری میں مصروف رہے ، اس دوران میں کام ادھورا رہا ۔ بہرحال انھوں نے ایک ایک عمارت کو خود دیکھا ، خود جائزہ لیا اور اس کے بارے میں ابتدائی کوشش سے جو کچھ علم ہوا اسے قلم بند کیا ۔ تاریخ لاہور کے یہ کاغذات میں نے مرتب کر لیے ہیں ۔ یہ کتاب مولانا کی تالیف ہونے کے علاوہ انیسویں صدی کی ایک تاریخی روایت بھی ہے ۔ (آغا محمد باقر)

۲ ۔ میں نے اس خط کو ۱۸۷۰ع کا اس لیے مانا ہے کہ لائٹنر سے مولانا کے تعلقات ان دنوں بہت اچھے تھے اور ڈاکٹر صاحب مولانا سے اپنی تالیف میں مدد لے رہے تھے ۔ ممکن ہے کہ ۱۸۷۱ع میں لکھا ہو ۔ لیکن یہ امکان بہ ظاہر امکان بعید ہے ۔

قاعدہ ہے کہ وہ تحریر میں اپنے اعراب حروف کے ساتھ ادا کرتے ہیں اس لیے عجب نہیں کہ شاعر مذکور نے لاہور کو شعر میں 'لہُر' باندھ دیا ہو۔

اور امیرخسرو کے شعر کے باب میں جو حضور نے استفسار فرمایا ہے تو شعر مذکور کو قران السعدین میں معلوفی کی ترکتاز میں لکھا ہے اور تاریخ ہفت اقلیم میں بھی مندرج ہے، بلکہ مجھے یاد ہے کہ فرشتہ میں، بدایونی اور خلاصۃ التواریخ والے نے بھی لیا ہے۔ مگر اس وقت ان میں نشان نہیں دے سکتا۔ قران السعدین اور ہفت اقلیم میں کچھ شبہ نہیں۔ آپ بے تامل کمیٹی میں پیش کریں۔

آزاد

(۱۸۷۰ع ببعد[۱]؟)

۱۸

بنام ڈاکٹر لائٹنر

جناب عالی!

مولوی حمید الدین کے مدرسے کو میں نے دیکھا اور طالب علموں کا امتحان بھی لیا۔ مولوی علم دار حسین[۲] نے جو

۱۔ خط میں تاریخ درج نہیں ہے۔ چوں کہ سنین الاسلام کی تالیف کے سلسلے میں مولانا کا تعلق اسی زمانے میں تھا اس لیے شاید یہ خط اسی سلسلے کا ہو۔

۲۔ مولوی علم دار حسین صاحب گورنمنٹ کالج لاہور کے پہلے عربی استاد تھے۔ موصوف نے ۱۸۶۹ع میں علالت کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ان کے بارے میں رپورٹ کی ہے ، صحیح و درست ہے ۔ میری رائے میں ان طالب علموں کے لیے بھی انعام ملنا واجب ہے ۔ اور چوں کہ تعداد حاضری ان کی ہمیشہ پینتالیس سے زیادہ پچاس سے کم رہتی ہے اس واسطے اور بھی ۔

کمی سرمایہ یونی ورسٹی[1] پر نظر کرکے چاہیے کہ دس روپے مہینہ سے کم نہ ہو اور زیادہ کا اختیار ہے ۔

نیاز مند

محمد حسین آزاد عفی عنہ

(۱۸۷۰ء[2] ؟)

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

تین مہینے کی رخصت لی ۔ ۲ اگست ۱۸۶۹ء کو ڈبلیو ۔ آر ۔ ایم ہالرائڈ ، ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن نے مولانا آزاد کو اسسٹنٹ پروفیسر عربی کی جگہ پر تین مہینے کے لیے جگہ دی ۔ علمدار حسین صاحب نے ۱۴ ۔ مئی ۱۸۷۰ء میں انتقال کیا ۔ (اسلم فرخی : محمد حسین آزاد ۔ حصہ اول صفحہ ۲۱۳) ۔

۱ ۔ گیارہ جنوری ۱۸۷۰ء کو انجمن پنجاب کی کوششوں سے منٹگمری ہال میں یونی ورسٹی سینٹ کا پہلا جلسہ ہوا ۔ اسی سال مولانا آزاد نے یونی ورسٹی کے چندے میں ایک سو بیس روپے کا چندہ دیا جس کی رسید جناب آغا محمد باقر صاحب کے پاس محفوظ ہے ۔

۲ ۔ مذکورہ بالا اطلاعات کی بنا پر یہ تحریر ۱۸۷۰ء کی قرار دی جا رہی ہے ۔

۱۹

بنام ڈاکٹر لائٹنر

جناب عالی!

طلباء کی کیفیت عرض کرتا ہوں ، اس سے آپ اندازہ فرمائیں گے اور میری زبانی عرض کی بھی یاددہانی ہو جائے گی ۔

میر عبداللہ : بڈھا آدمی ہے ؛ بکلی متصل ایبٹ آباد کا رہنے والا ہے ۔ منطق اچھی پڑھا ہے ، اور کچھ آتا نہیں ۔ تین مہینے سے مدرسے میں داخل ہوا ہے ۔ جماعت فضیلت میں ہے مگر پڑھنا نہیں آتا (ہوتا ؟) اور ریاضی سے کچھ واسطہ نہیں ۔

میر احمد شاہ : اسی جماعت میں پڑھتا ہے ۔ پشاور کا رہنے والا ہے ، تین چار برس سے داخل ہے ۔ ریاضی میں داخلے کا امتحان ابھی پاس نہیں کیا ۔ اسی واسطے اب کے سال عربی کے سبق معاف ہیں ۔ ریاضی یاد کرتا ہے اسی میں امتحان دے گا ۔ (امتحان) فضیلت دیا ہے اور ارادہ ہے کہ سند لے کر چلا جائے گا ۔ عمر پچیس برس کی ہوگی ۔

نجم الدین : کولاب کا رہنے والا ہے جو امیر کابل کی حد سے ملا ہوا ہے ۔ کئی برس ہوئے حج کو گیا تھا ، وہاں سے پھرتا پھراتا یہاں آیا ، پاس کچھ نہ تھا کہ وطن کی طرف بڑھتا ۔ مدرسے میں داخل ہوا ، کچھ مدت رہ کر روپیہ جمع کیا اور وطن چلا گیا ۔ چند ماہ کے بعد

پھر چلا آیا ۔ ایک حصہ زبدہ[1] اور کچھ شکلیں مقالۂ اول کی پڑھی ہیں؛ قریب تیس سال کے عمر ہوگی ۔

شہداد : یوسف زئی کا رہنے والا ہے ۔ ادنلی فارسی میں قریب تین مہینے سے داخل ہے ۔ قریب پچاس برس کے عمر ہوگی ؛ ریاضی سے کچھ تعلق نہیں ۔

غلام محمد متولی : ہنٹر علاقہ گلگت کے رہنے والے ہیں ۔ کشمیر میں پھرتے چلتے آ نکلے تھے ۔ انھیں ایک آدمی زبان دان درکار تھا ، وہاں کسی کو فرمائش لکھی کہ ہمیں ایک آدمی چاہیے، اس نے ان دونوں کو بھیج دیا ۔ ان کی زبان تک درست نہیں ۔ گلستان کو غلستان کہتے ہیں ؛ لکھنا بالکل نہیں جانتے ۔ مدرسے میں آ کر دو گھنٹہ ایک گھنٹہ ہر جاعت میں پھر کر دل بہلا لیتے ہیں ۔ وظیفہ سرکار سے پاتے ہیں ، انھیں زبان سکھلاتے ہیں ۔ اول کی پچاس برس سے زیادہ عمر ہے دوسرا چالیس سے کم نہیں ۔ فقط ۔

محمد حسین آزاد
(۱۸۷۱ء ؟ [2])

---

۱ ۔ زبدۃ الحساب : حساب کی کتاب جس کے مؤلف بہاء الدین عاملی ہیں ۔ مدتوں ہمارے نصاب میں بھی جاری رہی ۔

۲ ۔ جناب آغا محمد باقر صاحب کی رائے میں اورینٹل کالج کے طلبہ کے متعلق کوئی رپورٹ ہے جو پرنسپل کے لیے لکھی ہے ۔

۲۰

بنام ڈاکٹر لائٹنر ، پرنسپل گورنمنٹ کالج ، لاہور

جناب عالی!

مضمون مندرجہ مورخہ ۲۰ جنوری[1] ۱۸۷۱ع بابت ڈاک خانہ جات کے باب میں حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تحریر موجب خط سید بہادر شاہ منشی تحویل خانہ سیالکوٹ کے درج ہوئی تھی۔ اس قسم کے خطوط اور مسودے کچھ میرے پاس بھی رہا کرتے تھے اور باقی سررشتۂ انجمن میں ہوتے تھے ۔ میں نے اپنے مسودوں میں خوب دیکھ لیا ، خط مذکور نہیں ہے ۔ انجمن کے کاغذوں کو آج میں نے دیکھا ، معلوم ہوا کہ سات مہینے کا عرصہ ہوا ، اس لیے کاغذات ردی گئے اور جو باقی ہیں ان میں نہیں ہے ۔

اب صورت اس دریافت کی کچھ مشکل نہیں ، کاتب کا خط مسل[2] کورٹ میں موجود ہے اور اسی کا خط اخبار عام میں بھی آیا تھا ، معلوم نہیں کہ وہاں اصل خط موجود ہے یا نہیں ؟

---

۱ - مکتوبات آزاد میں ۲۰ فروری درج ہے ، لیکن چوں کہ مولانا ۱۸ - فروری کو ہائے پنجاب سے مستعفی ہو گئے تھے ، لہٰذا مذکورہ مہینہ جنوری ہوگا ؛ نقل میں غلطی سے فروری لکھ دیا گیا ۔ (اسلم فرخی : محمد حسین آزاد ، جلد اول ، صفحہ ۲۰۲)

۲ - متن : مِثل

یہ حال انجمن بذریعہ تحریر کے کاتب مذکور سے دریافت کرسکتی ہے ۔[1]

محمد حسین عفی عنہ

(فروری ۱۸۷۱ع؟)

---

۱ ۔ اس قضیہ نامرضیہ نے مولانا کے دل و دماغ کو سخت متاثر کر دیا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دشمنوں نے انھیں نوکری سے ہٹوانے اور سزا دلوانے کا مستحکم ارادہ کرلیا تھا ۔ واقعہ یہ تھا کہ سیال کوٹ سے سید بہادر شاہ نے اخبار ہائے پنجاب کو خط لکھا ہے کہ سیال کوٹ کے ڈاک خانے میں کرانٹے ملازمین نے ایک طوفان اٹھا رکھا ہے ۔ وہ خطوط ضایع کر دیتے ہیں، ٹکٹ اتار لیتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ بڑی بدتمیزی سے پیش آتے ہیں ۔ مولانا نے یہ خط اخبار میں شائع کر دیا ۔ خط چھپنے کے کافی عرصے بعد کسی نے پوسٹ ماسٹر جنرل کے کان بھرے اور اس نے طیش میں آ کر ضابطے کی کارروائی شروع کر دی ۔ ڈاکٹر لائٹنر ان کے مددگار بن گئے ۔ مولانا اگرچہ گورنمنٹ کالج میں متعین ہو چکے تھے ، لیکن اخبار کے ایڈیٹر کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ۔ چناں چہ سب سے پہلے انھیں اخبار سے علیحدہ کیا اور اس بے ضابطگی کا جواب طلب کیاگیا ۔ مولانا پر الزام یہ تھا کہ وہ ایک باغی کے فرزند ہیں اور حکومت کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کےمرتکب ہوئے ہیں ۔ اس سلسلے میں یہ بھی کوشش کی گئی کہ اردو اخبار کے پرچے حاصل کیے جائیں جن میں مولانا آزاد اور ان کے والد نے باغیوں کی حمایت میں مضمون لکھے تھے ۔ ڈاکٹر لائٹنر نے مولانا کو حکم دیا کہ اصل کیفیت بتاؤ ؛ جب تک تسلی بخش جواب نہ دو گے ، لاہور سے باہر نہیں جا سکتے ۔ کالج میں چھٹیاں ہونے والی تھیں اور مولانا باہر جانے کے لیے تیار تھے ۔ اس معاملے سے ان کے دل و دماغ ماؤف ہو گئے ۔ ڈاکٹر لائٹنر سے انھیں ایسے سلوک کی ہرگز امید نہ تھی ۔ (محمد باقر)

٢١

بنام ڈاکٹر لائٹنر

[۱۸ مارچ ۱۸۷۱ع کو انجمن کے منشی کرم الٰہی صاحب نے مولانا کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا :
"آقاے ولی نعمت صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ یہ کاپیاں جس وقت چپراسی لے کر حاضر خدمت ہوتا ہے ان کو فوراً بواپسی حامل ہٰذا صحیح کرکے واپس دیویں تاکہ کارروائی میں ہرج نہ ہو ، اس واسطے مامور ہو کر تکلیف دیتا ہوں کہ آپ بموجب ارشاد ولی نعمت صاحب کے کاربند ہوں ۔ فقط ۔ مرقوم ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ع بندہ کرم الٰہی ۔"
اس ورقے پر مولانا نے سنین الاسلام کے لیے کچھ نوٹ لکھے ہیں اس لیے ان کے ذاتی کاغذات میں یہ محفوظ رہ گیا ۔ پہلے صفحے پر منشی صاحب نے مولانا کا نام لکھا ہے :

"لاہور ۔ جناب حضرت مولانا مخدومنا مولوی محمد حسین صاحب"
اور اس کے نیچے مولانا نے پنسل سے یہ خط لکھا :]

جناب عالی!

دو ورق اصل کے حضور کو دیے تھے اور آپ نے جیب میں رکھ لیے تھے ، کاتب کس طرح کہتا ہے کہ مسودہ نہیں ۔ ان دو ورقوں کو ضرور تلاش کر لیا جائے ۔ اس کے آگے سے جو کچھ اور مسودہ میرے پاس تھا وہ ارسال کرتا ہوں ، مگر اسے حضور نے ابھی سنا نہیں ہے ۔

پھر ایک اور خط ہے :

جناب عالی!

آج میرے پیٹ میں درد ہے اس لیے حاضر نہیں ہو سکتا ، مگر تمام رات یہی فکر رہا کہ وہ دو ورق اصل کے جو آپ نے جیب میں رکھ لیے تھے وہ کاتب کو بھیجے یا نہیں ؟ یہ کاپیاں مطبع میں بارہ بجے آ گئی تھیں ، اسی وقت میرے پاس آجاتیں تو مقابلہ بھی اطمینان سے ہو جاتیں اور اُن دو ورق کا بھی حال معلوم ہو جاتا ۔ مگر نا وقت آئیں ، مقابلہ بھی اضطراب میں ہوا اور دل کو فکر نے پریشان بھی کیا ۔ جو اصل کے ورق کہ میں نے کل بھیجے ہیں اگرچہ وہ آپ کو سنائے نہیں مگر میں نے اچھی طرح دیکھ لیے ہیں ۔ پرسوں کالج میں کاپی یا پروف سنا دوں گا[1]۔

محمد حسین آزاد عفی عنہ
(۱۸ - مارچ ۱۸۷۱ع)

---

۱ ۔ سنین‌الاسلام ڈاکٹر لائٹنر کی تالیف ہے جس کے پہلے حصے میں زبان و بیان کی تراش خراش میں مولانا سے مدد لی گئی تھی ، اور مولانا نے بڑی جگر کاوی سے اس کتاب کو دیکھا تھا ، اور یہی کتاب ڈاکٹر لائٹنر اور مولانا کے تعلقات کی کشیدگی کا باعث ہوئی ۔

۲۲

ڈاکٹر لائٹنر کے نام

جناب من!

خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے جس کام[۱] کو چھوڑا ہے ، دشمنوں کے ہاتھ سے مجبور و ناچار ہو کر چھوڑا ہے کہ وہ عداوت کے سبب سے آپ کے کاموں کو بھی خراب کرتے ہیں؛ اس معاملے میں بھی یہی حال ہے ۔ اگر آپ ان شینطنتوں کو روک سکیں تو میں بھی خدمت کے لیے حاضر ہوں ، اور اگر آپ بھی مجبور ہیں تو مجھے معاف رکھیے ۔

البتہ اگر حضور بیچ میں ہوں اور بطور جج کے مجھے کام دے دیں تو اس سے مجھے کچھ عذر نہیں اور کمیٹی سے تعلق پیدا کرنا فدوی نہیں چاہتا ۔

فدوی

محمد حسین آزاد

(۱۸۷۱ع[۲] ؟)

---

۱ ۔ مولانا نے ہارے پنجاب سے استعفا دے دیا ، لائٹنر نے سنین الاسلام کا مسودہ واپس لے لیا ، اور انتہائی مخالفانہ طرز عمل اختیار کر لیا ۔ مولانا اس بات سے ناراض ہوگئے اور اپنے سابقہ تعلقات کی روشنی میں یہ خط لکھنے پر مجبور ہوئے، مگر حالات بگڑتے چلے گئے ۔ لائٹنر کی دشمنی نے جتنی سختی برتنا شروع کی مولانا کا قلم اسی قدر نشتر بنتا گیا جس کا نمونہ قارئین آگے خطوط میں ملاحظہ کریں گے ۔

۲ ۔ واقعات کی روشنی میں یہی سنہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے ۔

۲۳

بنام ڈاکٹر لائٹنر ، پرنسپل گورنمنٹ کالج ، لاهور

جناب عالی!

حضور نے جو سوائے گھنٹہ مقرری کے خارج کے وقت میں طلباء کو تعلیمِ عربی کے لیے منع فرمایا تھا ، تعمیل اس کی ہوتی ہے ۔ لیکن ان کی استعداد کا حال حضور پر روشن ہے ، خصوصاً اس سبب سے کہ بعض طلبا مختلف ضرورتوں سے غیرحاضر بھی رہے ہیں ، اس لیے امید ہے کہ حضور حکم سابق میں ترمیم فرماویں اور مجھے اجازت[1] دیں کہ جو لوگ خارج وقت میں کچھ پوچھیں ، انھیں مدد تعلیم دوں ۔ فقط ۔

واجب تھا عرض کیا ۔

آفتاب دولت تاباں رہے !

فدوی محمد حسین عفی عنہ
اسسٹنٹ پروفیسر عربی
گورنمنٹ کالج ۔ لاہور
(۱۲ مئی ۱۸۷۱ء)

---

۱ ۔ 'سنین الاسلام' کا معاملہ اور اخبار ہائے پنجاب کے مضمون کا قصہ اُلجھ چکا تھا اور ڈاکٹر صاحب مولانا سے اس قدر ناراض تھے کہ انھیں طلبہ کو مقررہ اوقات کے علاوہ پڑھانے کی اجازت بھی نہ دیتے تھے ۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہو گا کہ طلبا ناکام رہیں ، مولانا کے نتائج خراب ہوں اور پھر باز پرس کرکے کوئی سزا دے سکیں ، مولانا نے اس خط کے ذریعے حفظ ماتقدم کیا ہے ۔

۲۴

بنام پرنسپل

جناب عالی!

جو رپورٹ میں نے عربی جماعتوں کے باب میں کی ہے اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ بعض لڑکے خاص خاص سبب سے ایسے رہ گئے ہیں کہ انھیں حاجت پوچھنے کی ہوتی ہے ، اور یہ ظاہر ہے کہ جماعت میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور سست لڑکے بھی ہوتے ہیں ۔ چوں کہ حضور کی طرف سے قطعی ممانعت تھی کہ معمولی گھنٹے کے سوا کچھ نہ بتاؤ ، اس قید کے ڈھیلا کرنے کے لیے میں نے اجازت چاہی تھی ۔ مجھے گھنٹہ بڑھا دینے میں کوئی عذر نہیں مگر سب طلبا منظور نہیں کرتے ۔

حضور پر روشن ہے کہ مجھے ان کی تعلیم میں جس قدر محنت اور وقت صرف ہونے میں خوشی ہوتی ہے ۔ میری دانست میں سب سے بہتر یہ ہوگا کہ بعد برخاست دو تین گھنٹے کالج میں رہا کروں ؛ اس میں اگر کسی کو کچھ پوچھنا ہوا کرے تو پوچھ لیا کرے ؛ نہ پوچھے تو میری طرف سے کوئی خواہش نہیں ۔ آیندہ جو حضور کی رائے میں مناسب ہو ، وہ انتظام فرمائیں ۔

محمد حسین عفی عنہ
(۱۸۷۱ء)

۲۵

بنام پرنسپل گورنمنٹ کالج ، لاہور

جناب عالی!

آج تیسرا دن ہے اب تک انجمن سے جواب حاصل نہیں ہوا کہ سکریٹری[1] انجمن لاہور میں نہیں ۔ میری اجازت فقط آپ کے ہاتھ میں ہے ۔ آپ اگر روکیں تو کسی لفٹنٹ گورنر کو روکیں ، کسی گورنر کو روکیں ؛ محمد حسین عاجز غریب کا روکنا آپ کے لیے کچھ فخر نہیں ۔ اُمید ہے کہ اجازت مرحمت ہوگی ۔ فقط ۔

محمد حسین

(۲۱ جولائی ۱۸۷۱ع)

۲۶

بنام ڈاکٹر لائٹنر

جناب عالی!

آج میں نے بہ ہمراہی لالہ دینا ناتھ صاحب پھر جا کر دیکھا ؛ مسودات اخبار کے جو انجمن میں باقی ہیں ، فقط دو کاغذ ہیں ؛ باقی

---

۱ ۔ مولانا نے انجمن پنجاب کے سکریٹری سے دریافت کیا کہ کاغذات میں وہ قابل اعتراض خط موجود ہے جو اخبار میں چھپا تھا لیکن معلوم ہوا کہ سیکرٹری لاہور میں نہیں ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کا حکم تھا کہ مولانا جب تک تسلی بخش جواب نہ دیں ، لاہور سے باہر نہ جائیں ۔ مولانا کو اس پابندی کا بےحد رنج ہوا ۔ اس کے بعد انھوں نے ایک درخواست انگریزی زبان میں پیش کی جسے ڈاکٹر صاحب نے نامنظور کر دیا ۔

سب رذی بن گئے ہیں - یہ کل کاغذات لالہ گوپی ناتھ کے سپرد ہیں - وہ کہتے ہیں کہ خط دفتر میں وہ رکھے جاتے ہیں جو کہ متعلق خرید یا قیمت اخبار کے ہوتے ہیں ، باقی کاغذات کی نگہداشت ذمے دفتر کے واجب نہیں سمجھی جاتی ہے - ماضی سے اب تک یہی دستور ہے -

اب میری عرض یہ ہے کہ اگر سیالکوٹ کو خط لکھا گیا ہے تو بہت مناسب ہے اور یقین ہے کہ وہاں سے جواب با صواب آئے گا - امیدوار ہوں کہ فدوی کو اجازت[1] سفر کی دی جائے کیوں کہ فدوی کے لاہور میں رہنے سے کچھ اس کام میں فائدہ نہ حاصل ہوگا[1] -

محمد حسین عفی عنہ
(یکم اگست ۱۸۷۱ع)

---

۱ - یہ جھگڑا تعطیلات موسم گرما بھر چلتا رہا اور مولانا کو لاہور سے باہر جانے کی اجازت نہ ملی - اس قسم کی کارروائی کا مقصد صرف سنین الاسلام کے مسئلے سے پیدا شدہ تلخی کے بعد مولانا کو قانونی شکنجے اور محکمانہ گرفت میں لانا تھا - ستمبر ۱۸۷۱ع میں تحقیقات مکمل ہوئی اور بقول آغا محمد باقر صاحب معزز حضرات کے دباؤ سے یہ قصہ ختم ہوا - چناں چہ ڈاکٹر لائٹنر کے ہیڈ کلرک نے مولانا کو انگریزی میں لکھا - ترجمہ یہ ہے:

"ڈیر مولوی صاحب! ڈاکٹر جی - ڈبلیو - لائٹنر نے مجھے یہ اطلاع دینے کی ہدایت کی ہے کہ وہ آپ کی وضاحت کو اطمینان بخش سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ حکومت سے آپ کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کریں گے -"

دستخط ہیڈ کلرک

۲۷

کسی دهلی کے باشندے کے نام

بعض[1] معتبرین کے پاس دلی سے خط آئے جس سے معلوم ہوا کہ وہاں جو غدر سے پہلے کوئی اردو اخبار جاری تھا اُس کے باب میں تحقیقات ہوتی ہے ؛ اور ساتھ اُس کے وہاں یہ بھی خبر ہے کہ تحقیقات مذکور پنجابی اخبار کے مہتمم یا مالک کی تحریک سے ہوئی ہے ۔ بہ مقتضائے محبت و یگانگی حوالۂ قلم اتحاد رقم ہے کہ اگر اتفاقاً کسی مصلحت یا مجبوریِ وقت سے یہ امر وقوع میں آیا ہو تو اس سے مطلع فرمائیے ، اور اگر متعلقان سامی سے اس

---

۱ یہ خط بغیر کسی عنوان کے مولانا کے کاغذات میں سے ملا ہے ۔ نہ معلوم مولانا نے یہ خط کن صاحب کو لکھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ خط دہلی بھیجا گیا ۔ اس کا تعاق ان تحقیقات سے ہے جو ڈاکٹر لائٹنر نے مولانا کے خلاف شروع کی تھی ۔ ان تحریر سے معلوم ہوا کہ اردو اخبار کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں پنجابی اخبار لاہور کی طرف سے تگ و دو ہو رہی تھی ۔ اس کے مالک سید محمد عظیم بھی دلی کے رہنے والے تھے - وہ دلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے ۔ انھوں نے دہلی کالج سے ۱۸۳۰ع میں تکمیل کی تھی ۔ اسی سال مولانا محمد باقر نے بھی دہلی کالج سے تکملۂ تعلیم کیا تھا ۔ مولانا سے جب اخبار ہائے پنجاب کا چارج لیا گیا تو وہ منشی محمد لطیف کے حوالے کیا گیا ۔ محمد لطیف صاحب محمد عظیم صاحب کے صاحب زادے تھے - یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے تاریخ لاہور لکھی تھی اور بعد میں جج ہو گئے تھے - ان کے نام سے بھاٹی دروازہ لاہور میں محلہ جج محمد لطیف اب تک مشہور ہے ۔ وہیں ان کی حویلی بھی ہے -

معاملے میں کچھ تعلق نہیں تو بے تکلف تحریر فرمائیے کہ تہمت بے جا کا استحالہ واجبات سے ہے ، اس کی تدبیر مناسب عمل میں آئے ۔

(۱۸۷۱ع ؟)

۲۸

G. W. Leitner, M. A.,
Principal Government College,
Lahore.

Sir,

I humbly beg to bring under your kind notice that as I have to go to outstations during the vacations, I request your permission for the same.

بخدمت جناب جی ۔ ڈبلیو ۔ لائٹنر، ایم ۔ اے، پرنسپل گورنمنٹ کالج، لاہور

جناب والا !

بصد ادب گزارش ہے کہ تعطیلات میں باہر جانا چاہتا ہوں ، لہٰذا اجازت مرحمت فرمائیں[1] ۔

(۲۸ جولائی ۱۸۷۱ع)

---

۱ ۔ لائٹنر نے اس درخواست پر بہت سخت نوٹ لکھ کر مولانا کو مزید مجرم بنانے کی کوشش کی :

''اس اجازت کا مقصد یہ ہے کہ پوسٹ ماسٹر جنرل کے اس سوال سے گریز کیا جائے جو انھوں نے ہمارے پنجاب کے ایک اداریے کے بارے میں دریافت کیا ہے ۔ یہ اداریہ مولوی محمد حسین کے زمانۂ ادارت میں شائع ہوا تھا اور اس میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۲۹

بنام ڈاکٹر لائٹنر

بندہ پرور!

جو احکام حضور نے اب تک میرے حق میں جاری فرمائے، ان کا صدق دل سے شکر گزار ہوں ۔ قسمیہ کہتا ہوں کہ آزاد اب بھی وہی بندۂ خدمت گزار ہے اور دل سے عہد پر قائم ہے ۔ آپ کو یاد ہوگا آخر کے دنوں میں میں نے عرض کی تھی کہ جو سختیاں اپنے جانی دشمنوں پر آپ نے نہ کی ہوں گی ، وہ آپ کے ہاتھ سے میرے دشمن مجھ پر کروا دیں گے اور آپ نہ سمجھیں گے ۔ وہ اب خوشیاں کرتے ہیں اور ہنستے ہیں کہ دشمن کو دشمن

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ڈاک خانے پر خطوط کھول لینے کا الزام لگایا گیا تھا ۔ چوں کہ پرنسپل کے پیش نظر مولوی صاحب کی دیانت داری کو مشتبہ سمجھنے کے اسباب موجود ہیں لہٰذا ان کو اس وقت تک اس سفر کی اجازت نہیں دی جاسکتی جب تک یہ معاملہ مکمل طورپر طے نہ ہوجائے۔''

——— اصل عبارت یہ ہے :

28. 7. 71.

This permission is sought in order possibly to evade replying to the question of the P. M. G. regarding an editorial which appeared duringMoulvi MuhammadHussain's management of the Huma and which acused the Post Office of tampering with letters. As the Principal has reasons for distrusting the Moulvi's honesty, no such permission can be given to him till the matter has been finally cleared up.

G. W. Leitner.
18. 7. 71.

کے ہاتھ سے ہی اس طرح مارتے ہیں ۔ ہزاروں کتے کہ شیر کی کھالیں پہنے تھے ، آپ نے انھیں مارا ؛ مگر اب تک یہ آپ کو نہ معلوم ہوا کہ شیر فقط ایک ہی بات میں شکار ہو جاتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ حضور نے مجھے چھٹی میں روک لیا ، مگر کس کو روکا ؟ وہی آزاد بندۂ احسان ، قیدیِ بے زنجیر ۔ بجائے اس طول کلام کے فقط اتنا کہہ دیتے کہ جاؤ کالج کے کام کے سوا تمھیں اب کون روکتا ہے ؛ واللہ کہ آزاد ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتا اور وہیں گر پڑتا ۔

خیر جو کچھ کیا اچھا کیا ؛ مجھے اپنے خراب ہونے کا افسوس نہیں ، کیوں کہ جو سنتا ہے افسوس کرتا ہے ۔ اگر دشمنوں کے ہاتھ سے مجھے خاک میں ملوا دیں گے تو مجھے افسوس نہیں کیوں کہ میرا فخر تنخواہ اور کرسی اور عہدے پر نہیں، میں اسی خاک پر بیٹھا آپ کو دعائیں دوں گا اور درختوں کے پتوں پر وہ وہ باتیں لکھ کر پھینکوں گا کہ جو پڑھے گا ، وہ افسوس کرے گا ، یعنی کون تھا جس نے ایسے شخص سے ایسا سلوک کیا ۔ اگر قتل بھی ہو جاؤں گا تو جو کچھ اب تک لکھ چکا ہوں ، یہ خلق و عالم کے رلانے کے لیے کافی ہے ۔ اب شکوے کی جگہ رہی نہ شکایت کا موقع ؛ اب وہ وقت آ گیا کہ بہ موجب اپنے وعدے کے جاؤں گا اور سینہ چیر کے دکھاؤں گا کہ کتنے زخم لگے ہیں[1]۔

---

۱ ۔ مولانا کو سنین الاسلام کے سلسلے میں لائٹنر نے بے حد تکلیفیں دیں ، جس کا کچھ حال گذشتہ خطوط سے معلوم ہوگیا ہوگا ۔ اس خط کا تعلق بہ ظاہر ہمارے پنجاب والے مضمون کی تحقیقات کے خاتمے سے ہے ۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کہتے ہیں کہ اس خط کے جواب سے گمان غالب ہوتا ہے کہ یہ مکتوب اگست ۱۸۷۱ع کا ہے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مجھے یہ زخم بھی عزیز ہیں کہ آپ کے لگائے ہوئے ہیں۔ میں اس تحریر سے آپ کا وقت ضائع نہ کرتا، مگر کئی دن سے سنتا ہوں کہ 'سنین الاسلام' میں کسی نے بہت غلطیاں نکالی ہیں اور دوسرے نے تصدیق کیں۔ میں نے بہ موجب اپنے عہد کے اس کی بھی تفصیل نہ چاہی، مگر آج ایک نئی بات سنی کہ 'سنین الاسلام' کی ترکیب ہی غلط ہے۔ مجھے ضبط کی طاقت نہ رہی؛ چناں چہ اس ضرورت نے مضطرب کر دیا اور یہ مختصر سی عرض داشت انگریزی میں لکھتا ہوں۔

(اگست ۱۸۷۱ع ؟)

۳۰

بنام محرم علی چشتی[1]

مشفق من منشی محرم علی صاحب سلامت!

جناب ڈاکٹر صاحب اور لالہ پرسرام کے مقدمے میں جو اکثر تحریریں 'سفیر ہند' میں چھپی ہیں، ان کی تردید میں 'پنجابی اخبار' نے کچھ کچھ لکھا اور اس انداز سے لکھا ہے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کیوں کہ اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا کو لکھا:

"ڈاکٹر لائٹنر مولوی محمد حسین کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے سنین الاسلام کے عنوان سے دل چسپ صفائی پیش کی ہے۔"

(ترجمہ انگریزی — محمد حسین آزاد جلد اول صفحہ ۲۲۸)

۱۔ مولوی محرم علی چشتی مولود ۱۱ اگست ۱۸۶۲ع متوفی ۸ دسمبر ۱۹۳۴ع مولانا کے شاگرد رشید اور آغا محمد ابراہیم صاحب کے ہم جماعت تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جس سے بعض اشخاص کے نزدیک مترشح ہوتا ہے کہ وہ تحریریں میری ہیں ۔ آپ کو اس معاملے میں جو کچھ میرا حال معلوم ہو تو تحریر فرماویں ۔ فقط[1]

محمد حسین عفی عنہ

۳۱

بنام ڈاکٹر لائٹنر

جناب عالی !

۷ ۔ ماہ حال کو دو بجے کے بعد جب کہ سکنڈ ایر کلاس میرے پاس بیٹھی تھی ، دفعتاً چھت سے ٹھیک میز پر میرے آگے پانی گرنے لگا ۔ میں مع طالب علموں کے فوراً اٹھ کھڑا ہوا مگر میز اور کتابیں نجس ہوگئیں ۔ احتیاطاً یاسین چپڑاسی کو اور پھر سید نیاز علی ، ممتاز علی اور محمد اشرف طالب علموں کو

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۱۸۸۴ع میں 'رفیق ہند' نامی اخبار جاری کیا تھا ۔ طبیعت کے بہت تیز تھے ؛ بہت جلد حامی اور بہت سخت مخالف ہو جاتے تھے ۔ جب سرسید لاہور آئے تو انھوں نے بڑی زوردار پیشوائی کی اور بعد میں بہت سخت مخالف ہوگئے ۔ مولانا آزاد کا بہت احترام کرتے تھے اور زندگی بھر ان کے مداح رہے ۔ وکالت شروع کی تو عدالتیں بھی گھبرانے لگیں ۔ ان کی ایک کتاب 'اسلامی زندگی کا دنیوی پہلو' چھپ چکی ہے ۔ (نقوش ، لاہور نمبر صفحہ ۹۴۴) ۔

۱ ۔ ڈاکٹر لائٹنر اور مولانا آزاد کا جھگڑا ۱۸۷۰ع اور ۱۸۷۱ع کے درمیان ہوا تھا ؛ یہ خط اسی واقعے کی یادگار ہے ۔

بھی بھیجا گیا کہ جا کر دیکھیں ؛ انھوں نے آ کر بیان کیا کہ صورت حال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانی نہیں کسی نے پیشاب کیا ہے ۔ بعد اس کے گنگا رام چپڑاسی اور بعض طالب علم اوپر گئے ، مضمون واحد معلوم ہوا ۔ اگرچہ اس امر میں شک نہیں تھا ، مگر نظر بہ مزید تحقیق اومن صاحب بہادر سے کہا گیا ، انھوں نے لٹمس پیپر عنایت کیا ، اس سے امتحان کیا تو کوئی شک نہ رہا ۔ چناں چہ وہ کاغذ بھی موجود ہیں ۔

چوں کہ پہلے بھی اکثر یہ عمل نجس اوپر کے کمروں میں ہوتے ہیں ، بلکہ یہ نجاست کا عمل صغیر تھا ، وہ اعمال نجاست کبیرہ کے ہیں ، پس اس لیے کہ بڑھتے بڑھتے یہ نوبت پہنچ گئی ہے اس لیے اطلاع حضور میں واجب ہے کہ آئندہ اس سے زیادہ ترقی نہ کریں ، معاملہ نازک ہے ۔

حضور کو یہ بھی خیال رہے کہ عمل مذکور کسی طالب علم کا تنہا نہیں معلوم ہوتا ، اس میں اور بھی تائیدیں شامل ہوں گی ، حضور تفتیش فرماویں گے تو سب حال معلوم ہو جاوے گا ۔

واجب تھا عرض کیا ۔

آفتاب دولت تاباں رہے !

محمد حسین عفی عنہ

پروفیسر عربی ، گورنمنٹ کالج ، لاہور

(۱۸۷۲ع[1])

---

۱ ۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی ابتدا ۱۸۶۴ع میں دھیان سنگھ کی حویلی سے ہوئی جو ہیرا منڈی کے علاقے میں تھی ۔ اس کے بعد ۱۸۷۱ع

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۳۲

بنام انسپکٹر آف اسکولز

[سید مہدی حسن فراغ مولانا کے نیاز مندوں میں تھے - انجمن کے جلسوں اور مشاعروں میں بڑے انہاک سے شریک ہوتے تھے اور لکھنے پڑھنے میں مولانا کی مدد بھی کرتے تھے - اس خط کا مضمون مولانا نے اپنے قلم سے لکھا ہے - آغا محمد باقر صاحب کو فراغ کی زمینوں کے کاغذات بھی مولانا کے کاغذات میں سے دستیاب ہوئے ہیں - رسالہ انجمن پنجاب شمارہ جنوری ۱۸٦۷ میں لکھا ہے کہ : "انھوں نے کتاب 'صرف و نحو' تصنیف کرکے پیش کی اور وہ طلب رائے کے لیے فقیر جمال الدین صاحب کے حوالے کی گئی -" فروری کے رسالے میں لکھا ہے کہ : "کتاب پسند کی گئی" اور اسی اثنا میں سید صاحب

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
میں انارکلی میں منتقل کیا گیا - اس زمانے میں یہ علاقہ جنگل تھا - اوپر کی عمارت میں بورڈنگ ہاؤس اور نیچے کی عمارت میں کالج آباد ہوا - یہاں ایک برف خانہ بھی تھا - گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے اور امتحانات کے لیے جب طلبہ کالج سے رخصت ہوتے تھے تو مولانا آزاد انھیں اس برف خانے میں لا کر سوڈا لمنیڈ اور آئس کریم کی دعوت دیتے تھے - اس کے بعد ۱۸۷۳ع میں کالج یہاں سے منتقل ہو کر ڈاکٹر رحیم خان سول سرجن کی کوٹھی میں چلا گیا - یہ کوٹھی اس مقام پر تھی جہاں آج کل حیوانات کے علاج کا ہسپتال اور کالج ہے - پھر ۱۸۷۷ع میں گورنمنٹ کالج اس عمارت میں آگیا جہاں آج کل موجود ہے - (تاریخ گورنمنٹ کالج)

نے ایک رسالہ منظوم عام جغرافیہ میں پیش کیا
اور اس کے اشعار جلسے میں پڑھ کر سنائے۔ سب
ممبروں نے پسند کیا ، اور تجویز ہوا کہ بیس روپے
انعام دیے جائیں اور بیس روپے ماہوار پر اردو خواں
طالب علموں کی تعلیم کے لیے ملازم رکھا جائے۔
پانسو جلدیں کتاب 'صرف و نحو' کی چھپوائی جائیں
اور منافع میں سے تیسرا حصہ مصنف کو دیاجائے۔]
(فاضل)

غریب پرور سلامت ! جناب عالی !

چوں کہ زمانۂ سابق میں بہ سبب مختاری سرکار والدہ شاہ اودھ کے مدت دراز تک سکونت فدوی کی مقام چنارگڈھ میں رہی اور اسی سبب سے وہاں لین دین معاملات فدوی کا بہت تھا۔ اب سنا گیا ہے کہ ایک شخص نے فدوی کو وہاں سے غائب دیکھ کر ایک تمسک بے اصل پیش کیا ہے اور گاؤں ملکیت فدوی کو نیلام کروانا چاہا ہے۔ چوں کہ اور کوئی جواب دہی کرنے والا نہیں اور بغیر جانے فدوی کے پیروی مقدمے کی نہیں ہوسکتی ، اس واسطے امیدوار ہوں کہ حسب قواعد سر رشتہ تین مہینے کی رخصت بہ‌طور پریولج لیو فدوی کو مرحمت ہو کیوں کہ تین برس سے فدوی ملازم ہے اور اب‌تک کبھی رخصت نہیں لی اور جس دن سے فدوی‌کام چھوڑے ، اس دن سے رخصت شمار ہو۔ فقط واجب تھا عرض کیا۔

آفتاب دولت تاباں رہے! عرضی

فدوی سید مہدی حسن مدرس اول فارسی
لوار (لوئر) سکول لاہور
معروضہ ۲ اکتوبر ۱۸۷۳ع

۳۳

بنام مدیر اخبار (؟)

آپ کا اخبار مورخہ یکم جولائی سنہ حال بندۂ آثم نے دیکھا جو کچھ اس ادارۂ علم کے اہل فضل اور صاحبانِ کمال نے نظم اردو اور مجھ ہیچ مدان کے لیکچر[1] پر توجہ فرمائی ہے، اس سے مجھے آئندہ کے لیے بڑی بڑی امیدیں ہوئیں۔ لکھنؤ اور مضافات لکھنؤ میں آج تک وہ صاحبِ کمال موجود ہیں کہ حقیقت میں انھوں نے زبانِ اردو کے سرمائے کی حفاظت ہی نہیں کی بلکہ اسے بہت کچھ ترقی دی ہے۔ اگرچہ اول نظر میں وہ اس معاملے کو کسی طرح دیکھیں مگر مجھے یقین ہے کہ اصل مقصود پر انھی کی توجہ ایک قوی تاثیر ظاہر کرے گی۔ اخبار مذکور میں میرے لیکچر پر دو رائیں بھی لکھی ہیں جن کے باب میں مجھے کچھ عرض کرنا واجب ہے۔

پہلی رائے جس کے راقم غالباً منشی غلام حسین صاحب یا مولوی حکیم الدین صاحب ہیں، اس میں اول چند سطریں تمہیدی ہیں۔ جس جس ظرافت کے ساتھ اس میں مجھے اور میری تحریر کو عزت دی ہے اس کا شکریہ ان شاءاللہ وقت ملاقات پر منحصر رکھتا ہوں جس کے حصول کی ان شاءاللہ عنقریب درگاہ الٰہی سے امید ہے[2]۔

۱۔ یہ لیکچر مولانا نے نیچر کی شاعری کے متعلق مئی ۱۸۷۴ع میں دیا تھا اور آخر میں بطور نمونہ رات کی آمد پر ایک معرکۃ الارا نظم پڑھی تھی۔

۲۔ معلوم ہوتا ہے ۱۸۷۴ع میں مولانا نے لکھنؤ جانے کا پروگرام بنایا تھا۔

آغازِ مقصود میں جو فرماتے ہیں ، خلاصہ اس کا (یہ ہے) کہ : ''لیکچر مذکور سے فقط دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں ۔ اول یہ کہ اردو نظم استعاروں اور تشبیہوں سے معرا ہو کر انگریزی کے ڈھنگ پر آ جائے ۔''

میں عرض کرتا ہوں کہ لیکچر مذکور میں صاف لکھا ہے : ''بے شک مبالغے کا اور تشبیہ اور استعارے کا نمک زبان میں لطف اور ایک طرح کی تاثیر پیدا کرتا ہے ۔ لیکن نمک اتنا ہی چاہیے کہ جتنا نمک ، نہ کہ تمام کھانا نمک ۔'' پھر چند فقروں کے بعد میں نے عرض کیا ہے کہ : ''ہمیں چاہیے کہ اپنی ضرورت کے بہ موجب استعارے اور تشبیہ اور اضافتوں کے اختصار فارسی سے لیں ۔'' جب ان کا ارشاد اور اس بندۂ آثم کی تحریر کا مآل متفق ہے تو پھر جو جو کچھ انھوں نے ارشاد فرمایا ، اس کی کچھ ضرورت نہیں ۔

دوسری بات وہ میرے لیکچر سے یہ استنباط فرماتے ہیں کہ : ''عاشقانہ مضامین سے پرہیز کیا جائے اور صنایع و بدایع ، خداوند عالم کی تعریف و توصیف اور اخلاق مضامین نظم کیے جائیں ۔'' اور اس پر فرماتے ہیں کہ : ''اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اردو نظم میں سوائے عاشقانہ مضامین کے اور کچھ ہے ہی نہیں تو یہ بالکل غلط ہے ۔'' بعد اس کے میر انیس اور مرزا دبیر صاحب کی تصانیف کے لیے فرماتے ہیں کہ مدارس سرکاری میں پڑھائی جائیں ۔ فقط

بے شک میر صاحب اور مرزا صاحب کا کلام فصاحت اور بلاغت بلکہ حسنِ تاثیر کے اعتبار سے بھی صانع قدرت کی صنعت کا ایک نمونہ ہے اور وہی کلام رستہ بتاتا ہے کہ اگر زبان میں زور اور بیان میں صفائی ہو تو جو مضامین آج کل

غزلوں میں متعارف ہیں ، ان کے بغیر بھی کلام میں اعلیٰ درجے کا لطف اور زور اور تاثیر پیدا ہوسکتی (ہے) - لیکن چونکہ وہ ایک خاص مذہبی فرع ہے اس لیے افسوس ہے کہ صاحبانِ عالیشان[1] اسے منظور نہ فرمائیں گے - سودا وغیرہ کے باب میں جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے ، سبحان اللہ ! وہ لوگ جگت استاد تھے - ان کے کلام میں کسے کلام ہے؟ مگر خود ملاحظہ فرمائیں کہ اس سے کب تک انتخاب ہو گا - باقی اساتذہ کے کلیات میں اگر دیکھیے تو غزلوں کے ضمن میں بے شک کچھ کچھ اشعار ضرور ہوں گے ، اور فی الحقیقت وہ ایک ایک شعر شاہ بیت ہے اور جو کچھ اس کا شکریہ لیکچر میں میں نے عرض کیا ہے ، وہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا ، لیکن اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کا مقصد ان متفرق اشعار سے حاصل ہوتا ہے یا نہیں ؟ اور ہر ایک غزل میں سے ایسے کتنے شعر نکل سکتے ہیں ؟

عاشقانہ مضمونوں کے باب میں جو کچھ انھوں نے فرمایا بے شک میری بھی یہی رائے ہے کہ بے عشق کے کلام بے مزہ رہتا ہے - لیکن میرے تمام لیکچر میں یہ کہیں نہیں ہے کہ عاشقانہ کلام کو بالکل ترک کرنا چاہیے - اور خود انگریزی کلام بھی عشق سے خالی نہیں - ہاں یہ بے شک عرض کیا ہے کہ : ”ہماری نظم کے مضامین عشق ، شراب ، ساقی ، بہار و خزاں فلک کی شکایت ، امرا کی خوشامد وغیرہ وغیرہ مطالب میں ہوتے ہیں - اور ان محدود احاطوں سے اگر ذرا بھی نکلنا چاہیں تو بد مزہ ہو جاتے ہیں - پس کوئی تدبیر ایسی نکالنی چاہیے

۱- انگریز حاکم

جس سے میرے اور آپ کے اہل وطن زبان میں ایسی قوت پیدا کریں کہ ہر ایک سرگزشت یا علمی مطلب یا اخلاق مضمون کو اسی خوبی سے ادا کر سکیں جس طرح کہ شعرا اپنی غزلوں اور قصیدوں میں داد سخن دیتے ہیں یا میر صاحب اور مرزا صاحب اپنے سلام اور مرثیوں میں۔ بندۂ آثم نے انگریزی نظم سے تشبیہ فقط اس لحاظ سے دی تھی، ورنہ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ کیا انگریزی، کیا عربی، کیا فارسی ایک زبان کے خیال جن الفاظ اور جن لباسوں میں اپنے خاص انداز سے ادا ہوتے ہیں، وہ دوسری زبان میں آ کر بالکل بے لطف ہو جاتے ہیں۔

خاتمۂ کلام پر میں اپنے دل کو خود مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ رائے مذکور میں بھی یہ تجویز مناسب تصور کی گئی ہے کہ جا بہ جا مشاعرے مقرر کیے جائیں۔ اور جو لوگ عمدہ اور مفیدقصیدے وغیرہ کہیں، انھیں انعام دینا مناسب تصور کیا ہے۔ اور جب دونوں کا مقصود ایک ہے تو بہت مناسب ہے کہ وہ بھی اس امر میں سعی فرمائیں اور ہماری قومی زبان اور قومی نظم اعتراض کا نشانہ بن رہی ہے اس سے اسے نجات بخشیں کہ اپنے اہل وطن کو عموماً اور اس ذرۂ بے مقدار کو خصوصاً گرانبار منت و احسان فرمائیں۔

امید ہے کہ اس نیاز نامے کو براہ عنایت اخبار میں جگہ دیجیے تا کہ جن حضرات نے میری تحریر کو بباعث اجمال تحریر یا نظرسرسری کے اپنی رائے (کے) مخالف سمجھا ہے وہ شریک حال اور متفق ہو کر ساعی ہوں اور نتیجۂ مطلوبہ جلد حاصل ہو۔[1]

والسلام بالوف الاحترام (جولائی ۱۸۷۴ع)

۱ - خط مذکورہ سکشا سبھا کے دعوت نامۂ مشاعرہ منعقدہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۳۴

بنام سر سالار جنگ

به شرف ملاحظه بندگان حضور ، کرامت ظهور ، نواب فلک جناب ، خورشید رکاب سرکار مختار الملک سرسالار جنگ بهادر ادام‌الله . . . .

بعد از تقدیم مراتب تعظیم و عرض جوہر تسلیم گزارش مدعاست ، بزرگان عقیدت گزین اگرچه از ایران زمین به تیره خاک ہندوستان افتادند مگر سکونت شان که دریں بلده جهان آباد اتفاق افتاد (و) اولاد و احفاد را دہلوی ساخت ـ

بندهٔ آثم به گورنمنٹ کالج لاہور پروفیسر عربی و فارسی است مگر غیر از حب قوم و ہواخواہی سرافرازان قوم که ہم مؤید آئین فرمانفرمای قوم باشد شغلی و تمنائی دیگر ندارد ـ صورت حالی که فی‌الحال بر روی کار است مشاہده نموده مضمونی بخاطر فاطر گزشته که اگر به دربار شاہنشاہی در جواب اسپیچ نائب السلطنت از زبان گلفشان حضور رنگ شگفتگی بخشد بے محابا شمیمش بمشام قومی تاثیر قوت ہم بدل فرمان فرماہائی

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۳۰ جون ۱۸۷۴ع کی پشت پر لکھا ھوا ہے ـ یہ مشاعرہ دس مہینے جاری رہ سکا تھا ـ مولانا کا یہ واحد مضمون ہے جو انھوں نے اس مخالفت کی تحریک میں شائع کیا ھے ورنہ وہ شروع سے آخر تک خاموش تماشائی رہے ـ میرا خیال ہے یہ مضمون اودھ اخبار کے لیے لکھا گیا تھا ـ معلوم نہیں ھو سکا منشی غلام حسین اور مولوی حکیم الدین کون بزرگ تھے اور کس اخبار سے تعلق رکھتے تھے ـ

قوم سرمایۂ تفریح و تقویت بخشد ۔

الحمدللہ ہوسہای اربابِ زمانہ غرض دار نہ میباشد شائبۂ ازان درمیان ست ، لہٰذا می خواست کہ بذریعۂ خامہ و آمہ تفویض نامہ نمودہ عرض خدمت بنماید ۔ اما ازانجا کہ مکاتبہ تا بمشافہہ فرقی بسیار دارد ، علاوہ بر آن اکثر تمہیدات و لوازمات است کہ حوصلۂ قرطاس گنجائی آن را برنمی‌تابد ، بناءً علیہ گزارش می‌رود کہ اگر از وقت فرصت مطلع نمودہ بحضور خدمت شرف یاب گردد ۔

خاتمہ معروض مراست (؟) کہ چون در روز دربار فاصلہ فرصت تنگ است اگر عرض عقیدت گزین قرین مصلحت باشد بہتر است کہ در اجازت حضوری توقف راہ نیابد :

اگر بہ سیر چمن می روی قدم بردار
کہ ہم چو رنگ حنا می‌رود بہار از دست

(۱۸۷۴ع[۱])

۳۵

جوابی تقریر سر سالار جنگ

یہ شہر دہلی جو کہ صد ہا سال سے دارالخلافہ اولوالعزم بادشاہوں کا رہا یہاں آج ایک سو بیالیس برس کے بعد نظام دکن کو حسب‌الطلب بادشاہ عہد کے پھر آنے کا موقع فراہم ہوا ہے ۔ سب سے آخر آنا وہ تھا کہ ۱۱۵۱ھ میں دربار

---

۱ ۔ مولانا نے حاشیے پر ۱۲۹۳ / ۱۱۵۱ / ۱۴۲ تحریر فرمایا ہے ۔ خط کے مضمون سے بھی یہی سنہ ظاہر ہوتا ہے ۔

دہلی نے طلب کیا ۔ لیکن اس آنے اور آس آنے میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ وہ طلب اس لیے تھی کہ تخت و تاج کو نادری غارت و تاراج سے بچائے ؛ آج اس لیے طلب ہے کہ دربار شاہنشاہی میں قیصری خطاب کی تہنیت اور مبارک باد میں شامل ہو ۔ آس آنے میں دربار سے قلم دان وزارت ملا تھا ، آج دربار شاہنشاہی سے خطاب ــــعطا ہوا ہے ۔ اس وقت خاص خاص فرماں‌روا ہندوستان کے حاضر دربار تھے ، آج سمت جنوب سے خان قلات اور سمت شمال سے ایلچی یارکند تک اس تہنیت کے جلسے میں شامل ہیں ۔ اس وقت شوکت قیصری اور رعب شاہنشاہی سے دربار میں عجیب سناٹے کا عالم ہے ۔ تمام مہاراجگان و راجگان و خوانین ، سردار خاموش بیٹھے ہیں ۔ مگر دیکھتا ہوں کہ سب کے شگفتہ چہرے مبارک باد کے ساتھ جان نثاری اور وفاداری کے پھول نثار کر رہے ہیں ؛ گویا زبان حال ان کی اظہار کر رہی ہے کہ اس دولت بے زوال کے سایے میں اور (؟) بزرگوں کے تاج و مسند کو دلی استقلال اور دوامی اطمینان کے ساتھ لیے بیٹھے ہیں ۔ نظم و نسق کی برکت نے حدیں مستحکم ، مفسدین بر طرف ، امن و امان کو برقرار کر کے سب کو آسائش عام اور عیش و آرام (کے) خاطر خواہ موقعے دیے ہیں ۔ جمیع[1] اہل ریاست اپنے اپنے ملکوں کی آبادی ، تجار کی بہتات ، زراعتوں کی سرسبزی ، علوم کی ترویج ، فنون و صنائع کی تعلیم پر متوجہ ہوتے جاتے ہیں ۔ اوراپنے وقتوں کوخاطر جمع اور فارغ البالی سے ان مفید کاموں میں صرف کر رہے ہیں کہ عین مقصد ان کی شاہنشاہ قیصر ہند کا ہے[2] ۔

(۱۸۷۳ء)

(حاشیہ نمبر ۱ ، ۲ اگلے صفحے پر)

لالہ دنی چند

[جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رئیس ، پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے ۔ سیاست سے دل چسپی تھی اس لیے کانگریس کے مشہور لیڈر تھے۔ ۱۹۲۳ھ تک زندہ تھے ۔

مولانا سے لالہ کی عقیدت اس وقت شروع ہوئی جب مولانا ۱۸۵۹ع میں ریاست جیند کی ملازمت ترک کر کے رجب علی شاہ ارسطو جاہ کے پریس اور اخبار کی نگرانی کےلیے جگراؤں میں قیام فرما تھے ۔

لالہ دنی چند نے مولانا سے تعلیم حاصل کی ، اور مولانا ہی کی زیر نگرانی لاہور میں رہے ۔ فراغت تعلیم کے بعد ان کی ملازمت اور ترقی کے لیے مولانا برابر کوشاں رہے ۔

استاد کی محبت اور قدر دانی کا یہ عالم تھا کہ مولانا کے خطوط جان سے زیادہ عزیز رکھتے اور باعث برکت جانتے تھے۔ آغا محمد طاہر صاحب کو انھوں نے یہ خط اپنے لڑکے کے ساتھ بھجوائے تھے اور لکھا تھا کہ یہ خطوط میرے شفیق استاد کی یادگار ہیں اور میرے گھر کی خیر و برکت انھی سے وابستہ ہے ۔ میں انھیں جیتے جی اپنے آپ سے جدا نہیں کر سکتا ۔ فاضل]

(پچھلے صفحے کے حاشیے)

۱ ۔ اصل تحریر مولانا آزاد 'جنھیں' 'جمیع' تصحیح قیاسی ۔

۲ ۔ یہ سپاس نامہ ولی عہد برطانیہ کی آمد دہلی کے موقع پر نظام دکن کی طرف سے لکھا گیا ہے ۔ مولانا نے نظام کی زبانی یہ لکھا ہے کہ ایک سو بیالیس برس کے بعد نظام دکن دہلی آیا ہے پہلی مرتبہ ۱۱۵۱ھ میں حملہ نادری کے وقت شاہ دہلی نے بلایا تھا اور اب ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ع میں جناب والا کے دربار میں میں حاضر ہوا ہوں۔

یہ عبارت خود مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی آغا محمد باقر صاحب کے پاس موجود ہے اور انھیں کی مہربانی سے یہاں شایع ہو رہی ہے ۔

۳۶

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

بعد از دعاہا[1] (ے فراواں) معلوم باد ، زندہ ہوں کہ اتنی مدت کے بعد تمھارے خط کا جواب لکھتا ہوں - کیا کروں مشاعرے[2] کے سبب سے میں بہت عدیم الفرصت اور پریشان دماغ ہوگیا ہوں - مثنوی مشاعرہ ماہ جولائی کی جس میں 'فرحت امید' کا مضمون ہے ان شاء اللہ عنقریب روانہ کرتا ہوں ، خاطر جمع رکھو - آج پیر کا دن ہے اس لیے ملتوی کرتا ہوں -

کتب امتحانی کا بالاستیعاب دیکھنا تو انسان کا کام نہیں ؛ اور کون دیکھ سکتا ہے کہ تم بہ نسبت اس کے نامکمل رہو گے - تھوڑا تھوڑا مختلف جگہ سے دیکھ لو کہ ہر ایک کی طرز تحریر سے آشنائی ہو جائے - آگے خدا مالک ہے - قصائد بدر چاچ کا یہی حال ہے جو تم نے بیان کیا - ہم بھی دیکھ لیں گے اور کوئی کیا آسمان کے تارے توڑ لائے گا -

انشا کا حقیقت میں تم کو وہم ہے ؛ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو سکھاؤں اور اس میں مادہ نہ ہو تو کبھی نہیں بتا سکتا - اور اگر اس میں مادۂ قابل موجود ہے تو کتابیں بھی استاد کافی ہیں - میرے اوپر جو تمھیں خیال ہے یہ فقط بھرم ہی بھرم ہے - میں نے اس کام کی کبھی اصلاح نہیں لی ،

---

۱ - متن میں 'دعاے معلوم باد' شاید 'دعاہاے فراواں معلوم باد' لکھا ہو-

۲ - نیچرل شاعری کے مشاعرے مراد ہیں جن کے بانی مبانی مولانا تھے -

نہ عربی میں نہ فارسی میں ، نہ اردو میں ۔ ہاں اچھے اچھے صاحب کمالوں کے کلام دیکھتا رہا ؛ ان کے دیکھتے دیکھتے ایک رنگ ایسا بے رنگ پیدا ہوگیا کہ سب سے الگ ہے ۔ اب چاہے کوئی اسے بے رنگ کہے چاہے خوش رنگ ۔ بس یہی طریقہ استادی شاگردی کا ہے ۔ اگر چند روز پہلے تم یہاں آؤ پھر اپنے سامنے چند کاغذ میں تم سے لکھواؤں اور انھیں تمھارے سامنے خود بناؤں ، شاید اس کا اثر بہ نسبت اس کے جلد تر ہو [1]۔

ملا مقرب کی مثنوی[2] نہ پہنچنے کا ظاہر سبب تو یہ ہے کہ اردو کی نظم لکھنا ان کے لیے موجب پریشانی ہے ۔ علاوہ ازیں غالباً انھیں منشی سید محمد عظیم[3] کے ہاں سے پینتیس (۳۵) روپے ملتے ہیں اور سید موصوف کو ان کی تحریر کا میرے پاس

---

۱ ۔ مولانا نے صحیح لکھا ہے ۔ مولانا خود اپنے صاحبزادے آغا محمد ابراہیم کو اس طرف نہ لا سکے ۔ وہ انجینیرنگ لائن میں چلے گئے اور ایف ۔ اے کرنے کے بعد رڑکی کالج میں داخل ہوگئے ۔

۲ ۔ نیچر کی شاعری کا مشاعرہ جاری تھا ، اس کے لیے مثنوی لکھنے کی فرمائش ہے ۔

۳ ۔ منشی صاحب دہلی قدیم کالج کے تعلیم یافتہ تھے ۔ تعلیم کے بعد مطبع دہلی گزٹ میں بہ طور پرنٹر ملازم ہوئے ۔ شروع میں پانچ روپے سہینہ وظیفہ ملا اور بعد میں اسی روپے تنخواہ مقرر ہوئی ۔ جب لاہور پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو لاہور آئے اور شاہی عمارت نولکھا میں پریس جاری کیا ۔ اس کا نام لاہور کرانیکل پریس رکھا ۔ یہ لاہور کا پہلا پریس تھا ۔ اسی پریس سے قطع تعلق کرکے انھوں نے پنجابی پریس جاری کیا اور پنجابی اخبار شائع کیا جس کے ایڈیٹر ان کے صاحبزادے منشی محمد لطیف تھے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

آنا نامطبوع ہے ۔ پس میں بھی دیوانہ نہیں جو انہیں ایسے کام کی تکلیف دوں جس میں ان کا خواہ مخواہ نقصان ہو ۔ میں ان کا خیر خواہ اور ہوا خواہ ہوں نہ کہ نقصان خواہ ۔ یہ خدا سے دعا ہے کہ ان کے لیے پچاس ساٹھ روپے مہینے کا سامان اپنی درگاہ غیب الغیب سے کر دے ، پھر دیکھو میں ان سے کس طرح ماہ بہ ماہ مثنوی نہیں لیتا ۔ انہوں نے اس مہینے میں لاہور آنے کا وعدہ کیا تھا مگر خدا جانے کیا سبب ہوا ۔ یہ دوسری وعدہ خلافی ہے ۔

لالہ کشن چند صاحب ڈاکٹری کی کتابیں لیے چلے جاتے ہیں میں نے کہا :

خوش طبیبیست بیا تا ہمہ بیمار شویم

بہت خوش ہوئے ؛ میں نے کہا کہ خدا تم کو بھی خوش رکھے اور تمہارے دوستوں کو بھی ؛ مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں ؛ ہمارے دونوں میٹھے ہمارے دونوں میٹھے ۔ ملا مقرب[1] کو یہ خط ضرور دکھا دینا اور میری طرف سے دعا کہنا ۔

جناب مولوی سید شریف حسن خاں صاحب اور مولوی سید شریف حسین خاں صاحب کی خدمت میں عرض تسلیم ۔ جناب

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

جنہوں نے تاریخ لاہور تصنیف کی۔ منشی صاحب کا انتقال ۱۸۸۵ع میں ہوا ۔ ۱۸۹۰ع میں یہ مطبع اور اخبار بند ہوگیا ۔ مولانا کے تعلقات ان سے کچھ کشیدہ تھے ۔ جب ڈاکٹر لائٹنر نے مولانا پر مقدمہ چلانے کی کوشش کی تو وہ ان کے دست راست بن گئے تھے۔
(تاریخ صحافت اردو جلد دوئم)

۱ ۔ مولوی مقرب حسین عربی فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے اور خاندان ارسطو جاہ سے تھے ۔

مولوی سید رستم علی خاں صاحب کی خدمت میں آداب تسلیات اور سید کرار حسین صاحب کو دعا پہنچے ۔ اور سب صاحبوں کو آداب ، بندگی اور دعا و سلام پہنچے ۔ سید محمد خان شیدا کو بھی دعا کہنا ۔ اور ایک شخص جو عرضی نویسی کرتے ہیں اور انھوں نے میری دعوت بھی کی تھی ، ان کا نام بھول گیا ، انھیں بھی بہت بہت سلام کہنا[۱] !

محمد حسین عفی عنہ

(۲۱ ستمبر ۱۸۷۴ ع)

۳۷

بنام— ؟[۲]

عالی جناب من ! تسلیم

مدت سے کوئی مرحمت نامہ نہیں پہنچا ، چشم انتظار نگراں ہیں ۔ چند روز ہوئے بندے نے ایک نیازنامۂ مفصل ارسال خدمت کیا تھا ، معلوم نہیں کہ فائز خدمت ہوا یا نہیں ؟ ایک رسالہ مشاعرے کا جس میں امید[۳] کی خوشی پر مضامین لکھے گئے تھے وہ بھی انجمن سے روانہ کیا گیا تھا ، اس کی رسید سے بھی آگہی نہ ہوئی ۔ خدا کرے مانع اس کا سوائے افکار نظم کے اور کچھ نہ ہو !

---

۱ ۔ غور کیجیے مولانا اپنے ملاقاتیوں کو کس محبت اور خوبصورتی سے یاد کرتے ہیں کوئی غیرانشاپرداز لکھتا تو نام بنام سلام لکھ ڈالتا۔

۲ ۔ افسوس ہے کہ مکتوب الیہ معلوم نہیں ۔

۳ ۔ نیچر کی شاعری ۔ یہ مشاعرہ ۳ ۔ اگست ۱۸۷۴ع کو ہوا تھا جس کا موضوع 'امید' تھا ۔

لکھنؤ[۱] میں بھی ایک مشاعرہ شروع ہوا ہے اور اس میں بھی زیادہ تر سعی اس امر میں کی گئی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مضامین کی تعمیم میں کوشش کی جائے۔ معلوم نہیں کہ آپ کے مشاعرے میں کیا بندوبست ہوا۔ مجھے اور جملہ احباب کو وہاں کے دریافت حال کا نہایت اشتیاق اور انتظار ہے۔

والتسلیم بالوف التکریم!

محمد حسین عفی عنہ

پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

۲۷ ستمبر ۱۸۷۴ء

۳۸

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

بعد از دعاہا معلوم خاطر عزیز باد، معالجہ بہ قدر ہرچہ کہ مسلک تدبیر بود بعمل‌آمدہ، آیندہ شفا بہ دست شافی مطلق۔ منتظر تحریر ثانوی من باشند۔ ان شاء اللہ مع الخیر و العافیت۔

خدمت سیدین شریفین عرض تسلیم۔

ملا مقرب دعاہا[۲] خوانند بہ سیدی کرار حسین مضمون واحد، خدمت سرکار مولوی رستم علی خاں صاحب عرض تسلیم گزارش نمایند۔ خدمت سیدین الشریفین[۳] از من پیغام رسانند کہ

۱۔ بہت اہم اطلاع ہے؛ اس سے تاریخ نظم پر کام کرنے والوں کو مواد مل سکے گا۔

۲۔ متن ''ملا مقرب دعا ہاے خوانند''۔

۳۔ شریف حسن و شریف حسین خاں صاحب فرزندان رجب علی شاہ ارسطو جاہ

'سفر نامۂ شاہ[1]' را ہم چناں اشتیاق باقی ست و دل چشم براہ ۔ البتہ از ملاحظہ فراغ یافتہ باشد[2] ۔

نواب ناصر علی خاں صاحب[3] بہ لدھیانہ رسیدہ اند ۔ بندہ ہم بہ نواب صاحب گفتہ بودم ، اگر مرحمت فرمایند بدولت جناب گویا سیر یورپ بمعیت شاہ حاصل آید ۔ و سفر نامۂ عتبات عالیات از جناب شاں گرفتہ و نقلش برداشتہ اگر خود شما ارسال دارند البتہ باعث مزید مدعا خواہد بود کہ سابقاً ہم فرمایش کردہ بودم ۔

والدعا

۲۴ اپریل ۱۸۷۵ع

۳۹

بنام لالہ دنی چند

عزیز من حصل اللہ امالکم و احسن اللہ حالکم[4] !

بعد از دعاہا معلوم باد !

رضا بدادہ بدہ وز جبیں گرہ بکشا
کہ برمن و تو در اختیار نکشودند[5]

حال معلوم ہوا اور نہایت رنج ہوا ، مگر کیا کیجیے کہ دیہاتی اور قصباتی مدرسے دو عملے میں ہیں ، نہ فقط ڈائرکٹری کے ماتحت نہ فقط ضلع کے؛ اب چند روز صبر کرنا چاہیے ۔

---

۱ ۔ سفر نامۂ شاہ ایران بہ انگلستان و یورپ ۔
۲ ۔ متن "فراغ یافتہ باشم" ۔
۳ ۔ نواب ناصر علی خاں قزلباش رئیس لاہور ۔
۴ ۔ خدا تمھاری امیدیں پوری اور تمھارے حالات بہتر کرے !
۵ ۔ متن میں "اختیار بکشودند" ہے ۔

مرغ زیرک چوں بہ دام افتد تحمل بایدش

میں نے لودیانے کو خط لکھا ہے اور جب وہ یہاں آئیں گے تو ان شاء اللہ زبانی بھی کہوں گا۔ اللہ زبان میں تاثیر دے اور تمھیں صبر دے اور ایسی حالت نہ پیش لائے جس میں صبر کی ضرورت پڑے!

فقط والدعا

۱۴ مئی ۱۸۷۵ع

۴۰

بنام لالہ دنی چند

جناب من!

ہزار لعنت ہے مجھ پر کہ تم جیسے شخص کو ایسے اضطراب میں ڈالتا ہوں اور لاکھ لاکھ لعنت ہے میرے اعمال و اشغال پر کہ مجھے ایسے عالم میں ڈال رکھا ہے کہ جو جی بھی چاہتا ہے اور واجب و فرض عینی ہے وہ کر نہیں سکتا۔ بھائی تم تو سچے ہو، مگر تمھیں میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ڈاڑھ میں درد تھا، وہ زیادہ ہوتا گیا، پھر ریزش اور بخار نے پانچ دن ستایا، کل سے ذرا آرام ہے۔

منشی نے ڈاکٹ[1] روانہ کرتے ہی مجھے اطلاع دی تھی، پھر میں نے کہا کہ اب تم کو خط لکھنا فقط تم سے شکریۂ بے جا مانگنا ہے۔ مطلب تو حاصل ہوگیا، باقی رہا وہاں کا جواب، سو وہ ابھی آیا نہیں، میں گوش بہ آواز اورگربہ بہ سوراخ

۱۔ کاغذات، درخواست وغیرہ۔

موش بیٹھا ہوں ۔ منی آرڈر ہمیشہ کچھ عرصے کے بعد یہاں وصول ہوا کرتا ہے ، چناں چہ مجبور ، بے وصولی کے کل رسید بھیج دی ۔ تمھارے لڑکوں نے کہنہ تک جو جو قدم زمین پر رکھے وہ میرے سر اور آنکھوں پر رکھے۔ انھیں میری طرف سے دعا کہو اور معافی طلب کرو[1] ۔

لغات کی تالیف کے طعنے کیوں دیتے ہو ؟ تمھاری نظر لگ گئی ؛ اس دن سے ایک حرف لکھا ہو تو قسم لو[2] ۔

امتحان کی خوش اسلوبی سے کمال خوشی ہوئی ؛ خدا تمھاری محنتوں کو ہمیشہ کامیاب اور مثمر خیر و برکات رکھے!

تم نے خوب کیا کہ نام لکھ دیے ، مجھے فقط پہلا نام یاد تھا ۔ میں بھی یہاں اس کے لیے بندوبست کر رہا ہوں ۔ تمھارے پیارے ملا[3] کا بڑا پتلا حال ہورہا ہے ۔ بارہ دن سے باری کا بخار آتا ہے ؛ زرد ہوگیا جیسے ہلدی ؛ کھانسی دم نہیں لینے دیتی ؛ اور ناک بند ہے ، سانس نہیں لینے دیتی ۔

سیدین شریفین کو مبارک باد لکھوں گا ، یقین تو ہے کہ حیران ہوں گے کہ اسے کدھر سے خبر پہنچی ۔

ارے میاں ملاّ کے لیے دعا کرو کہ خدا اسے شفا دے اور عمر دراز بہ علم و اقبال عطا کرے ! مجھے اس کا بڑا خیال

---

۱ ۔ مولانا سے ملنے کے لیے لاله دنی چند کے لڑکے اسٹیشن پر پہنچے مگر مولانا نہ مل سکے ، اس کی معذرت کر رہے ہیں ۔

۲ ۔ مولانا طلبا کے لیے ایک لغت مرتب کر رہے تھے؛ اس کا نامکمل مسودہ محفوظ ہے ۔ (آغا محمد باقر)

۳ ۔ مولانا کے صاحب زادے جو کم سنی ہی میں وفات پا گئے۔ ان کا نام ملا محمد باقر تھا ۔

رہتا ہے ۔ والد مرحوم کے نام پر اس کا نام رکھا ہے ۔
(اکتوبر ۱۸۷۵[۱])

۴۱

بنام لالہ دنی چند

عزیز من! بترقیات نشأتین[۲] کامیاب باشند!

کوئی بات خوشی کی نہیں پیش آتی ؛ عجب موقع ہے ، خدا اپنا فضل کرے اور ہمارے گناہ معاف کرے! اس وقت منشی کرم الٰہی[۳] کے خط سے معلوم ہوا کہ درخواست نا منظور ہے ۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا کروں ؟ نواب صاحب یہاں تبدیل ہو کر انبالے سے آ گئے ہیں ، ان سے مل کر کہوں گا ، شاید کوئی رستہ نکل آئے ۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو میرے نزدیک اس پر لعنت کرنی چاہیے اور تم الہ آباد میں جا کر امتحان دے دو[۴] ، ماسٹر وہاب الدین بھی تیرہ کو روانہ ہوں گے ؛ تین مہینے وہاں رہ کر یاد کریں گے اور پھر امتحان دیں گے ۔

---

۱ ۔ آنے والے خط کی روشنی میں تاریخ معین کی ہے ۔

۲ ۔ نشأتین : دنیا و آخرت ۔

۳ ۔ منشی کرم الٰہی سیالکوٹ کے رہنے والے ، حصول تعلیم کے لیے لاہور آئے تھے اور حصول تعلیم کے بعد انجمن پنجاب میں نوکر ہوگئے تھے ۔ انجمن کے جلسوں میں انھوں نے اخلاق مضامین کا ایک سلسلہ پیش کیا تھا جو انجمن کے رسالے میں باقاعدہ شائع ہوتا رہا ۔

۴ ۔ لالہ جی وکالت کا امتحان دینا چاہتے ہیں ، مولانا مشورہ دے رہے ہیں ۔

یہاں کوئی اشتہار علحدہ نہیں چھپا ، سب کلنڈر میں موجود ہے ۔ وکالت چیف کورٹ کا امتحان یونی ورسٹی سے متعلق ہے ، بہ مجرد کامیابی سند وکالت عدالت ہائے ماتحت کی مل جاتی ہے ؛ پانچ برس کے بعد وہی سند ، سند امتحان وکالت چیف کورٹ کی ہوجاتی ہے ۔ یہ بھی کلنڈر میں لکھا ہے ۔

میرے پیارے ! دو خط تمھارے برابر پہنچے ۔ خدا تمھیں خوش رکھے اور آیندہ تمھاری دعاؤں میں اثر دے ! مگر ملا باقر عید کے دوسرے دن صبح کو سات بجے مر گئے ۔ خیر، خداوند عالم آیندہ کو خیر رکھے!

میں نے ابھی خبر نا منظوری امتحان کی پائی اور فوراً جواب لکھا ؛ ان شاء اللہ نواب سے اور ماسٹر وہاب الدین سے مل کر پھر جو مناسب ہوگا وہ لکھوں گا ۔ اللہ تمھیں خوش رکھے!

محمد حسین عفی عنہ

۹ نومبر ۱۸۷۵ع

۴۲

بنام لالہ دنی چند

عزیز من! زاد اللہ اقبالکم!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد کہ میں تم سے نہایت شرمندہ ہوں کہ باوجود وعدے کے تم کو خط نہ لکھ سکا ۔ آخر تمھارا محبت نامہ پہنچا اور اس میں تم نے وہ کچھ لکھا کہ مجھے اور زیادہ تر شرمندگی ہوئی ۔ خدا تم کو کامیابی دونوں جہان کی نصیب کرے اور افکار دنیاوی سے نجات دے! یہاں کا حال

یہ ہے کہ صاحب رجسٹرار[1] سے دریافت کیا گیا تھا ، انھوں نے کہا کہ دوسری کو کمیٹی کے طور پر جلسہ ہوگا ، اس میں درخواستیں پیش ہوں گی ۔ مجھے بہ باعث کاغذات[2] سالانہ کے بڑی کم فرصتی ہے مگر یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ تین دن تک تمھیں اور بچوں کو انتظار میں سرگرداں کروں ، اس لیے جس طرح ہوا یہ دو کلمے لکھ دیے ۔ ان شاء اللہ بر وقت حصول جواب فوراً اطلاع دوں گا ۔ یا مولٰی جواب با صواب ہو!

جو پرچے تم نے بھیجے وہ بھی اسی طرح برہان[3] میں رکھ دیے ہیں ، (نشان) لگانے کی فرصت نہیں ۔ مگر کیا ہو ، دل سے ہزاروں دعائیں تم کو اور تمھارے بچوں کو نکلتی ہیں ۔ بسنت سنگھ اور مہتاب سنگھ کو خدا سعادت دارین نصیب کرے! میری طرف سے انھیں بہت بہت دعا کہنا ۔

میری طبیعت اور تو سب طرح اچھی ہے مگر دل الٹ پلٹ رہتا ہے ؛ دعا کرو کہ خدا صحت دے! میر صاحب قبلہ کا فرمانا درست ہے ، میں بھی اب اس معاملے میں سوچ رہا ہوں ، مگر بتاؤ کہ کیا کروں ؛ ایک تو یہ کہ ضیافتیں کھانے سے توبہ کروں، وقت ضرورت اکیلی دوکیلی جگہ ہو تو کھانے میں شرکت کیا کروں ، یا یہ کہ صورتاً و معناً توبہ کروں ؟ تم جانتے ہو مجھے کس کس طرح اور کہاں کہاں پھرنا پڑتا ہے ؛ پس رستوں میں اگر ایسا کروں گا تو زندگی مشکل ہو جائے گی ۔ انسان جو کچھ ارادہ کرے سوچ سمجھ کر کرے؛ یہ بڑے نازک عہد ہیں ۔

---

۱ - رجسٹرار پنجاب یونی ورسٹی مراد ہے ۔
۲ - امتحانات کے پرچے ۔
۳ - کچھ لفظوں کے معنی دریافت کیے ہوں گے یہ کاغذ برہان قاطع میں رکھ دیا ہے۔

منشی ذکاء اللہ صاحب[1] کا جواب میرے پاس آیا ، تمھارے پاس بھی پہنچا ہوگا ؛ اخباروں کا حوالہ دیتے ہیں کہ چھپ چکا ہے ان میں دیکھ لو ۔

آغا ابرو تمھیں آداب و بندگی کہتے ہیں ۔

والدعا

محمد حسین عفی عنہ

۳۰ نومبر ۱۸۷۵ء ۳ بجے

---

۱ ۔ منشی صاحب مولانا کے بچپن کے دوست اور ہم جماعت تھے ۔ دونوں میں گہری محبت تھی ۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ عالم جنون میں ایک مرتبہ وہ پیدل دہلی چلے گئے اور وہاں جا کر منشی صاحب کے ہاں قیام کیا ۔ ایک دن حجام آیا اور منشی جی کی ڈاڑھی بنانے لگا ۔ مولانا سامنے بیٹھے دیکھ رہے تھے ، ایک دم اٹھے اور کہا میاں تمھیں خط بنانا بھی نہیں آتا ، ہٹو پرے - منشی جی نے اسے اشارہ کیا اور وہ الگ کھڑا ہوگیا ۔ مولانا نے منشی جی کے بال تراشے اور پھر خط بنایا اور فرمایا منشی جی اب آئینہ دیکھیے - منشی جی حیران رہ گئے ۔ شام کو منشی جی نے اپنے احباب سے اس واقعے کا ذکر کیا ۔ ان میں سے ایک نے کہا منشی جی آپ نے کمال کیا دیوانے کے ہاتھ میں استرا دے دیا اور آپ صبروسکون سے بیٹھے رہے ۔ اگر مولوی صاحب کا مزاج برہم ہو جاتا اور وہ گلا کاٹ دیتے تو کیا ہوتا ۔ منشی جی نے جواب دیا میاں! مجھے یقین تھا محمد حسن مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا ۔

۴۳

بنام لالہ دنی چند

عزیز من !

لو صاحب ، مبارک ہو! نائب تحصیل داری کیجیے اور جس طرح چاہیے ہم رعیتی لوگوں کو دبائیے ۔ الحمدللہ الحمدللہ! اگرچہ یہ میں جانتا تھا کہ 'کوہ نور' نکلنے والا ہے ، تمھیں خبر ہو ہی جائے گی مگر خوشی کے مارے مجھ سے رہا نہ گیا ۔ خیر اللہ مبارک کرے ! اس وقت پانچ بجے ہوں گے ، میں بھی اب[1] چھ بجے سوار ہوتا ہوں اور خدا سے یہ بھی دعا ہے کہ تم مجھ سے راستے میں مل جاؤ تو کیا خوب بات ہے ۔ یہ خط جگراؤں کی طرف پھینکتا ہوں ، خدا کرے پہنچ جائے ! پتا مجھے معلوم نہیں خدا جانے تمھیں کب پہنچے اور میرے لکھنے کا فائدہ بھی حاصل ہو یا نہ ہو ۔ خیر ہو یا نہ ہو ، میرے دل کا ارمان تو اس وقت نکل گیا ۔ میں بھی لودیانہ اسٹیشن پر ،کھنے اسٹیشن پر، جا بہ جا کہتا چلا جاؤں گا کہ — وہ پاس ہوگئے ، وہ پاس ہوگئے ۔ اب خدا تمھیں تحصیل دارا ور تحصیل دار سے ڈپٹی کرکے مجھے دکھائے ۔

محمد حسین عفی عنہ

۲۴ دسمبر ۱۸۷۵ع

---

۱ ۔ کالج میں موسم سرما کی تعطیلات ہوئی ہیں اور مولانا حسب عادت سیر و سفر کے لیے نکلے ہیں ۔ وہ چھٹیوں میں عموماً گھر میں نہیں رہتے تھے۔ اس موقع پر وہ دہلی جا رہے ہیں اور ان کی اہلیہ اور بیٹے آغا محمد ابراہیم جنھیں پیار سے ابرو کہا کرتے تھے ، ان کے ساتھ ہیں ۔

۴۴

بنام لالہ دنی چند

اقبال نشانِ من!

بعد از دعاہا معلوم باد ، تم لاہور میں آئے اور مجھ سے بے ملے چلے گئے ؟ شاباش! شاباش! خدا تمھیں ایسا بڑا کرے کہ مجھے پہچان بھی نہ سکو ۔ میں بھی اسی میں خوش ہوں ۔ مگر میرا ایک ضروری کام ہے وہ کر دو کہ مولوی علی احمد[1] مدرس فارسی نے ایک کتاب لکھی ہے ، وہ کہیں سے لے کر بھیج دو ۔

زیادہ دعا

(جنوری ۱۸۷۶ع[2])

۴۵

بنام لالہ دنی چند

عزیز من! تحصیل‌دار صاحب[3]!

بعد از دعاہاے فراواں معلوم ہو کہ اس عرصے میں سرگرداں

---

۱ ۔ غالباً مدرس فارسی علی احمد نہیں احمد علی احمد ہیں جو ڈھاکے کے رہنے والے اور اصفہانی‌الاصل تھے ۔ کمپنی کے مدرسے میں پڑھاتے تھے ۔ موصوف نے مؤید برہان بڑی وقیع کتاب لکھی ہے جو ۶۸م صفحات پر مشتمل اور مظہرالعجائب کلکتہ سے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ع میں شائع ہوئی ۔

۲ ۔ ایک اندازہ ہے ، متن میں تاریخ نہیں ہے ۔

۳ ۔ لالہ دنی چند نے تحصیل‌داری کا امتحان پاس کیا تو مولانا کو اتنی ہی خوشی ہوئی جتنی ایک شفیق باپ کو اپنے لائق بیٹے کی کامیابی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

پھرتا رہا ؛ دلی گیا ، الور گیا ، جیپور گیا[1] - ابرو[2] کو بھی ساتھ لیتا گیا تھا ، دلی پہنچتے ہی اسے چیچک نکل آئی - وہ اپنے نانا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
پر ہو سکتی ہے - اب کہاں ہیں ایسے استاد جو شاگردوں کو مثل اپنی اولاد کے سمجھیں - ہماری تعلیم میں اسی جذبے کے فقدان نے طلبا کو بے سرا اور استادوں کو بے وقر کر دیا ہے - ایسی ہی ایک شخصیت غالب کے خطوط میں بھی جلوہ نما ہے جسے مرزا تفتہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے - گویا لالہ دنی چند مولانا آزاد کے مرزا تفتہ ہیں -

۱ - میرا خیال ہے کہ یہ خط مولانا نے دہلی کے سفر سے واپس لاہور آ کر لکھا ہے - انھوں نے دہلی میں بیوی بچوں کو چھوڑا اور خود کتابوں اور سکوں کی تلاش اور سیر و سیاحت کے لیے الور ، جےپور کی طرف نکل گئے - ان دنوں دربار اکبری کے لیے مواد جمع کرنے کا خیال پیدا ہو چکا تھا اس لیے ان مقامات کو بچشم خود دیکھنا ضروری تھا - اگر ایسا نہ کرتے تو دربار اکبری کا مرقع بے رنگ رہ جاتا -

۲ - مولانا کے ہاں دس بارہ بچے ہوئے اور خورد سال مر گئے - صرف ایک لڑکا اور لڑکی عمر طبیعی کو پہنچی - لڑکے کا نام اپنے استاد کے نام پر ابراہیم رکھا تھا - استاد کے ادب کو مد نظر رکھتے ہوئے پورا نام نہ لیتے تھے ، ابرو کہتے تھے - ان کی ولادت دہلی میں ۱۸۶۵ع میں ہوئی - بڑے شوق سے تعلیم و تربیت دی ، لیکن ان کے دل میں علم و ادب سے وابستگی پیدا نہ ہو سکی - انھیں سائنس کا شوق تھا مگر ایف - اے - کرنے کے بعد وہ رڑکی کالج چلے گئے - انجینیری کی تعلیم پا رہے تھے کہ بعض حالات کی بنا پر تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا - انھوں نے وہاں سے اورسیری کی سند لی اور پنجاب میں ملازمت کر لی - ۱۸۹۰ع میں جب مولانا

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

کے ہاں رہا[1] اور مجھ پہ اس فکر میں عجب عالم گزرتا رہا ۔ انجام بخیر ہوا ، اور میں اس سمیت چودہ کو داخل لاہور ہوا ۔ تمھارا خط پڑھا ، دوسرے دن دفتر یونیورسٹی میں گیا ، وہاں کوئی عرضی نہیں پہنچی ۔ میں نے اسی وقت ایک عرضی لکھ کر تمھاری طرف سے دے دی ۔ مگر تمھارا یہاں آنا ضروری ہے ، جلدی آؤ اور جلدی سے بھی کچھ زیادہ جلدی آؤ ، کیوں کہ تمھارے آئے بغیر کام کا اسلوب نہیں ہوتا ۔ اور کتابوں کے باب میں خدا جانے تم نے کیا بندوبست کیا ؟ دیکھوں تو کتنے کتب خانے میرے لیے لاتے ہو ۔ اجی ہاں صاحب ! وہ قاطع برہان اور

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو انھوں نے نوکری چھڑوا کر لاہور اپنے پاس بلا لیا ۔ وہ یہاں چیف کورٹ میں انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی کے ٹرانسلیٹر، پھر میرمترجم ہوئے ، اور منصفی کا امتحان پاس کرکے منصف ہوگئے ۔ ان کی تحریر میں صرف دربار اکبری طبع دوم کا مقدمہ ہے ۔ (آغا محمد باقر)

۱ ۔ مولانا آزاد کی شادی ان کے والد مولوی محمد باقر نے نواب مرزا عسکری کی پوتی اور مرزا صفدر علی کی بیٹی سے کی تھی ۔ مرزا صاحب ہمدان کے معزز خاندان سے تھے جو شاہ عالم کے زمانے میں کشمیر کے کمانڈر انچیف تھے ۔ بعد میں انھیں بادشاہ دہلی نے شاہجہاں آباد بلا لیا اور چاندنی چوک کے قریب کوچہ ناتواں میں جسے اب کوچہ نٹواں کہتے ہیں ، ایک عظیم الشان امام باڑہ اور مکان شاہی خرچ سے بنوا کر دیا ۔ یہ امام باڑہ تقسیم ہند سے پہلے تک موجود تھا ، اب اسے گردوارے میں تبدیل کر دیا گیا ہے ۔ مولانا نے آب حیات صفحہ ۵۱۸ کے حاشیے پر نواب حسین مرزا کے لطیفے میں ان کا ذکر کیا ہے ۔

قاطع انصار[1] اور ساطع البرہان اور فلاں فلاں کے ذیل میں ایک مؤیدالبرہان ہگلی کے پروفیسر فارسی نے لکھی تھی اور ایک موقع پر وہ دوکان پر پڑی رہی ، کسی نے نہ پوچھا ، اب میں دوکان دوکان پوچھتا ہوں تو کوئی جواب نہیں دیتا ۔ اگر لودیانے میں کسی کے پاس ملے یا میر صاحب قبلہ کے پاس ہو تو ضرور لیتے آئیے یا بندوبست کرتے آئیے ۔ اور شرح سہ نثر تصنیف صہبائی پہلے چھاپے کی ، شرح پنج رقعہ ، شرح شبنم شاداب ، شرح ظہیر ، اور ایک جواہرالحروف چھاپہ دہلی کی محشی بھی تھی ، وہ اگر کہیں ملے تو ضرور خیال رکھیے گا ۔

یہاں آج کل انبوہ اور جم غفیر ہفتاد و دو ملت کا ہے اور لطف یہ ہے کہ جو بڑے بڑے لوگ ہیں وہ سب آپ کے زیر سایہ ، (کذا) قلعے کے نیچے ۔ خواہ دروں خواہ بیروں شہر ، انارکلی اور شہر میں جو مکانات کہ دو روپے کرایے پر کوئی نہ لیتا تھا ، اب بیس پچیس کو نہیں ملتے ۔

یہ سفر جو میں نے کیا طبیعت کو بہت مفید ہوا ، مگر ابرو کی بیماری کے فکر و خطر نے بد مزہ کیا ورنہ خوب چاق و چوبند ہوجاتا ۔ بہرحال بہ نسبت پہلے کے کچھ نہ کچھ اچھا ہوں ۔ در مولٰی کی ناشکری نہیں چاہیے ۔

۱۶ جنوری ۱۸۷۶ء

---

۱ ۔ قاطع انصار کسی لغت یا زیر بحث سلسلے کی کتاب کا نام نہیں ہے ۔ شاید صحیح 'قاطع القاطع' ہو ۔ مرزا غالب نے 'برہان قاطع' محمد حسین تبریزی پر تنقید لکھی اور اس کا نام رکھا 'قاطع برہان' جس کے جواب میں 'محرق قاطع' ، 'ساطع برہان' اور 'موید برہان' مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ آغا احمد علی احمد نے لکھی ۔

۴۶

بنام لالہ دنی چند

ہاں صاحب! میں جو دلی گیا تو وہاں ابرو کو چیچک نکل آئی ، بڑا اضطراب رہا ۔ غرض کہ انیس دن[1] وہاں رہنا پڑا ۔ چودہ کو الحمدللہ کہ اسے لے کر آیا ، تب آپ کا خط دیکھا ، اس لیے جواب میں دیر ہوئی ؛ معاف کیجیے گا ۔ بیس تک آپ کا انتظار رہا ، اب مجبور ہو کر یہ خط روانہ کر دیا ہے ۔ پندرہ کو آپ کی عرضی برائے سفارش منصفی صاحب رجسٹرار کو دی تھی ، ابھی جواب نہیں ملا ؛ نواب[2] سے بھی وعدہ سفارش کا لیا ہے ۔

لاحول‌ولاقوۃ —— کس کاغذ پر خط لکھ دیا ؟ دیکھو میرے حواس کا کیا حال ہے! آپ کو یہاں آنا ضرور چاہیے تھا ۔ خیر ان چھٹیوں میں ہوتا تو بہت اچھاتھا ، یہ نہ ہوا تو ہفتۂ‌آیندہ میں یا اس کے بعد آئیے اور خود بھی رجسٹرار کو اور نواب‌صاحب کو دبائیے ۔ میرا ارادہ پٹیالے[3] کا ہے، ان شاء اللہ اتوار کو یہاں آ جاؤں گا ۔

(بعد ۲۰ جنوری ۱۸۷۶ء)

---

۱ ۔ مولانا ۲۴ ۔ دسمبر کو روانہ ہوئے ، ۱۴ ۔ جنوری کو لاہور واپس پہنچے، کل انیس دن ہوئے ۔

۲ ۔ نواب ناصر علی خاں قزلباش آف لاہور مراد ہیں ۔ اور رجسٹرار سے رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی ۔

۳ ۔ پٹیالے میں مولانا کی صاحبزادی 'امۃ السکینہ' خلیفہ سید محمد کاظم صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں ۔ سید محمد کاظم صاحب پٹیالے میں جج تھے ۔ مولانا کو صاحب زادی سے بہت تعلق خاطر و محبت تھی ۔ یہی مولانا کے مسودے صاف کرتی تھیں ۔ انھی کے انتقال پر مولانا نے فرمایا تھا کہ : ''تصنیف و تالیف کا قلمدان اُلٹ گیا۔''

۴۷

بنام لالہ دنی چند

عزیز من! بعد از دعا معلوم باد ، سترہ سے چوبیس تک یہاں چھٹی تھی ، میرا ارادہ تھا کہ اس چھٹی کو سفر میں بسر کروں کہ تبدیل آب و ہوا نے مجھے امید سے زیادہ فائدہ کیا ، مگر فقط تمھارے انتظار میں اکیس دن یہاں گزار کر پٹیالے روانہ ہوا ، اور شب بست و پنجم کی صبح پانچ بجے گھر پہنچا ؛ معلوم ہوا کہ تم یہاں نہیں آئے ، شکر خدا کیا ۔ اب ہمت کرکے کسی موقع پر یہاں آ جاؤ تو بہتر ہے ۔ نواب سے بھی ملا اور تمھاری عرضی بہ درخواست منصفی کے گزرانے کی اطلاع دی ۔ وعدہ تو کیاہے کہ ہم بھی کوشش کریں گے ، آگے خدا کے اختیار ہے ۔

میں نے پٹیالے میں مدت قیام مولوی سید شریف الحسن خان صاحب[1] کی خدمت میں کہ حسب معمول سید محمد کاظم صاحب[2] کے ہاں تھے ، بسر کی ۔ ابھی تک تمھاری عرضی کا کوئی جواب نہیں پہنچا ، تم خود دیکھ کر آؤ ۔ جناب ڈپٹی صاحب یعنی سید غلام حسین صاحب کو میری طرف سے تسلیم کہنا ۔

آج میں خط روانہ کرنا بھول گیا تھا ، مگر خوب ہوا کہ تمھارا خط بھی آ گیا ۔ کوئی بات اور لکھنے کے قابل نہیں ۔ جو کچھ کرنا چاہیے تھا سو میں کر چکا ، آگے خدا کے اختیار ہے ۔ تم خدا[3] سے پوچھ کر چلے آؤ ۔

۲۵ جنوری ۱۸۷۶ع

---

۱ ۔ ارسطو جاہ کے فرزند ۔
۲ ۔ مولانا آزاد کے داماد ۔
۳ ۔ استخارہ دکھوا کر چلے آؤ ۔

۴۸

بنام لالہ دنی چند

عالی جناب من! تسلیم -

آپ کی عرضی نہ کرم الٰہی نے پیش کی نہ میں نے، نہ کچھ فائدہ اُن کی تاکید میں دیکھا؛ کیوں کہ انھوں نے کہا کہ یہ صاحب کچھ کرتے نہیں، نہ کسی قابل ہیں - البتہ ڈاکٹر لائٹنر صاحب ۹- (نو) مارچ کو آنے والے ہیں، اس وقت ان شاء اللہ ضرور کچھ نہ کچھ صورت معقول ہوگی - نواب صاحب کا یہ حال ہے کہ پندرہ کو علاقے [1] پر چلے گئے؛ جب سے نہ آئے ہیں نہ ابھی آنے کی خبر ہے؛ ان شاء اللہ جس وقت آئے اسی دن ان کی گردن پر چڑھ بیٹھوں گا - اگر تم انھیں ایک عرضی لکھ بھیجو تو اور بھی اچھا ہے - میر امداد علی صاحب [2] کی غزلوں میں مولویوں [3] کے انتخاب کی کچھ ضرورت نہیں - ایک تو سر دیوان کی غزل اور چند غزلیں اس کے بعد کی لو کہ وہ میری دوبارہ بھی دیکھی ہوئی ہیں؛ باقی اور غزلیں ایک نظر کی اصلاح دی ہوئی ہیں -

---

۱ - نوابین قزلباش کی آباد کی ہوئی ایک بستی علی رضا آباد جو لاہور سے بارہ چودہ میل کے فاصلے پر ہے - یہ تاریخی نام ہے جو مولانا نے تجویز کیا تھا - اس کا مسودہ میرے پاس موجود ہے۔ (محمد باقر)

۲ - میر صاحب کے حالات مجھے معلوم نہ ہو سکے - ان کے دیوان کا مسودہ مولانا آزاد کے کاغذات میں موجود ہے جو انھیں اصلاح کے لیے بھیجا گیا تھا - اس پر جا بہ جا مولانا نے کچھ اصلاحیں بھی دی ہیں -

۳ - مولوی شریف حسن صاحب اور مولوی شریف حسین صاحب کے انتخاب کی ضرورت نہیں -

بسنت سنگھ[1] اور برجو مل کے لیے آج جا کر پختہ گفتگو کرتا ہوں اور پھر آپ کو لکھتا ہوں ۔
کسی قطعۂ زمین وغیرہ کی تجویز ابھی تک آپ نے نہیں فرمائی ، اس کا خیال ضرور رکھیے گا ۔
لو صاحب! میں پنڈت جوالا ناتھ صاحب سے پھر مل آیا اور ان سے دونوں کی منظوری کروالی ۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ پہلے ایک کو بھیجو؛ جب پندرہ بیس دن میں اس کے پاؤں جم جائیں تو دوسرے کو بھیجو ۔ اور یہ تم کو اختیار ہے کہ جس کو چاہو پہلے بھیجو ۔ اور اتنی بات اور بھی دیکھ لیجیے گا کہ وہ شخص نیک طبع ہو ۔ نیک طبع کیا ؟ اس سے یہ مطلب نہیں — اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم مولوی ، متقی ، پرہیزگار ہو ؛ پناہ بخدا ! ایسے سے تو میں بڑا ڈرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ ضرور دغا دے گا ۔ آپ نے مجھے دیکھ لیا کہ ہنستا ہوں ، ہر طرح تمسخر کرتا ہوں ، مگر وہ خوشی اتنی ہی ہے ،اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہتی ۔ بس وہ بھی اس قدر شگفتہ مزاج ہو تو ہرگز عیب نہیں ۔ یہ اس واسطے میں نے لکھا کہ مکان[2] گھر کے پاس ہے ، اور جب میرے پاس ہو گا تو اتفاق سے کبھی کبھی دروازے پر بھی آنا جانا رہا کرے گا ۔ اس لحاظ سے جسے آپ مناسب سمجھیں اسے پہلے بھیجیں ۔

---

۱ ۔ یہ جگراؤں کے دو طالب علم ہیں جنھیں تحصیل علم کے لیے لالہ دنی چند لاہور بھیجنا چاہتے ہیں اور مولانا ان کے لیے وظیفہ مقرر کرانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

۲ ۔ اس سے مراد وہ مکان ہے جو مولانا خاص طور پر طلبا کے لیے اپنے گھر کے قریب کرائے پر لے لیا کرتے تھے ۔ وہ رہتے اس مکان میں تھے اور کھانے پینے کا بندوبست ادھر آدھر کر لیتے تھے ۔

میر صاحب[1] کو تسلیم کہیے گا - ابرو اور خلیفہ محمد اکبر آپ کو آداب کہتے ہیں ، اور میرے گھر میں سب تمھارے لیے دعا کرتے ہیں -

محمد حسین عفی عنہ

۲۷ فروری ۱۸۷۶ع

۴۹

بنام لالہ دنی چند

میاں میرے! تم تدبیروں کے رستم ہو ؛ جو کوئی نہیں کرتا سو تم کر گزرتے ہو - قسمت تمھاری کچھ زبردست ہے ، کچھ کمزور ہے - تدبیر آدھی تو پوری پڑتی ہے آدھی ادھوری رہ جاتی ہے -

پرسوں کا ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب[2] نے آپ کی عرضی میرے پاس بھیج دی ؛ میں دیکھ کر حیران ہوا ؛ چپراسی سے پوچھا ، یہ کیا ؟ کہا کہ صاحب نے لفافہ کھول کر اسے دیکھا اور کہا کہ مولوی صاحب کو دو اور پوچھو کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ خیر میں سمجھ گیا اور کاغذ لے کر رکھ لیا ، اور جب گھنٹہ بجا اور جماعت ادھر میرے پاس سے ، اُدھر ان کے پاس سے اٹھی تو میں وہ عرضی لے کر گیا اور سارا حال بیان کیا - ان کا اپنا یہ حال کہ انھیں اب تک خود رجسٹراری کا چارج نہیں ملا اور بات منجھیلے میں پڑ رہی ہے - برک صاحب کا جی نہیں چاہتا کہ کام چھوڑے - اس کے حامی ڈپٹی کمشنر ،

---

۱ - میر مقرب علی صاحب -
۲ - ڈاکٹر لائٹنر پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور -

کمشنر اور ججان چیف کورٹ ہیں ۔ اور انھوں نے پہلے سے یہ بندوبست کر رکھا تھا کہ اس سال کے کلنڈر میں یہ بات قانون کر دی تھی کہ تین برس کے بعد حق رجسٹرار کا کچھ نہیں رہتا ۔ اب ڈاکٹر صاحب کا کچھ حق نہیں ۔ ہاں ! اگر مقدمہ خاص سمجھ کر اور اصل یونیورسٹی کے مقدمے اور اس کی بنیاد پر نظر کرکے انھیں پھر کر دیں تو کر دیں ۔ اس کا یہ حال ہے کہ صاحب لوگ سب ان کے برخلاف ہیں ، حقوق جتائے کون ؟ مگر یہ کہ کوئی بھی میری تعریف نہ کرے تو میں آپ ہی اپنی تعریف کرنے لگوں ۔

مجھے کوئی ساعت نہ تھی کہ تمھارے معاملے کا خیال نہ ہو ، چناں چہ کرم الٰہی[1] سے کئی دفعہ ذکر کیا[2] اور ڈاکٹر صاحب کے آنے پر بھی دو دفعہ ملا اور یہ قرار پایا کہ جب انھیں چارج مل جائے گا جب ہی اختیار ساعت کا ہوگا ۔ پس اس وقت پہلی پیشی میں تم ان کی عرضی کو پیش کرنا اور سب حال زبانی کہہ دینا ۔ اگر وہ مجھ سے کچھ پوچھیں گے تو میں بھی جو خدا کہلوائے گا کہہ دوں گا ۔ مگر تم نے وہ چھاپہ مارا کہ ہمارے بندوبست کچھ بھی کام نہ آئے ۔ غرض کہ تمھاری عرضی مع نقول اسناد سب حال سن کر صاحب نے اپنے پاس رکھ لی اور کہا کہ اب کمیٹی میں بہ حیثیت ممبری جاؤں گا اور اسے پیش کروں گا ۔ آج کمیٹی ہے اور پھر کوشش ہے ۔ سینیٹ کے

---

۱ ۔ منشی کرم الٰہی صاحب انجمن پنجاب میں سررشتہ دار تھے ۔ مولانا کے مری (اسپیشل ڈیوٹی پر) جانے کے بعد کرم الٰہی صاحب اخلاق پر مسلسل لکچر دیا کرتے تھے ۔ یہ لکچر عام طور پر اخلاق جلالی سے مربوط تھے ۔

۲ ۔ متن ''ذکر آ گیا''۔

بعد کچھ حال معلوم ہوگا ، منگل کو ۔

میرا حال یہ ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب آئے تو میں ان سے کالج ہی میں ملا ؛ استقبال کو اسٹیشن پر نہیں گیا ، دوسرے دن گھر پر ہی جا کر مل آیا ۔ اس دن سے پھر گھر پر نہیں گیا ؛ اور طریقہ یہی رکھا ہے کہ گھر پر بے بلائے نہ جانا اور زیادہ اختلاط نہ بڑھانا ۔ ابھی تک تو وہ بھی سیدھے سیدھے چلے جاتے ہیں ، میں بھی چلا جاتا ہوں ، آگے کا خدا مالک ہے ۔ اب آپ بدھ کے دن تک میرے خط کا انتظار کیجیے ۔

مجھے ان دنوں میں بواسیر کا خون بہت آتا ہے ؛ کوئی نسخہ ہو تو دیجیے ۔ سید[1] نے ایک چھلا یہاں دیا تھا وہ تو مفید ہوا تھا ، مگر جاتے ہوئے وہ لیتا گیا اور کہتا تھا کہ گھر سے جا کر بھیجوں گا؛ وہ بھیجا تو بے اثر ثابت ہوا ۔ معلوم ہوا کہ بے تکمیل تعمیل اثر اڑ جاتا ہے ۔ عجیب کارخانے ہیں کوتاہ اندیش بزرگواروں کے! اگرچہ اس خط کا بھیجنا فضول ہے ، مگر تمھاری تشفی اور رفع (تردد) کے لیے لکھ بھیجا ۔

پانچ بجے صبح ہوتے لکھا ہے ، نظر ثانی کی نہیں ، خدا جانے کیا لکھا گیا ہے ۔ ابرو اور خلیفہ[2] آپ کو آداب کہتے ہیں ۔

محمد حسین عفی عنہ

۲ - اپریل ۱۸۷۶ع

---

۱ - سید مقرب علی صاحب نے چھلا" دیا تھا ، چناں چہ ۱۷ - مئی اور ۲۵ جون کے خط میں پھر تفصیل لکھی ہے ۔

۲ - مولانا نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کا نام خلیفہ محمد اکبر رکھا تھا ۔ ان کا بھی بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا ۔ مولانا کے دادا محمد اکبر کو لوگ خلیفہ صاحب کہا کرتے تھے ، اسی رعایت سے انہیں خلیفہ لکھا ہے ۔

۵۰

بنام لالہ دنی چند

لو صاحب! آج تک انتظار میں خط لکھا ہوا رکھ چھوڑا کہ جواب با صواب ملے ، مگر مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹرصاحب خود ابھی تک رجسٹراری سے محروم ہیں ؛ اپنے لیے کوشش کر رہے ہیں اور کارگر نہیں ۔ انھوں نے عرضی آپ کی کرم الٰہی کو بند کر کے دے دی کہ اسے کمیٹی میں پیش کردو ۔ اس نے حال بیان کیا ، فرمایا کہ پھر میں کیا کروں ؛ میں تو رجسٹرار نہیں ۔ کرم الٰہی نے مجھ سے بیان کیا ، میں نے کہا کہ خوب کیا تم نے کمیٹی میں پیش نہ کی ۔ خدا جانے وہاں سے کچھ الٹا سلٹا حکم ہو جاتا تو اور مشکل ہو جاتی ۔

آج یہ خط روانہ کرتا ہوں ۔

۱۰ اپریل ۱۸۷۶ع[1]

۵۱

بنام لالہ دنی چند

صاحب ! کیا کہوں ، پتھر کی چھاتی اور لوہے کا کلیجا کر لو تو جب میرے خط کو پڑھو اور مجھ سے خط و کتابت کرو ۔ خلیفہ جی جب پونے تین مہینے کے ہوئے تو انھیں بھی ملا[2] صاحب کے پہلو میں جا کر سلا آیا :

---

۱ ۔ متن میں تاریخ ۱۱ لکھی ہے ، صحیح ۱۰ ہے ۔

۲ ۔ یعنی ملا محمد باقر کی طرح اس کم سن فرزند محمد اکبر نے بھی انتقال کیا ۔ گویا محمد اکبر کی ولادت فروری میں ہوئی ۔

رضا بداده بده و از جبیں گره بکشا
کہ بر من و تو در اختیار نکشودند

ڈاکٹر صاحب رجسٹرار کمیٹی کارکن میں منظور ہو گئے ، مگر سینٹ میں ہونے سے باقی ہیں ؛ اس لیے ابھی کام نہیں کرتے ۔ خیر ، انتظار ہی کے لیے ہم لوگ پیدا ہوئے ہیں ۔گرو[1] کے معاملے کے لیے استخارہ دیکھا تھا ، منع آیا ۔

مولوی مقرب علی تیس روپے مہینے کے پٹیالے میں نوکر ہو گئے ؛ وہاں بیٹھے رہیں گے اور اپنے اخبار[2] کے مسودے لکھا کریں گے ۔ ہزار ہزار شکر ہے ۔ اس زمانے میں اتنا کسی کو کہاں نصیب ہے ۔ باقی اور نہیں جانتا کہ کیا لکھوں ۔

ڈائرکٹر صاحب یہاں سے اتوار کو یعنی پہلی مئی کو روانہ ہوں گے ؛ یقین ہے کہ پیر کو دس بجے لدھیانے سے گزریں گے ۔ پیرسن[3] کام کریں گے ۔ کالج میں ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں اس لیے کہیں میرا آنا جانا نہیں ہوسکتا ۔ آگے جو کچھ مشیت اللہ ۔

محمد حسین عفی عنہ

۲۷ اپریل ۱۸۷۶ع

---

۱ ۔ مولانا کوئی مکان اپنے لیے گروی لینا چاہتے تھے ، اس کے لیے استخارہ کیا اور وہ منع آیا ہے ۔ (محمد باقر)

۲ ۔ مولوی مقرب علی صاحب کا عربی رسالہ 'النفع العظیم' ۔

۳ ۔ پیرسن (Pearson) انسپکٹر آف سکولز تھے ۔ مولانا نے ان کی زیر نگرانی 'قصص ہند' مرتب کی تھی اور اسی سلسلے میں کچھ عرصہ راولپنڈی اورکوہ مری میں ان کے زیر نگرانی کام کیا تھا ۔ (دیکھیے : اسلم فرخی کی کتاب 'محمد حسین آزاد' جلد اول)

۵۲

بنام لالہ ڈنی چند

عزیز من!

بعد از دعاہاے (فراواں) معلوم باد کہ یہاں کے جو حالات ہیں ، وہ ایسی پیچیدہ داستانیں ہیں کہ اگر شرح کشاف کو لفافہ کر کے بھیج دوں تو بھی سمجھ میں نہ آئیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے معرکوں سے رجسٹراری لی ، مگر خیال کرو کہ جب ان لوگوں کو ناراض کر کے رجسٹرار ہوئے تو ان کی سفارش کب سنتے ہیں ۔ بہر حال کل نواب صاحب کے ہاں گیا تھا ، وہیں صاحب کے سبب باتیں ہوئیں ؛ حاجی صاحب نے تمھارا خط بھی انھیں دیا ؛ بعد بہت سی قیل و قال کے یہ صلاح ٹھہری کہ اب کی دفعہ جو نواب صاحب آئیں تو دونوں بھائی رجسٹرار چیف کورٹ کے پاس جائیں اور خود ان سے سفارش کریں ۔ اور حقیقت میں اس سے بہتر کوئی رستہ نہیں ۔ چناں چہ اب کی دفعہ جو وہ آئے تو خیال رکھوں گا اور یاد دلاؤں گا ؛ لیکن تمھاری تکلیف کرنے کی کچھ حاجت نہیں ۔

مجھے بواسیر سے خون اکثر آتا ہے ؛ چھلّا اگر ہو سکے تو مجھے بنوا دو اور ضرور بنوا دو ۔ ملا مقرب نے پان سو روپے بھر کا احسان رکھ کر ایک دیا مگر معلوم ہوا کہ وہ مغشوش[1] ہے ۔ یہ کام فقیری کا ہے ، تم جیسے شاہ لوگوں سے ہوتا ہے نہ کہ شاہ لوگوں سے ۔ جو کچھ لاگت ہوگی وہ میں دوں گا ۔ اگر کہیے تو پیشگی بھجوا دوں ؟

محمد حسین عفی عنہ

۱۷ مئی ۱۸۷۶ع

---

۱ ۔ اس میں آمیزش ہے یعنی کھوٹا ہے ۔

۵۳

بنام لاله دنی چند

عزیز من!

جو کچھ تم کہو سچ ہے ، کیوں کہ حق بہ جانب تمہارے ہے ۔ مگر میں کیا کروں کہ یہاں جو جو مسلک تدبیر کے ہیں وہ سب طے کیے اور کرتا ہوں اور کوئی رہبر رستہ نہیں ملتا ۔ ٹھہرے کہ ڈاکٹر صاحب منصفی[1] کے لیے رپورٹ کریں ۔ انھیں دریافت کرنا واجب ہوا کہ کس طریقے پر کس کو کریں ۔ معلوم ہوا کہ فنانشل کمشنر کے ہاں سے اس کے قواعد کا سرکار جاری ہوا ہے ۔ وہ سرکار انگریزی میں تھا ؛ انھیں دیا ، وہ کھو بیٹھے ہیں ۔ اگرچہ انھیں اپنے حال زار پر نامہربان نہیں پاتا ، مگر بہت جاتے ہوئے ڈرتا ہوں ؛ یا وہ بلائیں یا کوئی خاص ضرورت ہو ، جب ہی جاتا ہوں ۔ بہر کیف مجھے اپنے فکر سے خالی نہ جانو ۔

چھلے[2] کی ضرورت یہ ہے کہ ملا مقرب نے ایک چھلاّ بھیجا مگر وہ ایسا ہے کہ کوئی دو تولے چاندی ایک سانپ کے منہ میں ٹھونسی ، اس سے آٹھ دس چھلے بنوا لیے ۔ بھلا اس میں اثر کجا ، اور جو ہو بھی تو مجھے اعتقاد کیا ۔ میرا ایسا کون ہے جو میرے لیے بہ شرائط خود پیش نظر بنوائے اور مجھ سے خود اتنی درد سری نہیں ہوتی ۔ تم اگر چھلا بنواؤ اور اپنے اوپر محنت گوارا کرو تو سب شرائط کو ہی (؟) پورا کرو ، کیوں کہ محنت کرنی اور ادھورا رکھنا کیا ضرور ؟

---

۱ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لالہ دنی چند نے تحصیل داری کا امتحان پاس کرنے کے بعد منصفی کا امتحان پاس کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔

۲ ۔ بواسیر کے علاج کا چھلا ۔

میر صاحب قبلہ نے جو کچھ روپے کے باب میں فرمایا ، عین مناسب ہے ، مگر مجھے سخت مشکل ہے ۔ اول تو یہ کہ ایسے گروہ کا شبہ نہیں جاتا ۔ دوسرے یہ لوگ خدا جانے مجھے کیا سمجھتے ہیں ۔ اگر ایسا سنیں گے تو پیاز خورا[1] 'پیاز خورا' کرکے زندگی دشوار کردیں گے ۔ اس واسطے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کروں یا نہ کروں ۔ اب ستمبر کی چھٹیوں میں اگر خدا نے چاہا تو تم سے ضرور ملوں گا ۔

میر شریف حسین صاحب خوب موقع سے جا بیٹھے ہیں ؛ مانگے جائیں اور لیے جائیں ۔ خلیفہ[2] جی کا ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا ۔

آغا کلید بردار روزے سے بیٹھے ہیں ؛ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ لالہ دنی چند کا خط آیا تھا کہ کام خلیفہ جی کا بن گیا ہے ؛ پس اب تو سید محمد کاظم کو لکھو کہ آغا نے تمھیں تدبیر بتائی تھی کہ نذر مانو ، اب تمھارا کام بن گیا ، وہ ان کا حق یاد رکھنا ۔ میں نے دنیا کے کاروبار کے تعجبات میں اسے بھی داخل کیا اور بہت حیران رہا کہ اللہ کے بندے کن کن خیالات میں غلطان و پیچاں رہتے ہیں ۔ لالہ دنی چند اور ہمیں ہیں کہ ہر قسم کی تدبیروں میں لہو اپنے خشک کرتے ہیں اور پھر بھی کام کا یہ حال ہے کہ ہزاروں میں ایک دفعہ ہوا ہوا ، نہ ہوا نہ ہوا ۔ ایک یہ لوگ ہیں کہ ان فکروں میں مصروف ہیں اور کن کن رستوں سے کاربرآری چاہتے ہیں ۔

---

۱ - یعنی سود خورا ۔

۲ - خلیفہ سید محمد کاظم مراد ہیں جو مولانا کے داماد تھے اور پٹیالے میں جج تھے ۔

اللهُ مَعَنا وَ مَعَکُم اَینَما کُنَّا وَ کُنتُم

محمد حسین عفی عنہ

۲۵ جون ۱۸۷۶ء

۵۴

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

ایزد تعالیٰ بہ ترقیات نشأتین فائز گرداند!

میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کہ اب تک کچھ نہیں کرسکا ۔ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب[1] کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے ۔ میں نے ان سے دو دفعہ کہا مگر موقع درست نہیں بیٹھا ؛ غالباً معافی سماعت لکچر کے لیے رپورٹ کر دیں ۔ لیکن پھر حیران ہوں کہ کیوں کر وعدہ کرتا ہوں ۔ چار دن ہوئے نواب صاحب[2] مع ناصر علی خاں صاحب ڈپٹی ہادی حسین خاں صاحب[3] کے بیٹے کو اسی غرض سے لے کر گئے، ڈاکٹر صاحب نے صاف انکار کیا ۔ خیر جو کچھ کرے سو خدا ، کل پرسوں تک کھل جائے گا ۔

---

۱ ۔ ڈاکٹر لائٹنر مراد ہیں ۔ لالہ دنی چند وکالت کا امتحان پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے دینا چاہتے تھے ۔ ان کی خواہش تھی کہ انھیں کالج میں داخل کر لیا جائے لیکن حاضری معاف کر دی جائے تاکہ وہ جگراؤں سے ملازمت ترک کرکے لاہور نہ آئیں ۔

۲ ۔ نواب سر نوازش علی خاں قزلباش آف لاہور ۔

۳ ۔ ڈپٹی ہادی حسین خاں دہلی کے باشندے تھے ؛ ان دنوں پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے ۔ دلی میں گلی قاسم جان میں ان کی حویلی اب بھی موجود ہے ۔

اب نیا شگوفہ سنیے کہ ڈاکٹر صاحب[1] جو کل ولایت سے مراجعت کرکے لاہور پہنچے ہیں ، میں آج مدرسے سے اٹھ کر ان سے ملنے گیا کہ اگر وہ ابھی کام شروع نہ کریں تو میں اپنی سیاحی کے فرض ادا کروں[2] ۔ انھوں نے ابھی روکا ، میں حیران ہوا ، کیوں کہ ارادہ تھا کہ اول مقام لدھیانہ کرکے دوسرا مقام دہری[3] میں ہوگا ۔ مگر اب دیکھیے کب یہاں سے موقع لگتا ہے ۔ وہاں سے یہی مسودے گانٹھتا چلا آتا تھا ، گھر آیا تو دیکھتا ہوں ، بالا خانے کی کھڑکی میں ایک خالصہ جی بیٹھے ہیں ۔ گھوڑے پر چڑھے چڑھے پوچھا تو معلوم ہوا کہ بسنت سنگھ جی[4] ہیں ۔ بہت خوش ہوا ۔ مگر یہ عقدہ ہوا کہ پرسوں یونیورسٹی بند ہوگی ۔ اگر یہ دن نہ ہوتے تو وہاں داخل کر کے وظیفے کا

---

۱ ۔ ڈاکٹر لائٹنر لاہور سے رخصت ہوئے تو مولانا نے الوداعی سپاسنامہ بڑے پر درد انداز میں تحریر فرمایا جو مقالات آزاد اور رسالہ انجمن پنجاب میں شایع ہوا ہے ۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب واپس آئے تو مولانا نے استقبالیہ تو لکھا مگر بہت مختصر اور بجھے ہوئے دل سے ۔ وہ بھی خود مولانا نے نہیں پڑھا بلکہ کسی اور سے پڑھوا دیا ۔ یہ بات جہاں مولانا کے دکھ اور بےالتفاتی کی غمازی کرتی ہے وہاں ڈاکٹر لائٹنر کے لیے باعث تکلیف بھی تھی ۔

۲ ۔ یعنی حسب دستور علمی سفر پر نکلوں ۔

۳ ۔ دھوری سابق ریاست پٹیالہ کا ایک مقام ہے ۔ (آغا محمد طاہر)

۴ ۔ بسنت سنگھ اور مہتاب سنگھ کو لالہ دنی چند نے اعلیٰ تعلیم کے لیے مولانا کے پاس لاہور بھیجا تھا ۔ مولانا نے انھیں اپنے مہمان خانے میں جگہ دی اور اورینٹل کالج میں داخل کرا دیا ؛ اس کے ساتھ وظیفے کا بھی انتظام کیا ۔ اس وقت مولانا گھوڑے پر سوار تھے اور کالج سے گھر آرہے تھے ۔

بندوبست کرتا ، غالباً ہو بھی جاتا ؛ کل وہاں بھی حکم چھٹی کا لکھاجائے گا ۔ ڈاکٹر صاحب کا بے کو وظیفہ مقرر کریں گے اور یوں ہی مفت دو مہینے ضائع کریں گے ۔ اس سے ایک خطرہ اور پیدا ہوا کہ بسنت سنگھ کہتے ہیں کہ مہتاب سنگھ بھی وہاں سے روانہ ہونے والے ہیں ؛ خرچ کے بندوبست میں اٹک گئے ورنہ ساتھ ہی آتے ۔ پس جس قدر ممکن ہو آنھیں آپ روکیے کہ دو مہینے تک ادھر کا ارادہ نہ کریں کیوں کہ یونی‌ورسٹی سے وظیفہ نہیں مل سکے گا ، مدرسہ بند ہے اورگورنمنٹ اسکول پندرہ روز بند رہے گا ۔ میں نے بسنت سنگھ کی بہت دل‌داری کی ہے کہ یہ بے چارہ اس شوق سے آیا ، ایسا نہ ہو کہ اس حالت کو دیکھ کر دل شکستہ ہو جائے ۔ مسافر کا دل بہت نازک ہوتا ہے ۔ یہ بہت مفلس معلوم ہوتا ہے ، خرچ کچھ نہیں لایا ، پیارا آیا ہے ۔ مگر میں نے اس کی خاطر جمع کر دی ہے ۔ اللہ مالک ہے ، اس کے قدم کی برکت سے وسعت دے گا ۔ میں ان شاء اللہ آپ سے ضرور ملوں گا ، پہلے خط اطلاعی پہنچے گا ۔ دیکھیے ڈاکٹر صاحب سے کب رخصت حاصل ہوتی ہے ؛ کم سے کم ایک ہفتہ تو ہوگا ۔

محمد حسین عفی عنہ

۲۷ جولائی ۱۸۷۶ع

بعد چار بجے کے

۵۵

بنام لالہ دنی چند

عزیز من! حصل اللہ اسالکم[1] -

بعد از دعا ہائے (فراوان) معلوم باد ، دو مہینے کی چھٹیاں ہیں ؛ ڈاکٹر صاحب ڈلہوزی چلے گئے ؛ میرا کہنا پورا پورا کارگر نہ ہوا - ڈپٹی صاحب[2] ، نواب صاحب متوجہ نہ ہوئے ، میں تم سے شرمندہ و شرمسار رہا -

میرا ارادہ تھا کہ لکھنؤ جاؤں ؛ ڈاکٹر صاحب[3] شملے آئے اور مجھے ساتھ لیتے آئے ہیں - یہاں آتے ہی میرے پھنسیاں نکل آئی ہیں کہ چار دن سے اُن کے پاس بھی نہیں گیا اور نہایت مکدر و منقبض اور پریشان خاطر ہوں - اکیلا رہ کر خدا معلوم کہ تمھارا کیا حال ہوتا ہوگا - خیر اسی خط کو دیکھ کر صحت کا شکریہ ادا کرو اور اسی حالت کو غنیمت سمجھو -

---

۱ - اللہ تمھاری تمنائیں پوری کرے !

۲ - ڈپٹی صاحب سے مراد غالباً محمد حیات خاں صاحب ہیں جو ان دنوں لاہور میں ڈپٹی تھے - جب ان کی لاہور سے تبدیلی ہوئی تو مولانا نے انجمن کی طرف سے ایک شان‌دار سپاس‌نامہ ان کی خدمت میں پیش کیا تھا - وہ تاریخ افغانان کے مصنف تھے اور مولانا سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے - انھوں نے ۱۸۵۷ع کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی گراں قدر خدمات انجام دی تھیں - دہلی کے محاصرے میں جب ولسن زخمی ہوا تو اسے خان صاحب ہی اُٹھا کر لائے تھے - سر سکندر حیات خاں ان کے نامور فرزند تھے -

۳ - تصنیف و تالیف کے سلسلے میں مولانا شملے گئے تھے ؛ وہ جو کچھ لکھتے تھے ، ڈاکٹر لائٹنر کو سنایا کرتے تھے -

بسنت سنگھ گھر پر ہے ؛ اسے ہندو بھٹیارہ بتا آیا ہوں اور ہر طرح خاطر جمع کر آیا ہوں ؛ تم بھی خاطر جمع رکھنا ۔ پرسوں خط آیا تھا ، معلوم ہوا کہ ہمیر سنگھ مدرسۂ صنعت گری میں داخل ہو کر بڑھئی کا کام سیکھنے لگا ہے ۔ بسنت سنگھ میاں ابرو سے فارسی میں 'سکندر نامہ' اور انگریزی میں پہلی کتاب پڑھتے ہیں ، علی نقی[1] تصحیح کر دیتے ہیں اور ابرو کو وہ حساب دوبارہ نکلواتے ہیں ۔

مجھے تو جو لکھنا تھا ، سو لکھ چکا ، اب آپ فرمائیں ، کیا کہتے ہیں ؟ خلیفہ صاحب کی کوششیں ناکام رہیں ، آپ اس معاملے میں کیا سنتے ہیں ؟ میرے یہاں آنے کی ،کہیں جانے کی تمھیں خبر تھی یا نہیں ؟ اور حضرات بھی یہی جانتے تھے ، لکھنؤ جاؤں گا ، مگر یہ سفر اتفاق پیش آ گیا ؛ اب کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں سے کہاں جاؤں گا ۔ خلیفہ صاحب کا بھی خط آیا تھا کہ اترتے ہوئے کیا آؤ گے ؟ یہی جواب انھیں لکھا ، کیوں کہ دلی جانا ضروری ہے ۔

منتظر جواب.
محمد حسین عفی عنہ

۲۳ ۔ اگست ۱۸۷٦ع

میرا پتا یہ ہے : شملہ ، بر مکان سردار گوردت سنگھ صاحب
نائب میر منشی محکمۂ تعلیم گورنمنٹ پنجاب
پاس مولوی محمد حسین کے پہنچے ۔

---

۱ ۔ مولوی علی نقی صاحب سے مولانا کی ہمشیرہ بیاہی ہوئی تھیں ۔ وہ پانی پت کے انصاری تھے اور لاہور کے کسی مدرسے میں عربی ، فارسی ، اردو وغیرہ پڑھاتے تھے ۔

٥٦

بنام لالہ دنی چند

اجی آؤ صاحب! آپ نے تو بڑی راہ دکھائی ؛ میں نے تو جانا روٹھ گئے ، اب دیکھیے کیوں کر منیں گے ۔ بارے الحمدللہ کہ آج سات کو خط آیا ، سب حال معلوم ہوا ۔ اتفاق یہ کہ میں آج یہاں سے روانہ ہونے والا تھا ، مگر سردار گوردت سنگھ[1] نے کہا کہ آج ہمارا کام ختم ہوجائے گا ، کل ہم چلیں گے ۔ میں نے کہا کہ ایسا ساتھ کہاں ملتا ہے ، اس لیے توقف کیا ۔ ان‌شاءاللہ کل جمعے کو علی‌الصباح ٹانگے[2] پر سوار ہو کر روانہ ہوں گے اور رات کے آٹھ نو بجے تک انبالے جا پہنچیں گے ۔ یہ بات اس وقت صلاح پر منحصر ہے کہ چھ گھنٹے آرام لے کر صبح ہوتے جو ریل آئے اس میں سوار ہو جائیں تاکہ رات بھر اور دن بھر آرام کریں اور ایسی ریل میں سوار ہوں کہ رات کے آٹھ بجے تمھارے پاس آن پہنچیں ۔ پہلی صورت میں آپ کو ہفتے کے دن چھٹی لے کر ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا ۔ دوسری صورت میں قدرتی اتوار ہوگا ، چھٹی کی حاجت نہیں ۔ مگر آپ کو مجھ سے ملنا ضرور چاہیے ۔

مجھے اس وقت صاحب نے رخصت فرمایا ، ڈھائی بجے ہیں مگر مینہ برس رہا ہے ۔ خدا جانے فرودگاہ پر کب پہنچوں ۔

---

۱ ۔ سردار گوردت سنگھ محکمۂ تعلیم کے میر منشی تھے ۔

۲ ۔ اس وقت یہ سفر تانگوں میں کیا جاتا تھا ۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گھوڑے تبدیل کر لیے جاتے تھے ۔ شملے سے انبالے تک کا سفر تانگے کا تھا ، اس کے بعد ریل مل جاتی تھی ۔ انبالے سے شملے کا فاصلہ قریباً سو میل ہے ۔

میں نے کہا کہ لاؤ یہاں بیٹھے بیٹھے خط ہی لکھ دوں ۔ کاغذ اس وقت یہاں یہی ہاتھ آیا اسی پر میں نے لکھ دیا ۔ اور صاحب پٹیالے کی مجھے بالکل خبر نہیں پہنچتی، آپ جو کچھ سنا کریں مجھے ضرور لکھا کریں ۔ خط میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا جواب ملاقات پر منحصر ہے ۔ ان شاء اللہ لدھیانے میں بیٹھ کر باتیں ہوں گی ۔ میں جب ہی سے روانگی کو تیار بیٹھا ہوں ، مگر بھائی گوردت سنگھ کی روانگی کے انتظار میں بیٹھا ہوں ۔ ان شاء اللہ ہفتے کی شام کو ہم انبالے کے اسٹیشن پر ہوں گے ؛ اب تم یہ خود سمجھ لو کہ کھنہ پر کب پہنچیں گے ۔

یکم کا لکھا گھر سے خط آیا تھا ۔ ابرو[1] کو پانچ چھ دن سے بخار آتا ہے اس لیے دل اُدھر لگا ہوا ہے ۔ بس لدھیانے میں ٹھہرنے کو جی نہیں چاہتا اس لیے اسٹیشن پر ملنا کافی ہے ۔ ان شاء اللہ خط میں سب باتیں ہوجائیں گی ۔ تمھارا خط میں نے رکھ چھوڑا ، ڈاکٹر لائٹنر صاحب جب پہاڑ[2] سے لوٹیں گے اور ان سے باتیں چیتیں ہوں گی تو جو کچھ بن پڑے گا کیا جاوے گا ؛ تم خاطر جمع رکھو ، مجھے غافل نہ سمجھو ؛ مگر کیا کروں جہاں کچھ نہیں ہو سکتا وہاں مجبوری ہوتی ہے ۔

آج جمعے کا دن ہے ، آج ایک دو بجے ہم یہاں سے چلیں گے ، غالباً ہفتے کو قبل از شام انبالہ اسٹیشن پر ہوں گے ؛ اب آپ سمجھ لیں کہ آپ کو کس وقت کھنہ اسٹیشن پر آنا چاہیے ۔ اگر تکلیف نہ ہو تو آ جائیے گا ۔

محمد حسین عفی عنہ

از شملہ (جمعہ ؟ اگست ۱۸۷۶ع[3])

---

۱ ۔ مولانا کے اہل و عیال ان دنوں دلی میں مقیم تھے ۔

۲ ۔ شملہ مراد ہے ۔

۳ ۔ ایک تخمینی انداز ہے ، متن میں تاریخ نہیں ہے ۔

۵۷

بنام لالہ دنی چند

صاحب من! مجھے پیچھے خیال آیا کہ جو خط میں نے بھیجا تھا اس کی اطلاع دھی سے میں تمھیں اسٹیشن پر نہیں بلا سکتا تھا ۔ خیر تمھارے خط کے میرے پہلے جواب تو تم تک پہنچ گئے ۔ مگر اسی وقت مجھے اپنی روانگی کا تعہد معلوم ہوا ، جس وقت کہ میں روانہ ہوا ، اور خط جو لکھا ہوا رکھا تھا اسے خود ڈاک میں ڈال دیا ۔ میں ضرور تمھارے پاس ایک دو دن ٹھہرتا مگر بھائی گوردت سنگھ کے ساتھ تھا ، انھوں نے کہا کہ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے ؛ میں بھی شرما گیا اور آن کے ساتھ ساتھ لاہور چلا آیا ۔

الحمدللہ! یہاں سب کو زندہ پایا اور اب سب کے مزاج مائل بہ صحت ہیں ۔ ہمیرا[1] بے چارہ تپ مَیں مبتلا تھا ، اسے جلاب دیا ۔ الحمدللہ کہ آج اس کی دو باریاں ٹل گئیں ۔ یہ دونوں بھائی بڑے غریب ہیں ، اور کیوں نہ ہوں آخر آپ کی تعلیم ہے ۔ میں ان سے بہت شرمندہ ہوں کہ جیسے جی چاہتا ہے ویسی ان کی مدد نہیں کر سکتا ۔ آج اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے کئی خط گھر کو بھیجے ہیں مگر وہاں سے خط نہیں آتا ؛ معلوم ہوتا ہے کہ میرا خط وہاں تک نہیں پہنچتا ۔ آپ منشی دنی چند صاحب کو لکھیے کہ وہ میرے گھر سے خبر منگائیں اور ان سے کہیں کہ جاڑا قریب آیا ہے مجھے سرمائی کپڑے بنانے ہیں اور شروع ماہ پر اب مدرسے میں داخل ہوں گے ،

---

۱ ۔ ہمیرا سنگھ طالب علم ہے جسے لالہ دنی چند نے مولانا کے پاس تحصیل علم کے لیے بھیجا ہے ۔

کتابیں بھی لینی ہیں ؛ اس لیے جس طرح ہو سکے دس روپے ہمیں بھیج دیں ۔ یہ تو ان کا پیغام تھا کہ تمام ہوا ۔

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ نے میرے خط کا جواب کیوں نہیں لکھا ؟ مجھے بڑا خیال ہے اور بڑا تعجب ہے ۔ دیکھتے ہی جواب لکھیے اور دیر کا سبب لکھیے اور پٹیالے کا جو کچھ حال معلوم ہوا ہو ، مفصل لکھیے ۔

ابرو آداب کہتا ہے ۔

چٹھی رساں یہاں آ کر میں نے ایک نیا آدمی پایا ؛ مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ شاید میرے خط گم نہ ہوتے ہوں ۔ جواب جلد لکھیے ۔

فقط

(ستمبر ۱۸۷۶ع[1])

۵۸

بنام لالہ دنی چند

صاحب ! آپ تو دور بیٹھے مجھے احمق بناتے ہیں ؛ اصل بات جو ہے وہ مختصر ہے ۔ اب جھوٹے ڈھکوسلے آپ کے خوش کرنے کو بناؤں ، یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خلیفہ صاحب سے ہوسکے ۔ خط ، چٹھی ، جو ہولکھوا لیجیے آپ کو یہ ارمان نہ رہ جائے ۔ اور :

شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و عنقا گردد

---

۱ ۔ نام و تاریخ ندارد ، لیکن اندازۂ صحیح کی بنا پر یہ خط اگست یا ستمبر ۱۸۷۶ع کا ہے ۔

میر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے تسلیم کہیے گا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ حضور یہاں اجلاس فرما رہے ہیں ۔ آداب قبول ہو ۔ پٹیالے خط لکھو ، جناب سید شریف‌الحسن خان صاحب اور مقرب علی خان صاحب اور جملہ حضراتِ پٹیالہ کو میری طرف سے تسلیم لکھنا اور وہاں کا حال رطب و یابس ہمیشہ لکھتے رہیے گا ۔

آغاے کلید بردار "ہمچو گربہ بر سوراخ موش" بیٹھے تھے ، اپنی کرامات کو ، آپ کو خدا جانے کیا کیا کہہ رہے ہوں گے ۔ ایک اور مجتہد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں ۔ میں تو ان کے ڈر کے مارے نواب کے ہاں بھی شملے سے آ کر نہیں گیا ۔ میرے نزدیک بہ نسبت ان لوگوں کے کہ جہاں جائیں دو وقتہ تر نوالے پلاؤ قورمے کے کھاتے ہیں اور گٹھریاں باندھ باندھ کر نقد و جنس لے جاتے ہیں ، وہ دلی کے تباہی زدہ زیادہ تر استحقاق رکھتے ہیں کہ نہ کوئی انھیں دیتا ہے ، نہ کوئی ان میں سے کسی سے مانگ سکتا ہے اور سینکڑوں فاقے گزرے جاتے ہیں ۔

پیران پارسا را من خوب می شناسم

دونوں لڑکے مزے میں ہیں ۔ حکم ڈپٹی کمشنری اس کی عرضی مع رپورٹ میر صاحب بہ وعدہ پانچ روپیہ وظیفہ کل پہنچ گیا ۔ میر صاحب سے عرض کر دیجیے کہ دو آنے محصول کے آپ غریبوں پر کیوں ڈالا کرتے ہیں؟

اب بسنت سنگھ کے لیے کیا کرنا چاہیے ۔ گورنمنٹ اسکول لاہور میں داخل کر دیں یا یونی ورسٹی میں ؟ اگر وہ یونی ورسٹی پنجاب میں داخل ہوا تو ضلع لودیانہ کا وظیفہ کون دے گا ؟

اس کا جواب جلد لکھیے ۔ کیا کروں ؟ ان کے لیے جزء اول جلد بھجوائیے ۔

ہمیرا کو خدا خدا کرکے صحت ہوئی ؛ یہ بے ڈھب بخار میں الجھا تھا ۔ گھر میں اب صحت ہے ۔ علی نقی کے دو بھتیجے ان کے ساتھ آئے تھے ، وہ بے چارے الجھے ہوئے ہیں ۔ جب ڈاکٹر صاحب آئیں گے تو بعد گفتگو کے اور عمل درآمد ان بدتمیزوں کے ، ممکن ہے جواب لکھوں گا ۔

اب مجھے ضروری کام ہے ، بس معاف فرمائیے گا ۔

فقط

محمد حسین عفی عنہ

۲۶ - ستمبر ۱۸۷۶ع

دونوں لڑکے آپ کے بہت بہت آداب بندگی عرض کرتے ہیں ۔

۵۹

بنام لالہ دنی چند

عزیز من ! زاد اللہ اقبالہ !

بعد از دعاہاے (فراواں) معلوم باد ، مجھے ان دنوں میں ایسا کام درپیش ہے کہ دو تین دن تک ایک نقطہ لگانے کا ہوش نہیں ، مگر یہ امر بھی ضروری ہے ، اس لیے مختصر لکھتا ہوں کہ آج مدرسہ کھلا ہے ، پرسوں ڈاکٹر صاحب آئے تھے ۔ چناں چہ کل بھی میں ان کے پاس گیا اور تمھارے معاملے میں پھر از سرنو گفتگوئیں ہوئیں ؛ بکواس کہاں تک لکھوں ؛ خلاصۂ کلام یہ ٹھہرا کہ : "اچھا وہ مجھے درخواست دیں کہ بے استماع لکچرہاے معمولی کے مجھے اجازت مختارکاری کے امتحان میں بیٹھنے کی

ہو جائے ۔ میں چیف کورٹ کو لکھوں گا اور یہ غالباً منظور ہوگی۔ بعد اس کے وکالت کے لیے دیکھا جائے گا ۔" چناں چہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک درخواست اس مضمون کی لکھ دیجیے کہ :

"جناب عالی! ... سنہ میں فدوی نے امتحانِ داخلہ و امتحانِ فضیلت زبان فارسی مع ریاضی وغیرہ کے دیا اور پاس کیا ۔ فدوی چاہتا ہے کہ امتحان وکالت کا دے ۔ لیکن چوں کہ ضلع لودیانہ میں مدرس مدرسۂ سرکاری ہے ، اس لیے اگر حسب شرائط لکچر ہائے معمولی سے (کے؟) لاہور میں حاضر ہو تو نقصان عظیم روپے کا ہوتا ہے جس کا فدوی متحمل نہیں ہوسکتا ۔ امیدوار ہوں کہ نظر بہ مراتب مذکورۂ بالا اس قدر رعایت فدوی کے حق میں ہو کہ امتحان مختاری میں بیٹھنے کی اجازت سرکار سے مرحمت ہو ۔

واجب تھا عرض کیا

آفتاب دولت زیادہ باد!"

منصفی کے لیے بھی کوشش کروں گا ان شاء اللہ ، خدا کرے کامیاب ہو! بسنت سنگھ کے لیے بھی میں نے کہا اور وہ بھی انھوں نے وعدہ کیا ۔ تم مجھے اس امر سے اطلاع دو کہ اور کوئی ہونہار اور محنتی طالب علم بھی ہے ، جو یہاں آنا چاہتا ہو؟ اور تم بھی اس کے لیے یہاں ہونا چاہتے ہو ؟ تم نے اب تک نہیں لکھا کہ بسنت سنگھ کے لیے پنجاب یونی ورسٹی اچھی ہے یا گورنمنٹ اسکول لاہور میں پڑھنا مناسب ہے ؟ میں نے سر دست موقع دیکھا ، اس لیے لکھ دیا اور سمجھا کہ اگر منشی جی نے گورنمنٹ اسکول کو بہتر سمجھا ہو تو یہاں سے الگ کرکے اُدھر ڈال دیں گے ۔ اب جس قدر جلد ممکن ہو اپنی درخواست بھیجیے۔

میر صاحب قبلہ ، یعنی ڈپٹی صاحب کو تسلیم و اشتیاق قدم‌بوسی ۔ سنا تھا کہ مقرب علی کچھ بیمار ہیں ؟ میرشریف حسین جگراؤں گئے ہیں ؟ جو کچھ حال آدھر کے ہوں ضرور لکھیے ۔

محمد حسین عفی عنہ
۳ اکتوبر ۱۸۷۶ع

۶۰

بنام لالہ دنی چند

صاحب ! خدا جانے تم بے ہوش ہو یا میں لکھنا پڑھنا بھول گیا ؛ شکرگزاریاں تو اتنی ، مطلب کی بات کا پتا بھی نہیں ہے؟ میں نے تین چار دن ہوئے ، ہاں تین کو یہاں سے خط روانہ کیا ؛ اس میں منجملہ اور مضامین کے اصل مطلب یہ تھا کہ صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ مختاری کے امتحان کی اجازت لے لو ، ساعت لکچر ہائے معمولی شاید ہوجائے ، میں سفارش کروں گا ۔ اس صورت میں آپ کو چاہیے کہ درخواست بھیج دیجیے ۔ اب معلوم نہیں کہ یہ خط ہی اب تک نہیں پہنچا ، یا کیا ہوا کہ جوابی خط میں آپ کچھ نہیں لکھتے کہ وہ درخواست صاحب کے نام الگ بھیج دی ہے ، یا بھیجیے گا ؟ بہتر یہ ہے کہ مجھے بھیج دیجیے میں خود پیش کرکے لکھوا دوں گا ؛ آیندہ جو کچھ کرے سو خدا ۔

بسنت سنگھ کے چار روپے وظیفے کا صاحب نے وعدہ کر لیا ہے ۔ خدا چاہے تو ملے گا ۔

مگر آپ درخواست اس مضمون کی بھیجیے کہ :

”میں . . . برس سے سررشتۂ تعلیم پنجاب میں مدرس ہوں اور فی الحال بہ مشاہرہ پینتیس روپے ضلع

لودیانہ میں مدرس اول ہوں ۔ میں نے علوم فارسی
اور بہ قدر ضرورت عربی کی کتابیں تحصیل کیں اور
علوم مروجہ حاصل کرکے فلاں درجے تک سررشتۂ
تعلیم پنجاب میں امتحان دیا ۔ فلاں فلاں درجے پاس
کیے ۔ سنہ فلاں . . . میں امتحان فضیلت فارسی کا
یونی‌ورسٹی پنجاب میں پاس کیا ۔ فدوی چاہتا ہے
کہ امتحان قانون کا دے کر وکالت کی سند حاصل
کرے ۔ مگر حسب شرائط جماعت قانونی کے اگر
سماعت لکچر میں شامل ہو تو مصارف عظیم عائد ہوتے
ہیں کہ میری غربت و حالت اس کی متحمل نہیں
ہوسکتی ۔ علاوہ بریں عہدے سے رخصت نہیں مل
سکتی ۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ بہ نظر حقوق مذکورہ
بالا اس قدر رعایت فدوی کے حال پر کی جائے کہ
سماعت لکچر . . . سے فدوی معاف ہو اور اگر امتحان
وکالت میں ممکن نہ ہو تو امتحان مختاری میں بیٹھنے
کے لیے فدوی کو اجازت ہو جائے ۔

فدوی کی گزشتہ محنتیں اور اس کے امتحانوں کی
کامیابیاں غالباً اطمینان دیں گی کہ جو کچھ میری
نظر سے گزرتا ہے بغیر سمجھے نہیں رہتا ۔

فدوی نے حضور کے امتحان میں سند انٹرنس اور
فضیلت فارسی کی حاصل کی ہے ۔ اور لوگوں نے
معزز عہدے سررشتہ مذکور سے اور اس کی سفارش سے
حاصل کیے ، لیکن فدوی نے سوائے ایک سند کے
اب تک حضور سے کچھ نہیں پایا ۔ فدوی کا حق
حضور پر ہے ، اور حضور کے سوا کوئی وسیلہ بھی

نہیں رکھتا ۔ آیندہ حضور مالک ہیں ۔"

یہ چند کلمے لکھ کر میں نے خامہ ڈال دیا ہے، تم اسے درست کرلینا اور جو باتیں اور بڑھانے کی ہوں وہ بڑھا دینا اور عرضی جلد مجھے لکھ کر بھیج دو ۔

۹ اکتوبر ۱۸۷٦ع[1]

٦۱

بنام نوشاہی

میاں نوشاہی[2] جی!

کوئی میرا خط ہو تو دے دیں ۔

فدوی محمد حسین آزاد عفی عنہ

۴ دسمبر ۱۸۷٦ع

٦۲

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

میرے دل پر یقین ہے کہ تمھارے دل پر کیسے اضطراب گزر رہے ہوں گے ؟ مگر یہ بھی خیال ہے کہ تم

---

۱ ۔ متن میں نام نہیں ہے ۔

۲ ۔ حضرت نوشہ صاحب کا نام حاجی محمد تھا ۔گھگانوالی ضلع گجرات میں بتاریخ یکم رمضان ۹۵۹ھ ۔ ۲۱ اگست ۱۵۵۲ع سہ شنبہ پیدا ہوئے اور دو شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۰٦۴ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱٦۵۴ع ساھنپال ضلع گجرات میں وفات پائی ۔ آپ کے مرید نوشاہی کہلاتے ہیں ۔ مکتوب الیہ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا ۔ (دیکھیے : گوھر نوشاھی : گنج الاسرار ۔ 'صحیفہ' اپریل ۱۹٦٦ع صفحہ ۵۳ ۔)

کہتے ہو گے کہ محمد حسین کو کیا غرض ہے جو خیال رکھا ہو گا۔ میرا یہ حال ہے کہ باوجود کثرت پریشانی اور شدت جنون کے ایک لحظہ اس تلاش و کوشش سے خالی نہیں۔ مگر کوئی بات اس وقت تک قابل اطلاع نہ تھی ؛ اس وقت یہ معلوم ہوا کہ جو لوگ تمھارے ذیل کے تھے سب کے باب میں منظور و نا منظور جو ہونا تھا ہو گیا ، مگر تمھارے باب میں کچھ معلوم نہیں۔ مجبوراً ایک عرضی اور خدمت میں صاحب رجسٹرار یونیورسٹی کے تمھاری طرف سے لکھ کر دی ہے کہ آپ پھر اس باب میں رجسٹرار چیف کورٹ کو لکھیں تا کہ کچھ حال تو معلوم ہو۔ اسی قدر چاہیے تھا ، وہی تم کو لکھ دیا۔ اور اس میں یہ بھی مطلب ہے کہ تمھیں معلوم رہے کہ تمھاری طرف سے میں نے عرضی دی ہے۔ یعنی تمھاری طرف سے مجھے اجازت ہے کہ مناسب حال تحریر کرتا رہوں ، اور میری کوئی تحریر تمھارے اس معاملے میں بہ منزلہ تمھاری تحریر کے ہے۔

فقط

محمد حسین عفی عنہ
۶ دسمبر ۱۸۷۶ع[1]

۶۳

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

بعد از دعا معلوم باد ، تمھارے خط بے شک پہنچے مگر میں کیا کروں کہ یہاں کوئی بات ایسی نہیں ہو سکی جس کی

---

۱ - متن میں غلطی سے ۱۸۷۸ع چھپ گیا ہے۔

تم کو خبر دیتا ۔ دل شکستگی کے سبب سے کچھ لکھنے کو جی نہ چاہا ۔ سبب اس کا وہی ہوا ، یعنی کچھ تو حرام زادوں نے حرم زدگی کی ، کچھ ڈاکٹر صاحب کو یہ بہانہ ہاتھ آیا کہ میری آج کل چیف کورٹ والوں سے مخالفت ہے اور وہ اس معاملے میں کوئی نیا قاعدہ باندھنا چاہتے ہیں ، جب اس کا بندوبست ہوجائے گا ، تب جیسا مناسب ہو گا ویسا کیا جائے گا ۔ بس اب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ متوقع کسی لطیفۂ غیبی کے ہو کر بیٹھیے اور اللہ اللہ کیے جائیے ۔

باقی سب طرح خدا کا فضل ہے ۔ ابرو آپ کو تسلیم کہتا ہے ۔ اپنے مدرسے کے لڑکوں کو ، مدرسوں کو میرا بہت بہت سلام کہنا ۔ میں آج کل نہایت عدیم‌الفرصت ہوں اور فرصت ہوتی تو کیا کر سکتا تھا ؛ کہیں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ۔ خداوند عالم کہ قادر مطلق ہے وہ ان لوگوں کو توڑے تو کام اس کے بندوں کے چلیں ۔

فقط

محمد حسین عفی عنہ

۱۲ دسمبر ۱۸۷۶ع

۶۴

بنام لالہ دنی چند

عزیز من!

بعد از دعا با معلوم باد ، میں تم سے نہایت شرمندہ ہوں ۔ حال تو بہت کچھ ہے ، مگر لکھنے میں آ نہیں سکتا ۔ خدا خیر و عافیت سے ملائے گا تو سناؤں گا ۔ اچھا اب پھر سرے سے

چلتا ہوں ۔ وہ تو تمھیں یاد ہو گا ، جب میں نے لکھا تھا کہ بس اب خاموش بیٹھے رہو ، جب تک کوئی لطیفۂ غیبی آشکار ہو ، کیوں کہ اب یہاں راہ تدبیر مسدود ہو چکی ہے ۔ چند ہی روز بعد امتحان شروع ہوئے اور شیاطین جو اپنے اقتداروں پر گھمنڈ رکھتے تھے ، انھوں نے کھلے بندوں ہاتھ رنگے ۔ میں اس کے نتیجے کا منتظر ہوا کہ اب مفصل خط تمھیں لکھوں گا ، مگر وہ مقدمہ باوجود اس قدر افشا ہونے کے گاؤخورد ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ صاحب ان لوگوں کے حامی خدا جانے کس طرح ہیں کہ کوئی بات اب اُن پر کارگر نہیں ہوتی ۔ اچھا وہ جانیں ، ہمیں کیا ؛ جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا ، اور ضرور پائے گا ، کیوں کہ پانا چاہیے تھا اور نہیں پایا ۔

مرزا جواد کی زبانی معلوم ہوا کہ تم نے مجھے محرم سے پہلے خط لکھا تھا اور اس میں اپنے آنے کے بارے میں لکھا تھا ۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے وہ خط بالکل نہیں پہنچا ۔ بھلا ایسا خط آتا اور میں کچھ بھی جواب نہ لکھتا ۔ تمھارے ملنے کے بہانے مانگتا ہوں ، ایسا موقع مجھے کہاں ؟ مجھے اس کا نہایت افسوس ہے ، مگر کیا کیجیے کہ وہ وقت نکل گیا ۔

ہمیں ان دنوں صدمہ عظیم ہوا ؛ وہ یہ کہ میری پھوپھی[1] صاحبہ جنھوں نے مجھے پالا تھا اور جو ہمیشہ گھر کی مالک تھیں ،

---

۱ ۔ مولانا کی سگی پھوپھی یعنی مولانا محمد باقر صاحب کی بہن جن کا نام آغا صاحب تھا ۔ انھی نے مولانا کو پالا تھا ۔ تباہی دھلی کے وقت جب وہ گھر سے نکلیں تو مولانا آزاد کی سال گرہ کا ڈورا اپنے ساتھ لے کر نکلی تھیں ۔ جب تک زندہ رہیں ہر سال گرہ کے موقع پر سات پھلوں ، سات مٹھائیوں پر نذر دلواتی اور شام کے وقت چراغ جلا کر دریا میں بہاتی تھیں ۔

آن کا انتقال ہوگیا ۔ وہ نہایت نیک نہاد اور خوش اوقات تھیں ۔ ان کے سبب سے دل بڑا قوی رہتا تھا ۔ اچھا ، جو اللہ کی مرضی ، وہی مالک ہے ۔ گھر میں اندھیر نظر آتا ہے اور وحشت ہوتی ہے۔

مجھے اترسوں بخار ہوا تھا ، کل نہیں ہوا ، آج ہوا مگر اس سے کم ۔ اللہ اپنا فضل کرے! گھر میں گلا بہت دکھتا ہے ، غرض کہ عجب حال ہے ۔

ابرو آپ کو آداب عرض کرتا ہے ۔ اپنے مدرسے کے طلباء تک سب کو سلام و دعا کہنا ۔ میر صاحب کو تسلیم ۔ جب سے اب تک کی تواریخ مفصل لکھیے ۔

یہاں چار دن میں مولوی سید شریف الحسن خاں صاحب قافلۂ زائرین کے استقبال کے لیے آنے والے ہیں ، خدا جانے سچ ؟

پٹیالے کا حال کچھ معلوم نہیں ۔ اخبار تو اب چپ چاپ ہیں ، غالباً طرفین بھی اب چپ چاپ ہو گئے ہوں گے ۔

. . . [1] کہتے ہیں چھوٹ گیا ، ذرا اس کا حال بھی لکھنا ۔ اس کا خط میرے پاس آیا ، مگر حیران ہوں کہ کیا کروں ، میں نے اسے خط اس لیے نہیں لکھا کہ اس کا مجھے پتا نہیں معلوم تھا کہ بہ خط راست جواب لکھتا ۔

۲۷ فروری ۱۸۷۷ع

---

۱ ۔ کسی مقدمے کے ملزم کی طرف اشارہ ہے جو کسی مقدمے میں ماخوذ تھا ۔

٦٥

بنام لالہ دنی چند

صاحب! آپ کو تو خدا جانے کیا ہو گیا ہے؟ کارسٹیفن صاحب کی خبر پوچھتے ہو! بھائی! میں کہہ چکا کہ یہاں وہابیوں کی عمل‌داری فرعونی ہے ۔ باقی تمام بندگانِ خدا کا رزق یونی‌ورسٹی سے اٹھ گیا ۔ عجب عالم ہے ۔ حال لکھنے کے قابل نہیں ، تم آؤ تو زبانی کہوں ، دفتر کے دفتر ہیں ۔ فقط غائبانہ لطف و عنایت جو لوگ کرتے ہیں ان کی زبان بندی آسان ہے ۔ اب میں اسے کچھ لکھنے ہی کا نہیں ۔ مگر مہربانی کرکے یہ ضرور مجھے لکھنا چاہیے کہ فی‌الحال کیا کیا زبانِ مبارک سے سنا ۔

عمدۃ البیان[۱] کچھ سندی چیز نہیں ۔ اگر اس کے بہ موجب کچھ کسی سے تقریر کرو تو کوئی تسلیم نہ کرے گا ۔ لیکن اب مجھے حال معلوم ہوگیا ، ان شاء اللہ کوئی فارسی کی معتبر کتاب اسی طرح کی ہاتھ آئے گی تو لے لوں گا ، تم خاطر جمع رکھو ۔ یہ اگر کچھ کام کی ہے تو ان نیم خوانده لوگوں کے لیے ہے جو کہ اردو ہی پڑھ سکتے ہیں اور بس ۔

اب پھر اصلی مطلب پر آتا ہوں کہ یونی‌ورسٹی سے دست‌بردار ہوجانا چاہیے، جب تک کہ کوئی لطیفۂ غیبی ظاہر نہ ہو ، اور خدا سے ہر وقت امیدوار رہنا چاہیے ۔ وہ کارساز حقیقی ہے ، ان شاء اللہ ڈپٹی کمشنروں یا انسپکٹروں سے یا کسی راہ چلتے سے کام بنا دے گا ۔ قادر مطلق کو یاد کیے جاؤ اور ساتھ ہی یہ بھی کہے جاؤ کہ ان ظالموں کی بھی خبر لے ۔ آج کل انتہائی درجے کی خودمختاری ہے ۔

---

۱ ۔ مولوی عمار علی صاحب سونی پتی متوفی ۱۳۰۲ھ کی تفسیر کا نام ہے جو دہلی سے شائع ہوئی تھی ۔

میں بھی روز ریل اسٹیشن پر جاتا ہوں ۔ ملتان کی ریل چھ سات بجے صبح کے درمیان آتی ہے ، مگر ان حضرات کو ہماری نیازمندی اور عقیدت پر کب نظر ہے ۔ اچھا ، ہمیں تو اپنے دل سے کام ہے :

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس

در بندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید

میرے گھر میں گلے کے درد سے بڑی تکلیف ہے ۔ میرے بھی گلے میں درد ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گرمی اور خشکی سے ہے ۔ دودھ ، ملائی ، مکھن فائدہ کرتا ہے ۔ واہ وا ! بیماری بھی کیا مزے کی ہوئی ہے ۔ بس اور کیا کہوں ۔

ہاں صاحب ! ڈاک اب چلتی ہے ۔ اب سب مدرّسوں اور طالب علموں کو نام بنام سلام کہیے گا ۔

اجی ہاں صاحب ! وہ چادر جوڑا نہ بھولیے گا ؛ جب موقع ہاتھ آ جائے ، ایک جوڑا اور ایک عمامہ[1] ضرور لے لیجیے گا ۔

۱۰ مارچ ۱۸۷۷ع ، یوم شنبہ

٦٦

بنام لالہ دنی چند

ارے میاں! کیوں مجھے جلاتے ہو، بھلا میں اور ڈروں گا ؟ مگر کیا کروں کہ میں جانتا ہوں تم ، بلکہ اور کوئی بھی نہیں جانتا ۔ وہاں کام حد سے گزرگیا ہے ، اسی واسطے جی بیزار ہوگیا؛ اب اور ہاتھ ڈالنے کو بھی جی نہیں چاہتا ۔ اچھا آپ ان سے

---

۱ - مولانا سردی کے موسم میں کشمیری پشمینے کا عمامہ زیب سر فرمایا کرتے تھے -

لکھوائیے ۔ مجھے اتنی بھی آمید نہیں کہ اس انگلی کرنے سے اسے ذرا خبر بھی ہو ، مگر اچھا ہے لکھوانا چاہیے اور بلکہ برابر انگلیاں ہوئے جائیں تو اچھا ہے ۔ بھلا اثر نہ ہوگا تو ایک مضحکہ تو ہوگا ۔ مگر مضحکہ بھی غیرت والوں کے لیے کچھ اثر رکھتا ہے ۔ صاحب بہادر! بے غیرتی کے بھی بہادر ہیں ۔

لالہ دنی چند! میں بیزار ہوگیا ، اس لیے کہ مایوس ہوگیا ۔ اور میرا قاعدہ ہے کہ جب میں مایوس ہو جاتا ہوں تو بیزار ہوجاتا ہوں ۔ پھر ادھر سے بالکل قطع کر دیتا ہوں ۔ یہاں تک کہ اس رنج کے مارے تمھیں بھی خط نہ لکھا کہ کیا لکھوں ۔ خاک لکھوں ، جو کچھ غم و غصہ اس معاملے میں میرے دل پر ہے، میں ہی جانتا ہوں مگر کیا کروں کہ کچھ ہو نہیں سکتا ۔ میں تو یہی جانتا ہوں کہ کچھ ہو نہیں سکتا ؛ اچھا ، تم ہمت کرو ، شاید کچھ ہو جائے ۔ نپولین شہنشاہ فرانس کا ایک مقولہ ہے کہ: ”دنیا میں ایسی کوئی چیز ہے کہ جو ہو نہ سکے؛ ہمت اور تدبیر شرط ہے ۔“

میں نے یہ خط اسی دن لکھ کر رکھ چھوڑا تھا، اور چوں کہ مولوی شریف حسین صاحب کی روز آمد آمد ہے ، اس لیے یہ خیال تھا کہ کل آ جائیں گے تو ان کو رسید لکھ کر روانہ کروں گا ۔ آج ۲۹ تاریخ ہوچکی وہ نہ آئے ۔ مگر اتنی بات قابل‌اطلاع معلوم ہوئی کہ ماسٹر بھیروں پرشاد دو سو پچاس روپے پر ہوشیار پور گئے ۔ ماسٹر ٹھاکر داس لودیانہ آئیں گے ، بورڈنگ اسکول کھولیں

---

۱ ۔ ڈاکٹر لائٹنر اور یونی ورسٹی کے کاروبار کا تذکرہ ہے ۔ انھوں نے مولانا کی شدید مخالفت شروع کر دی ہے اور مولانا ذہنی طور پر پریشان ہو رہے ہیں ، ان کی محنتوں کے صلے میں انھیں دکھ دیے جا رہے ہیں ۔

گے ۔ نورمل کالج لاہور میں بنے گا ۔ ماسٹر صاحب[1] دہلی کالج کے ٹوٹنے تک لاہور میں آ کر اس کے پرنسپل ہوں گے یا سپرنٹنڈنٹ کہلائیں گے ۔ دہلی کالج میں ایک مختصر سا اسکول نورمل کا رہے گا۔ جیسے اسکولوں سے لڑکے پڑھ پڑھ کر کالج میں آتے تھے اس طرح ان اسکولوں میں سے پڑھ پڑھ کر لاہور میں آیا کریں گے ۔ بلکہ نئی بات اس میں یہ ہوگی کہ انگریزی والے بھی یہاں چند روز رہ کر پڑھانا سیکھ لیا کریں گے ، پھر مدرسی پر جایا کریں گے ۔ ماسٹر سری‌رام جو دہلی نورمل اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے وہ لاہور میں ڈک صاحب کے اسسٹنٹ ہوں گے ۔

میرشریف حسین صاحب کو غالباً آج ملتان میں بیٹھے ہوئے پانچ دن ہوئے۔ ہفتے کو لاہور سے روانہ ہوئے تھے ، اسٹیشن پر پانچ گھنٹے بیٹھے رہے ، شہر میں نہیں آئے۔ آج ۳۰ مارچ ، جمعہ ہے ۔ میر احمد حسین صاحب کہتے تھے کہ ملتان سے مجھے خط لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ملتان میں چلے آؤ ، میر مراتب علی کے پاس دفتر کا کام اچھی طرح سیکھا جائے گا ۔ وہ جائیں گے ، ذرا یہ بات جگراؤں تک پہنچا دینا ۔

اپنے مدرسوں کو، مہتاب سنگھ کو، سری‌رام کو دعا کہنا ۔ آج اگر وہ آ جائیں تو ، نہ آجائیں تو ، ڈاک کے وقت لفافہ روانہ ہی کر دوں گا ۔ بھائی ! وہ ملتان میں کہیں[2] متعہ کر کے بیٹھ رہے ۔

(۳۰ مارچ ۱۸۷۷ع)

---

۱ - ماسٹر پیارے لال کا ذکر ہے - اس بیان سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ماسٹر پیارے لال ۱۸۷۷ع تک لاہور نہیں آئے تھے ۔

۲ - مولوی شریف حسین صاحب اور مولانا آپس میں بے تکلف تھے اور مذاق بھی ہوتا تھا ۔

٦٧

بنام لالہ دنی چند

عزیز اقبال نشان من! زاداللہ اقبالکم!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد ، جس دن سے اس معاملے کی تحریک شروع ہوئی ، مجھے اسی دن سے خیال تھا کہ لکھوں یا نہ لکھوں ، اور یہ بھی خیال تھا کہ جب وہ سنیں گے تو مجھے کیسا شرمندہ کریں گے اور مجھے بھی اس شرمندگی کو تسلیم کرنا پڑے گا ، مگر پھر یہی کہہ لیتا تھا کہ ان سے شرمندہ ہو لینا آسان ہے ۔ مگر یہ معاملہ تم جانتے ہو کہ نہایت نازک ، بات ہونٹوں سے نکلی اور کوٹھوں چڑھی ؛ خدا جانے کیا اتفاق ہے[1] ۔ کاغذ ہے کس کی نظر سے گزر جائے ، ان کی زبان سے کوئی حرف نکل جائے ، پھر وہاں کا یہ حال کہ بہ فضل خدا مہات و اشغال ۔ مہینوں کے بعد ایک تحریک ہوئی ، پھر رہ گئی۔ میں کہتا تھا کہ خدا جانے ہو کہ نہ ہو ، خواہ‌مخواہ کہنا کیا ضرور ہے ۔ اس کے علاوہ جو کچھ کہ تم سن چکے ہو وہ دوراندیشیاں بھی کچھ بے جا نہیں ۔ بھائی! یہ معاملے بڑے نازک ہوتے ہیں ۔ پھر سب یہی کہتے ہیں کہ پہلے سے نہ سوچ لیا ؛ دیکھتے نہ تھے ؛ لالچ میں آ کرگر پڑے ۔ طمع نے آنکھیں بند کر دیں ۔ خیر ، پھر اب تو تم بھی خوش ہو گئے ۔ جو کچھ کہ ہوا ہے ، خدا اچھا ہی کرے بہ تصدق ائمۂ ہدیٰ ؑ۔ میں نے دنیا کے ہزاروں تجربے کیے ، مگر ان معاملوں میں بہت خام ہوں اور ڈرتا بھی ہوں ۔ اللہ میری ناتجربہ‌کاری اور بے عقلی پر رحم کرے اور بہ احسن وجوہ سر انجام کرے اور

---

۱ ۔ کیا اتفاق ہے — 'ہو' صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

ہمیشہ خیر و برکت شامل حال طرفین رکھے! برائے خدا دعا کیے جانا۔

اچھا لو ، اب دنیا داروں کی رسمی باتیں تو ختم ہوئیں ، اب میں اپنے ہتھکنڈوں پر آتا ہوں ۔ میاں تم تو جگرانوں کے ارسطو ہو ؛ میں تم سے سبق پڑھنا چاہتا ہوں مگر قسمت سے موقع نہیں پاتا ۔ جو بات تم نے حاصل کر لی ہے تمھاری ہمت اور تمھارا ہی کام تھا ۔ میں تو ہار کر بیٹھ چکا تھا ۔ اب جس طرح یہاں تک نوبت پہنچائی ہے آگے بھی منزل تک تم ہی پہنچ جاؤ گے ۔ میں نے یہاں اب ایک دو شخصوں سے کہا ہے کہ ان کی ہمت اور محنت اور سعی اس طرح برباد ہوگئی ؛ اگر کوئی شخص بچارے کا خیرخواہ ہوتا اور اس کی جیب میں خیرخواہ بنانے کا سامان ہوتا تو یہ موقع کیوں ہاتھ سے جاتا ۔ ڈاکٹر صاحب کی دس کو یہاں پہنچنے کی خبر ہے ، فی الحال شملے پر ہوں گے ، مگر رواروی میں ہوں گے ۔ میری دانست میں ابھی کچھ بولنا نہیں چاہیے ۔ مگر یہ تحریریں جو تمھارے ہاتھ میں ہیں انھیں بہت حفاظت سے رکھنا ۔ مجھ سے ڈاکٹر صاحب[1] سے اب کی دفعہ بڑی سخت طور پر جنگ ہوئی ؛ نہیں جانتا کہ اب پہاڑ سے اتر کر کیا رنگ ہو ۔ یا تو بھارت کا یدھ ہوا یا گول مول ہوگئی۔ مجھ سے ملنے کو اگر جی چاہتا ہوگا تو آپ ان سے بھی اجازت لے لیجیے گا ۔ ایک جی میں آتی ہے کہ کچھ کچھ مضامین تین تین چار چار صفحے کے دے کر رسالۂ قصور مڈل اسکول کو اور رونق دے دوں ؛ پھر کہتا ہوں کہ ایک دن یہ بھی منحرف ہو جائے گا تو ناحق دل کو رنج ہوگا ۔ انجمن قصور میں انوارالحق

---

۱ ۔ ڈاکٹر لائٹنر ۔

ادیب[1] تخلص ایک شخص دہلی کا رہنے والا ، حالی کا شاگرد ، اڈیٹر رسالہ ہوگیا تھا ، وہی میرے برخلاف پنجابی اخبار میں لکھا کرتا تھا ۔ کئی مہینے کے بعد وہاں سے چلا گیا ۔ ماسٹر پیارے لال نے راولپنڈی نورمل اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس مترجم کروا دیا تھا ، وہاں سے بدچلنی کی علت میں نکالا گیا ۔

آپ کے فرمانے کو توکل بہ خدا میں نے مان لیا اور تعجب یہ ہے کہ اور جن جن اشخاص سے میں نے کہا ، انھوں نے بھی یہی کہا ۔ چنان چہ میں نے لکھ بھیجا ہے ۔ اب دعا کرو کہ پروردگار عالم بہ تصدیق ائمۂ ہدیٰ طرفین پر مبارک کرے! اچھا آپ نے تو رائے دے دی اب اس کام کے لوازمات کا سر انجام کیجیے ۔

۱ ۔ دو چوتہیاں جگراؤں سے لے کر بھیجیے ، قیمت فی چوتہی پانچ پانچ روپے تک ۔

۲ ۔ چادر جوڑا با حاشیہ ۔

۳ ۔ ایک جبہ پشمینۂ کشمیری کالا حاشیہ دار ۔

نمبر ایک کے لیے تو یقین ہے کہ آپ اگر اپنے والد کو لکھ بھیجیں گے تو وہ ہفتے دو ہفتے میں مجھ کو بھجوا دیں گے ، مگر نمبر ۲ و ۳ کے باب میں جو کچھ کہنا ہو ، فرمائیں اور

---

۱ ۔ رسالہ انجمن قصور ۱۸۷۴ع میں جاری ہوا ۔ اس کے ایڈیٹر سیف الحق ادیب دہلوی تھے ۔ وہ مڈل سکول قصور میں مدرس تھے ۔ شروع میں مولانا سے مدد لیتے تھے ۔ مولانا نے اس رسالے کو بڑا فروغ دیا ۔ تاریخ زبان اردو کے متعلق انھوں نے اس کے لیے مسلسل مضمون لکھے ۔ تاریخ ہند کے متعلق بھی ان کے کچھ مضامین شائع ہوئے ۔ مولانا نے سہواً ان کا نام انوارالحق لکھ دیا ہے ۔

روپے موجود سمجھیے ۔ میں شاید آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آٹھ آنے ڈاکٹر صاحب والے مجھے وصول ہوگئے ، وہ گھر میں امانت رکھے ہیں ، کہیے تو ٹکٹ بھیج دوں ۔

'موہبت عظمیٰ'[۱] کیوں نقل کرواتے ہو، جب آؤ گے ، مجھ پر شدید تقاضا کرنا ، ڈھونڈ کر نکال دوں گا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

یکم جولائی ۱۸۷۷ع[۲]

٦٨

بنام لالہ دنی چند

عزیز اقبال نشان ِمن! ترقیات نشأتین روزیِ باد! تم جگراؤں میں منتظر اور شاکی رہے ہو گے ، میں یہاں مضطرب اور شرمندہ رہا ، مگر خدا گواہ ہے ڈر کے مارے نہیں لکھا ، ایسا نہ ہو کوئی سن لے اور کہے کہ اب یہ خطوط بازیاں ہوتی ہیں ۔

میرا حال پہلے سن لو ، وہ یہ ہے کہ میں دلی میں تھا ، جو صاحب[۳] نے مجھے شملے بلایا ، خبر پہنچی کہ لاہور میں نہیں ؛ فرمایا کہ جب آئے تو ادھر چلا آئے ۔ میں نے آکر لکھا کہ اس طرح کے موانع ہیں ؛ جس وقت فارغ ہوا ، حاضر ہوں گا ۔ جواب آیا کہ توقف کی اجازت ہے ۔ میں نے فارغ ہوتے ہی لکھا ، جواب آیا کہ اب ہم خود اترنے والے ہیں ، تمھارے پاس وہیں کام پہنچے گا ۔ چناں چہ میں لاہور ہی میں رہا ، اور کہیں حرکت اس لیے بھی نہیں کی کہ بے ضرورت پیسے کیوں خراب

---

۱ ۔ سراج الدین خان آرزو کا ایک مطبوعہ رسالہ ۔
۲ ۔ اس خط میں بھی نام نہیں ہے ، شاید بہ نظر احتیاط نہ لکھا ہو ۔
۳ ۔ ڈاکٹر لائٹنر ۔

کروں - ان شاء اللہ جب مشرق کو جاؤں گا، آپ سے بے ملے نہ جاؤں گا۔

اور یہاں کا حال یہ ہے کہ حسب دستور نور چشم[1] کو بلانا واجب تھا، چناں چہ بلا لیا ہے - اسے حضرات کی شفقتوں کا نہایت شکر گزار پایا ہے - اللہ ایسا ہی رکھے! اور حضرات کے خطوط سے بھی خوشنودی مزاج ہی معلوم ہوتی ہے - خدا اس کی توفیقات کو اور زیادہ کرے!

مولوی شریف الحسن خان صاحب کا خط کوئی آیا ہی نہیں، بس بہ فور مراجعت لاہور جو کہ پٹیالے سے ایک خط پر چند سطریں لکھ بھیجی تھیں - خیر، جو کچھ وہ کہتے ہوں گے وہ باتیں آپ کے لکھنے سے معلوم ہو جائیں گی -

اجی ہاں صاحب! وہ معلوم نہ ہوا کہ سید حسین نے اپنا مقدمہ فتح کیا یا نہیں کیا؟ آپ کی دونوں کتابوں کا حال دریافت کیا؛ وہ پوچھتے ہیں کہ مارکلی صاحب کا ہدایت نامۂ بندوبست چاہیے یا مال گزاری؟ ٹرملٹ صاحب کا اصولِ دیوانی کوئی نہیں رہا، سب بک گئے -

یکم کو ان شاء اللہ ہمارا مدرسہ کھلے گا - اپنے والد کو میری طرف سے بہت بہت سلام نیاز کہیے گا[2] -

معلوم نہیں تم کبھی چھاؤنی انبالے میں بھی جاتے ہو یا نہیں؟ اور جاتے ہو تو کباڑیوں کی بھی سیر کرتے ہو یا نہیں؟ وہاں سے بعض دفعہ عجیب کتابیں کارآمد کوڑیوں کے مول ہاتھ آجاتی ہیں - ابرو کو ہم نے مدرسے میں داخل کر دیا، پانچویں

---

۱ - شاید اپنی صاحب زادی کو پٹیالے سے لاہور بلایا ہے -

۲ - متن 'کہنے لگا' -

جماعت میں لیا ہے ۔ چند کتابیں لکھتا ہوں ، اگر ملیں تو ضرور لے لینا ۔

شکسپیر کی اردو ڈکشنری ۔ اردو فارسی کے لفظ لیتا ہے اور انگریزی میں معنی دیتا ہے ۔

رچرڈ سن کی عربی فارسی کی ڈکشنری ۔ یہ بھی عربی فارسی کے لفظ لیتا ہے اور انگریزی میں معنی دیتا ہے ۔

اسی طرح پامر صاحب کی فارسی ڈکشنری ۔ فارسی الفاظ ، انگریزی میں معنی ۔

ویبسٹر کی ڈکشنری ۔ انگریزی الفاظ اور انگریزی ہی معنی ۔

کباڑیوں کے ہاں اگر یہ کتابیں ہوں اور سستی ہاتھ آ جائیں تو ضرور لے لینا ۔ میں نے ایک دفعہ تین روپے کو شکسپیر لی ، تین روپے آٹھ آنے کو رچرڈ سن لی ، دونوں انگریز شاگردوں[1] نے چھین لیں ۔ اس وقت مجھے ضرورت نہ تھی ، اب میاں ابرو کے لیے درکار ہیں تو ڈھونڈتا پھرتا ہوں ۔

اگست ۱۸۷۷ع[2]

---

۱ ۔ مولانا بڑے بڑے انگریز افسروں کو اردو فارسی بھی پڑھایا کرتے تھے ۔ مالی فائدے کے علاوہ اس سے کچھ اور فائدے بھی متصور تھے ۔ اس طریق کار سے انگریزوں کے حلقے میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا ۔ لیکن کیفیت یہ تھی کہ جب وہ انھیں پڑھا کر گھر آتے تو سب سے پہلے ہاتھ پاک کرتے اور کپڑے تبدیل کر لیتے ۔

۲ ۔ خط میں نام و تاریخ دونوں شائع نہیں ہوئیں ؛ میرا اندازہ جولائی یا اگست ۱۸۷۷ع کا ہے ۔

۶۹

بنام لاله دنی چند

عزیز من! زاد اللہ اقبالکم!

بعد از دعا معلوم باد ، عمامے کے لیے بے شک سفید چادر نصف لے لو طولانی یعنی عرض میں پھڑوا کر ۔ مگر ابھی نہ رنگواؤ نہ کنارہ لگواؤ ، ایک دو برس سفید باندھنے دو ، پھر ان شاء اللہ رنگوا کر کنارہ لگالیں گے ۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ رام پور بسیر[1] کی چادریں وہاں آتی ہیں ، وہ اس کام کو بہت خوب ہوتی ہیں ، خیر وہ سب آپ کی صلاح پر محول ہے ۔ میری طرف سے اتنا ہے کہ نہ رنگواؤ نہ کنارہ لگواؤ ۔ چادر جوڑا سات گزہ ۳۵ روپے تک یا ایک دو زیادہ تک لے لو ۔ خفتان وغیرہ کے لیے دو تین گز کا ٹکڑا چادر پشمینے کا عنایت کیجیے۔ (اب جس طرح آپ کہیں گے اسی طرح بولوں گا) ڈاکٹ[2] بابے مختلف المطالب کا حال اور دستخطوں کا حال کسی طرح کارسٹیفن صاحب سے کہواؤ اور ان سے ڈاکٹر صاحب کو لکھواؤ کہ یہ کون کون سے اہل کار تم نے بہم پہنچائے ہیں جو تمھیں بدنام کرتے ہیں ۔ اور یہ اہل کار یہ بھی مشہور کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ہم نے رجسٹراری دلوائی ہے اور برک صاحب کو نکلوایا ہے ۔ اگر اس وقت کے اسرار ہم ڈاکٹر صاحب کو نہ بتاتے تو وہ بھلا کیا کر سکتے تھے اور برک صاحب کو کب نکلوا سکتے تھے ۔

میری دانست میں ان ڈاکٹوں کو ابھی تم پیے ہوئے بیٹھے رہو اور ڈپٹی کمشنر صاحب سے جو کچھ ہوسکے وہ لکھواؤ اور

---

۱ ۔ غالباً کشمیر کا کوئی شہر تھا ۔ ۲ ۔ کاغذات سرکاری ۔

مجھے اطلاع دو؛ پھر جیسا کچھ ہوگا صلاح کرکے کریں گے ۔ مگر ان دونوں ڈاکٹوں کو بہت احتیاط سے اپنے پاس رکھو ، اس کا ایک عجیب لطیفہ نکلے گا ۔ کیوں کہ تم کو پہلے یہ لکھا کہ تمھاری سفارش چیف کورٹ کو کی گئی ہے ، اور وہاں کچھ نہیں لکھا ۔ عجیب بچوں کا کھیل ہے!

اپنے والد کو میرا سلام کہنا ۔ اور جو خریدنا ہو خاطرجمع سے خریدو ، گھبراہٹ کیا ہے؟ کوئی ابرو کا بیاہ تو سر پر نہیں ، اب نہیں پھر ، پھر نہیں پھر ۔ اگر جلسۂ دہلی کے سبب سے اب کچھ مہنگا ہو تو ملتوی کر دو ۔ ماسٹر بھیروں پرشاد کو میں نے لکھا تھا ، خدا کچھ اثر دے! رسالے کے التوا کے بارے میں لکھنا ۔ کرک میٹرک صاحب سے کہنا "مولوی محمد حسین کوشش تو بہت کرتے ہیں مگر چوں کہ ڈاکٹرصاحب کا ان سے دل صاف نہیں ، اثر نہیں ہوتا"۔ یہ ضرور ضرور کہنا ۔

ڈپٹی صاحب کو تسلیم کہنا ۔ کرک میٹرک صاحب کی ملاقات کا حال اور ڈپٹی کمشنر کی سفارش کا حال مجھے ضرور ضرور لکھ کر جانا ، اور جو کچھ ہوتا رہے اس سے ذرا ذرا اطلاع دینا یا جا کر لکھ دینا ۔ اور کرک میٹرک صاحب سے یہ ضرور کہنا کہ ڈاکٹر صاحب مولوی صاحب سے صاف نہیں ، کیوں کہ انھیں یہ خیال ہے کہ وہ ڈائریکٹر صاحب کے طرف دار ہیں ۔ اس پر جو کچھ وہ کہیں وہ بھی مجھ سے کہنا ۔

اللہ سے پوچھو! اگر وہ کہیں تو ایک انگریزی چٹھی ڈاکٹر صاحب کو اس مضمون کی لکھوا دو کہ دو ڈاکٹ ، ایک اس مضمون کا ، دوسرا اُس مضمون کا جس کے لفافے پر منشی کے بھی دستخط ہیں ، متعاقب پہنچے ؛ اب میں حیران ہوں کہ کیا کروں اور کیا سمجھوں ۔ اس لحاظ سے ڈپٹی کمشنر صاحب کو

نہیں دکھاتا کہ مبادا تیسرا ڈاکٹ اس کا بھی ناسخ پہنچے ۔ فقط مگر صاحب! یہ سوچ سمجھ کر لکھنا ، ایسا نہ ہو کہ جل کر بگڑ جائے تو اور کچھ خرابی کرے ۔ یا چپکے بیٹھے رہو، کچھ لکھو لکھاؤ نہیں ۔ ہاں ، کارسٹیفن صاحب سے ہو سکے تو لکھوا دو ۔

۱۸۷۷ع[1]

۷۰

بنام حکیم محمد دین صاحب[2]

جناب من!

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے الف لیلہ[3] کے باب میں آپ سے کچھ التماس کیا تھا ؛ یقین ہے کہ آپ نے میاں غلام رسول صاحب

---

۱ ۔ نام و تاریخ ندارد ۔ گزشتہ خط میں یکم جولائی ۱۸۷۷ع ہے ۔ اس خط میں کچھ پارچہ جات کی فرمائش ہے ۔ ڈاکٹر صاحب سے جھنجٹ کا ذکر ہے ؛ یہ خط دونوں باتوں سے مربوط ہے اس لیے میں اسے ستمبر ، اکتوبر ۱۸۷۷ع کا قرار دیتا ہوں ۔

۲ ۔ آغا محمد طاہر صاحب نے لکھا ہے :

''حکیم محمد دین صاحب لاہور سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ، وہاں کے رہنے والے تھے ۔ علمی و ادبی شوق اس قدر تھا کہ دن رات تحصیل علم میں ہی مصروف رہتے تھے ۔ اس زمانے کے اکثر علوم مروجہ میں اچھی دستگاہ بہم پہنچائی تھی ۔ علم کیمیا کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔' (صفحہ ۱۳۸، خاتمہ مکتوبات آزاد طبع دوم) ۔ نقوش کے لاہور نمبر میں شیخ محمد الدین صاحب کا ذکر ہے کہ وہ ۱۸۵۸ع میں پیدا ہوئے ، چھوٹی عمر میں منشی فاضل

(بقیہ حاشیہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ اگلے صفحے پر)

سے فرمایا ہوگا ۔ براہ عنایت جواب سے مطلع فرمائیں ۔ بندہ نہایت ممنون احسان ہوگا ۔

آپ کا نیاز مند

محمد حسین عفی عنہ

۱۸ فروری ۱۸۷۹ع

۷۱

بنام حکیم محمد دین صاحب

عالی جناب من!

نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میاں غلام رسول صاحب سے الف لیلہ کے باب میں وصولی کے لیے تحریک فرمائی اور ان سے وعدۂ حصول بھی حاصل کیا ۔ لیکن ایک تحصیل کا چپراسی جو مجھے پہلے بھی جانتا ہے ، اس کی معرفت آج انھوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ وہ کتاب تو میرے پاس سے کھوئی گئی ، کہو تو بمبئی سے اور منگا دوں ، یا جو چاہو اس کی قیمت لے لو ؟ اب آپ خیال فرمائیں کہ اس اشراف آدمی کی نیت کا کیا حال ہے ؟

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ نمبر ۲ اور نمبر ۳)

پاس کیا ، پھر ڈاکٹر لائٹنر کے مشورے سے وٹرنری کالج میں داخل ہو کر فارغ التحصیل ہوئے ۔ رسالہ طب حیوانات نکالا ، ریاست نابن گئے ، پھر ۱۸۸۹ع کے قریب لاہور آکر مطب کرنے لگے اور ۱۹۲۳ع میں فوت ہوئے (نقوش ، ۹۳۵) ۔

۳۔ مولانا کی کتاب ایک صاحب لے گئے ہیں اور مولانا اس سلسلے میں بےحد پریشان ہیں ۔ یہ چھ خط ایک دل کش افسانہ بھی ہیں اور مولانا کے مزاج کی بہترین تصویر پیش کرتے ہیں ۔

خیر آپ اس بات کو خیال میں رکھیں اور ایسے رہیں کہ گویا نہیں سنا ۔ میں نے اس معاملے کو اب آپ پر چھوڑ دیا ہے ، جب تک آپ نہ فرمائیں گے مقدمے کو آگے نہ بڑھاؤں گا ۔ اگر مناسب ہو تو ایک دفعہ پھر اُن کی نبض دیکھیے ۔ معلوم تو ہو کہ طبیعت کا کیا حال ہے ۔

میں آپ کی عنایت کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ، اور جس قدر توجہ فرمائی ہے اس کا ممنون احسان ہوں ۔ کیوں کہ بے کسی طرح سابقہ معرفت کے ان پر یہ مہربانی کی ہے اور جو کچھ کیا شرافت اور تہذیب کے رشتے کا لحاظ کرکے کیا ہے ۔

زیادہ نیاز ۔

محمد حسین عفی عنہ

۲۱ فروری ۱۸۷۹ع

۷۲

بنام حکیم محمد دین صاحب

عالی جناب من!

معلوم نہیں میاں غلام نبی صاحب (کذا) نے کتاب کے باب میں کیا بندوبست کیا ۔ میری دانست میں جب کہ وہ شروع اکتوبر سے آج تک ہر شخص سے نیا عذر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عذر بھی ٹھیک نہیں ۔ پس اس موقع پر کچھ لحاظ نہ کرنا چاہیے اور یہی کہنا چاہیے کہ کتاب دیجیے ، مگر یہ وعدہ لے لیجیے کہ کب دیں گے تاکہ پھر انہیں کچھ عذر باقی نہ رہے ۔ یہ بھی آپ کو خیال رہے کہ بمبئی سے خط کا جواب آٹھویں دن آ جاتا ہے ۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

زیادہ نیاز۔

محمد حسین عفی عنہ

۲۵ فروری ۱۸۷۹ء

۷۳

بنام حکیم محمد دین صاحب

عالی جناب من!

۲۵ فروری کو جو نیازنامہ میں نے لکھا تھا اس کے جواب سے معلوم ہوا تھا کہ میاں غلام نبی صاحب (کذا) نے بمبئی سے کتاب منگائی ہے اور آپ نے بھی عنایتاً یہ صلاح دی تھی کہ ہفتے عشرے تک اور انتظار کرنا چاہیے۔ فی الحقیقت آپ نے بہت مناسب فرمایا تھا۔ آج نواں دن ہے ، چوں کہ چار دن کی چھٹی ہے اور میں چھٹیوں میں باہر جاؤں گا اس لیے ایک دن پہلے لکھتا ہوں ، اگر مناسب ہو تو آپ ایک دفعہ انھیں اور فرماویں ، کیوں کہ کوئی درجہ باقی نہیں ، اب تو مجھے ضابطے ہی کا خط لکھنا ہوگا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی ، آیندہ جو مرضیِ الٰہی۔

زیادہ نیاز۔

محمد حسین عفی عنہ

۵ مارچ ۱۸۷۹ء

۷۴

بنام حکیم محمد دین صاحب

جناب من!

عنایت نامے سے معلوم ہوا کہ میاں غلام نبی صاحب (کذا) کہتے ہیں کہ 'الف لیلہ فارسی' بازار میں نہیں ملتی، مگر قیمت دیتے ہیں - میں نے اس معاملے میں بہت سوچا، ان کا اصل مطلب یہ معلوم ہوا کہ راقم آثم قیمت کتاب لیتے ہوئے شرمائے - وہ برائے نام بھی کتاب نہ دیں اور چند روز کے بعد یاروں میں قہقہے اڑائیں کہ دیکھو باتوں ہی باتوں میں اڑا دیا -

حال یہ ہے کہ کتاب مذکور بمبئی میں سوداگروں کے پاس، موجود ہے، وہ چاہتے تو منگوا سکتے تھے - چناں چہ ایک سوداگر کی فہرست ارسال خدمت ہے، اور چوں کہ مطبوعہ ہے، اس لیے سندی اور معتبر ہے - اسے دیکھ کر آپ کو بھی ان کی بہانہ جوئی میں کچھ شبہ نہ رہے گا اور یقین ہوگا کہ اسی طرح میری کتاب بھی کہیں گئی نہیں انھی کے پاس موجود ہے - پس ایسے آدمی کو خالی چھوڑتے ہوئے ہرگز غیرت نہیں گوارا کرتی - انھوں نے مجھے بلکہ آپ کو بھی دق کر دیا - انھیں خالی چھوڑنا گویا اس کام کی تعلیم دینی ہے جس کا کہ حقیقت میں چھڑانا واجب تھا - خاتمے پر پھر وہی کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا، جہاں سے ہو میری کتاب لاویں - فہرست مطبوعہ اس لیے ارسال خدمت ہے کہ الزام ان پر ہے - اب اگر میں آگے بڑھوں تو اہل شرافت اور اہل تہذیب مجھے الزام نہ دیں، ان کے سامنے آپ گواہ رہیں - شرمند ہوں کہ بار بار آپ کو تکلیف دیتا ہوں، لیکن کیا کروں کہ آپ کی توجہ بغیر اس عمل کی

عقدہ کشائی ممکن نہیں اور اگر میں اس معاملے میں خاموش رہوں گا تو ایسے لوگ ایک ایک کرکے میری ساری کتابیں مار رکھیں گے ۔ ایسے آدمیوں کا تدارک آپ کے سوا کون کرسکتا ہے ۔ زیادہ نیاز ۔

محمد حسین عفی عنہ

۹ اپریل ۱۸۷۹ء

از گورنمنٹ کالج ۔ لاہور

۷۵

بنام حکیم محمد دین صاحب

جناب من!

آپ کو ضرور کبھی نہ کبھی خیال آتا ہوگا کہ منشی غلام نبی (کذا) کا اور کتاب الف لیلہ کے معاملے کا کیا انجام ہوا ۔ اس کا حال یہ ہے کہ الٰہی بخش کتب فروش اس شہر میں ایک معقول شخص ہے ۔ اس نے اول مجھے خبر دی کہ کتاب مذکور منشی صاحب نے در حقیقت اسی کو دی تھی اور مبادلے میں ایک قرآن شریف لیا تھا ۔ چناں چہ کتب فروش مذکور نے چار روپے آٹھ آنے کو وہ کتاب بیچ بھی ڈالی ۔

اب تین دن کا ذکر ہے ، اس نے مجھ سے کہا کہ آج منشی صاحب مذکور نے انیس روپے مجھے دیے ہیں اور کہا ہے کہ بمبئی سے کتاب منگا دو ۔ جس پیرائے میں اس نے یہ ذکر کیا ، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت یہ انیس روپے کا داغ نہایت تکلیف دینے والا ہے ، خصوصاً آج کے زمانے میں ، وہ بھی ۲۵ ، ۳۰ روپے کے نوکر کو ۔

اس تقریر نے میرے دل پر بھی 'پر درد اثر پیدا کیا اور میں نے کہہ دیا کہ یہ روپے تم انھیں واپس کر دو اور کہہ دو کہ بس کتاب مجھے پہنچ گئی ۔ چناں‌چہ بہ سلسلۂ تحریرات سابقہ آپ سے گزارش ہے کہ آپ نے جس قدر توجہ فرمائی اس کا دل سے شکر گزار ہوں اور ان شاء اللہ کبھی اس عنایت کو نہ بھولوں گا اور وہ کلفت و پریشانی جو میری اثنائے تحریرات میں ایک بندۂ خدا کو لاحق ہوئی[1] اس کا اس سے بھی عذر کرتا ہوں ۔ پروردگار ہم لوگوں کو نیک نیت اور نیک خیال عطا کرے اور اس کا ثمرہ بھی دے!

میں منشی صاحب کے دعوے سے دست بردار ہوا ، اب فقط خدا سے دعویٰ ہے ، جس کا خزانہ بے شمار ہے اور کتب‌خانہ بے تعداد ہے اور یقین واثق ہے کہ وہ دے گا ، اور ضرور دے گا اور بہت زیادہ دے گا ۔

آمین! آمین! آمین!

آپ کا نیاز مند

محمد حسین عفی عنہ

پروفیسر عربی ، گورنمنٹ کالج ۔ لاہور

بر اسپیشل ڈیوٹی ، محکمۂ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ، پنجاب

(۱۸۷۹ع[2])

---

۱ ۔ اس خط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کا اخلاق ، نیک فطرت اور حوصلہ کس قدر بلند تھا اور وہ دوسرے کی مجبوری اور بے بسی کو کس طرح محسوس کرتے تھے ۔ اس لحاظ سے ان کے یہ خطوط ان کے نفسیات اور انداز زندگی ، شوق کتب اور انسان دوستی کے مظہر ہیں ۔

۲ ۔ ۱۸۷۹ع میں اپریل یا اس کے بعد لکھا ہو گا ۔

۷۶

(بنام نا معلوم)

عزیز من! زاد اللہ افضالکم[۱]!

بعد از دعاے فراوان معلوم باد ، تمھارا محبت نامہ پہنچا اس لیے باعث مسرت ہوا ۔ مجھے تو خبر ہی نہ تھی ، خدا تمھیں صحت دے ! گھبراؤ نہیں علاج کرتے رہیے ، ان شاء اللہ شفا ہو گی ۔

میرا حال بدستور ہے ، مدرسے کا حال یہ ہے کہ حضور سائم صاحب بہادر[۲] پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری لاہور کی بھی فرماتے ہیں ۔ ڈاکٹر سٹلپ ناگل صاحب[۳] انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملے تشریف لے گئے ہیں ۔ ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لائے ہیں ۔ کوب صاحب ان کا نام ہے ۔ یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں ۔

ماسٹر بھیروں پرشاد ( ) اسسٹنٹ پروفیسر ہیں ۔ ماسٹر ساگر چند بہ شرح ایضاً ، بابو شانتی بھوشن بہ شرح ایضاً مگر مستقل ۔

---

۱ - نقوش ، مکاتیب نمبر صفحہ ۱۲۳ — ''انسابکم''۔

۲ - J. Sime B. A. ۱۸۷۸-۹ء میں پرنسپل ہوئے ، اور ۱۸۸۰ء میں الیگزنڈر کی جگہ انسپکٹر لاہور بھی متعین ہوئے تھے ۔ (تاریخ گورنمنٹ کالج (انگریزی) ص ۳۰)

۳ - Stulpnagel - ۱۸۷۷-۸ء میں ڈاکٹر سٹلپ ناگل دلی کالج سے لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ہوگئے ۔

میں اور کیا لکھوں ۔ اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں ۔ ان شاء اللہ عنقریب دوا پہنچتی ہے ۔

والدعا و التماس دعا

محمد حسین عفی عنہ

پروفیسر گورنمنٹ کالج ۔ لاہور

(۱۸۸۰ء[1])

۷۷

بنام سجاد حسین[2] (طالب علم)

عزیز من!

ایک عرضی اپنی ہیڈ ماسٹر کے نام لکھو اور اس میں میرا نام لکھ دو کہ پیچھے وظیفہ آئے تو اسے مل جائے ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اس پر دستخط کر دیں ۔ میں اب تمھیں دس روپے دے دوں گا ۔ سہ ماہیہ لے کر رکھ چھوڑوں گا ، جب تم آؤ گے تو اپنے روپے وضع کر کے باقی تمھیں دے دوں گا ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

محمد حسین عفی عنہ

(۸۰ تا ۷۰)

---

۱ ۔ یہ تخمینی سنہ تاریخ گورنمنٹ کالج کے ذریعے معین کیا ہے ۔

۲ ۔ یہ تو معلوم نہیں کہ یہ سجاد حسین کون صاحب ہیں لیکن اس سے مولانا کی طلبہ نوازی اور محبت پر روشنی ضرور پڑتی ہے ۔ یہ خط ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے دور کا ہے جب مولانا علم کے شائقین کے لیے سر توڑ کوشش کر کے وظیفے دلوانے اور رہنے سہنے کا انتظام کیا کرتے تھے ۔

۷۸

بنام نوح رضوی مچھلی شہری[1]

آپ کے حب الوطن کے خیال قابل ہزار تعریف کے ہیں ۔ اور یہ عنایت خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوئی ہے اس کا تو شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا ۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں ۔

آپ تصویر منگاتے ہیں ، میرا یہ حال ہے کہ کئی برس ہوئے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا ۔ کبھی آئینہ سامنے آجاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا ۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر شرمائے ، اسے فوٹوگراف اتروانا اور اس تصویر کو عالم میں تشہیر کرنا کب گوارا ہوگا ۔

دو برس ہوئے ایک دوست رستے میں سے بہانہ کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی ۔ اگرچہ رنج ہوا مگر پھر شکر خدا کیا کہ الحمد للہ مجھے اس نے صحیح الاعضاء اور سلیم الصورۃ پیدا کیا ہے اور رکھا ہے ۔

حقیقۃً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں ؛ ڈیڑھ مہینے کے بعد آج ان شاء اللہ نہانے کا ارادہ کیا ہے، اگر خدا پورا کرے ۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی ، اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں چار سطریں لکھوں گا ، نہانے کو پھر دیکھ لیا جائے گا ۔

---

۱ ۔ یہ خط دربار اکبری کے مسودے میں سے ملا ہے ۔ مولانا کا قاعدہ تھا اگر مسودے میں اضافہ کرنے کے لیے کوئی کاغذ درکار ہوتا تو ایسا کاغذ بلا تکلف استعمال کر لیتے جو ایک طرف سے خالی نظر آئے ۔ اور اتفاق کی بات ہے اسی خط کے بین السطور میں جناب نوح کے خط کا جواب بھی لکھ دیا ۔ اس طرح یہ خط محفوظ ہو گیا ۔ (محمد باقر)

آج کل دربار اکبری لکھ رہا ہوں؛ اس میں اکبر کے امرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح 'آب حیات' میں شعرائے اردو کا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد اس کی تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں؛ اگر آپ کے ذریعے سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ

فروری ۱۸۸۲ء

۷۹

بنام کارلدہ راجا صاحب

جناب پنڈت صاحب مکرم بندہ! سلامت۔

آپ کو معلوم ہو کہ میں ایک مدت معہود[1] تک مکان سید مبارک[2] والا میں رہا، لیکن افسوس ہے اس کی حقیقت حال نہیں معلوم ہوئی، وہ میں لکھتا ہوں۔

۱۔ مکتوبات آزاد میں معہود کے بجائے معود چھپ گیا ہے۔

۲۔ اس مکان میں قیام کی تاریخ و مدت تو اس خط میں تحریر ہی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دھیان سنگھ راجا شیخوپورہ مقیم بھاٹی دروازہ لاہور (دیکھیے حکیم احمد شجاع: لاہور کا چیلسی نقوش شمارہ ۱۰۴ جنوری ۱۹۶۶ء) مالک مکان نے مولانا کے تخلیہ مکان کے بعد مقدمہ بھی دائر کیا۔ اس سلسلے میں ایک خط مولانا کے کاغذات سے ملا ہے، جو اس معاملے پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یکم جنوری ۱۸۷۹ع سے آ کر رہا ؛ نو روپے ماہوار کرایہ ٹھہرا ۔ آٹھ ، نو ، دس مہینے بعد ایک رقم کرایے کی دے دیا کرتا ، رسید باقاعدہ پنڈت جی ایک مطبوعہ کتاب میں سے چاک کرکے دیا کرتے تھے ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ کئی برس گزر گئے ، اب میرے پاس کوئی رسید نہ رہی ؛ اس روز سیاہ کی کیا خبر تھی کہ حفاظت سے رکھتا ۔

۲۷ ۔ مارچ ۱۸۸۲ع کو سخت تقاضوں سے اور نہایت تکلیف کے ساتھ وہاں سے اٹھایا گیا اور چھتیس روپے گیارہ آنے باقی نکالے اور لیے۔ جو نالش میرے نام عدالت میں دائر کی ہے اس کا عرضی دعوی٘ دیکھیے۔ لکھا ہے کہ چھ روپے مہینہ کرایہ مکان کا تھا ۔ اور تاریخ شروع لغایت کو دیکھتا ہوں تو بے اصل ، کرایہ نامہ طلب فرمائیے تو موجود نہیں ۔ اب خیال فرمائیے اس نالش کی تردید کیا مشکل تھی ؟ مگر صرف اس لحاظ سے کہ

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

جناب پنڈت صاحب گوبند رام جی (؟) سلمہ

تسلیم ۔ حویلی سید مبارک والی جو مولوی صاحب کے پاس ہے سری راجا صاحب بہادر کو خود ضرورت ہے ۔ دو تین ماہ سے آپ کو اس کے خالی کرانے کے واسطے کہا گیا ہے، آج سرکار نے حکم دیا ہے کہ مولوی صاحب کو نوٹس دے دو کہ یکم اگست ۱۸۸۱ع سے پندرہ روپے ماہوار کرایہ لیویں گے ورنہ ایک ہفتے کے اندر وہ مکان خالی کر دیویں ۔ جب کہ خود مکان کی ضرورت ہے تو تعجب ہے کہ مولوی صاحب خالی نہیں کرتے ۔ ان کو خود ہی اس پر خیال کرنا چاہیے تاکہ زبان پر کوئی کلمہ نہ آوے ۔

دستخط ؟ ؟ ؟

۲ ۔ اگست ۱۸۸۱ع

راجا صاحب کے مقابل میں بر سر اجلاس کھڑے ہو کر مجھے تردید کرنی مناسب نہیں ، میں نے زر مدعا آپ کے پاس بھیجا ، اور مجھے یقین تھا کہ آپ جو کچھ لیں گے حساب کتاب کرکے لیں گے ، بلکہ اسی واسطے اپنے بھائی[1] کے ساتھ بھیجا کہ ہر امر کو سمجھائیں گے۔ تعجب یہ ہے کہ آپ نے بالکل خیال نہ فرمایا :

۱ ۔ کرائے نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ ایک دالان ، دو کوٹھریاں بند ہیں ، ان میں اسباب پڑا ہے ، وہ خالی کردی جائیں گی ؛ اگر خالی نہ ہوں گی تو ایک روپیہ مہینہ وضع کردیا جایا کرے گا ۔ وہ بھی وضع نہیں ہوا ۔ لالہ دیبی داس اور پنڈت جی دونوں موجود ہیں ، ان سے گنگا جلی کے ساتھ حلف لیا جاوے ؛ انھیں اچھی طرح حال معلوم ہے ۔ میں اور میرا بھائی بار بار تخلیۂ مکان کے لیے تقاضا کرتے تھے اور وہ وعدہ کرتے تھے ۔

۲ ۔ کرائے نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ کوٹھریاں جو بے دروازوں کے پڑی ہیں، سب میں کواڑ لگ جائیں گے ۔ یہ شرط بھی پوری نہ ہوئی ۔ ایک سال بعد پانچ کوٹھریوں میں کواڑ لگے ، باقی سب کھلی رہیں ۔ اسی سبب سے مکانات خالی پڑے رہے اور نقصان مجھے اٹھانا پڑا ۔

---

۱ ۔ مولوی علی نقی ان کا نام تھا، پانی پت کے رہنے والے تھے ۔ مولانا کی بہن آغا صاحب ان سے بیاہی ہوئی تھیں ، لاہور میونسپل اسکول میں مدرس تھے، کوئی اولاد نہ تھی ۔

اس خط سے مولانا کے اخلاق اور حوصلے پر بھرپور روشنی پڑتی ہے ؛ وہ چاہتے تو مقدمہ لڑ سکتے تھے مگر شرافت نے روکا ، اور مالک مکان کو اپنا پناہ دہندہ خیال کیا ۔ (آغا محمد باقر)

اس بات کی گواہی دونوں صاحب اور کرائے دار جو اب تک موجود ہیں ، ضرور دیں گے ۔ آپ رسید بک اپنے دفتر کی دیکھیں ، اس میں مسلسل کرایہ مدخلہ میرا بہ حساب نو روپے ماہوار ، تین سال کا نکلے گا ، لیکن بہ موجب نالش کے چھ روپے ماہوار مجھے دینا چاہیے تھا ؛ تو ظاہر ہے کہ ایک سو آٹھ روپے میری طرف سے زیادہ پہنچے ، وہ مجھے واپس ہوں ۔ جب میں اس مکان سے اٹھایا گیا تو مجھے کہا گیا کہ مکان کریم الدین والے میں جا رہو ، اور چھ روپے مہینہ لیا جاوے گا ۔ میں نے برداشت اسباب میں... ...روپے خرچ کیے اور جو تکلیف برداشت کی اس کی قیمت کیا لگا سکتا ہوں ؛ ایک عیال دار آدمی خیال کر سکتا ہے ۔

وہ مکان آپ دیکھیے کہ میرے دل سے زیادہ[1] شکستہ ہے ۔ ساتھ ہی برسات آئی ، وہ گرنا شروع ہوا اور چھپروں کے پھونس اڑ گئے ۔ رائے مول سنگھ مر گئے ، لالہ کلیان داس[2] موجود ہیں ، ان کے پختہ وعدوں کے بھروسے پر کہ کرائے میں وضع ہو جائیں گے اس کی کہگل کرا دی اور چھپر بندھوا دیے... روپے خرچ ہوئے ۔ جب مکان مذکور کی کڑیاں ٹوٹ

---

۱ ۔ مولانا ان دنوں گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے اور ان کی مالی حالت ، عزت و شہرت عروج پر تھی ۔ لیکن گزشتہ دور میں انھیں جو صدمات اٹھانا پڑے تھے ان کا اثر ان کے دل و دماغ سے محو نہ ہوتا تھا ۔ (آغا محمد باقر)

۲ ۔ یہ دونوں افراد راجا صاحب کے کارندے ہوں گے ۔

ٹوٹ کر گرنے لگیں تو میں مجبور ہوا ؛ راجا صاحب کو پھر اطلاع کی گئی ؛ وہ خود بھی آئے ، وعدے بھی ہوئے ؛ کچھ ظہور نہ ہوا تو جانیں عزیز تھیں ، گروہ عیال کو لے کر نکل گیا ..... روپے اس میں بھی خرچ ہوئے ۔

مکانوں کی تکلیف اور اسباب کی برداشت میں جو تکلیفیں ہوئیں میں ضرور بھول جاتا ، مگر کئی لاجواب اور نایاب[1] کتابیں گم ہوگئی ہیں ان کا افسوس نہیں بھولتا ۔

اب میں رقمیں لکھتا ہوں[2] ؛ انصاف آپ کے ہاتھ ہے ، جو چاہے مجرا دیجیے جو چاہے کاٹ دیجیے ۔

بندہ

محمد حسین آزاد

(۱۸۸۲ع[3])

---

۱ ۔ مولانا کو کتابوں سے جو محبت تھی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ (آغا محمد باقر)

۲ ۔ بہ ظاہر اس خط کے ساتھ مولانا نے ان رقوم کی تفصیل بھی لکھی ہوگی جو وقتاً فوقتاً مکان کی مرمت اور نقل مکان کے سلسلے میں صرف کیں ؛ افسوس ہے وہ کاغذ نہ ملے ۔

۳ ۔ ظاہر ہے یہ خط ۲۷ ۔ مارچ ۱۸۸۲ع کے بعد کا لکھا ہوا ہے جب مولانا نے مکان مذکورہ خالی کیا ۔ اس کے بعد مولانا بنگلہ ایوب شاہ والے مکان میں چلے گئے ۔

میجر سید حسن بلگرامی

[نواب عمادالملک کے سوتیلے اور سید علی بلگرامی کے حقیقی بھائی تھے۔ انڈین میڈیکل سروس میں تھے، اور جیسا کہ خود کہا کرتے تھے، زیادہ تر فوج کے ساتھ رہے۔ کسی وجہ سے جو انھوں نے ہم لوگوں کو کبھی نہیں بتائی، مستعفی ہو کر مدتوں انگلستان میں رہے۔ ۱۹۱۲ع یا ۱۹۱۳ع میں وہ انگلستان سے واپس آ گئے اور علی گڑھ میں مقیم ہوئے۔ مغربی زبانوں میں انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور کسی قدر اسپینش جانتے تھے۔ میں نے خود ان کی زبان سے سنا تھا کہ انھوں نے اپنے سفر اسپین کے حالات قلمبند کیے تھے۔ یہ کیا ہوئے؟ اس کی مجھے خبر نہیں۔ انگلستان سے واپسی کے بعد وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سالانہ اجلاس کے صدر ہوئے تھے اور ان کا انگریزی خطبۂ صدارت چھپا ہوا موجود ہے۔ اردو میں میں نے ان کا ایک مضمون دیکھا تھا جو محمد علی کے اخبار 'ہمدرد' میں چھپا تھا۔ ان کا قلب کمزور تھا اور وہ شملے میں سر علی امام کے مہمان تھے کہ یکایک ان کی وفات ہو گئی (۱۹۱۵ع)۔ وہ کچھ دن اور زندہ رہتے تو یقین ہے کہ علی گڑھ کالج کے سکریٹری ہو جاتے۔ وہ مرزا غالب کے بڑے مداح تھے اور کبھی کبھی ان کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان کی زبان سے وہ قطعہ بھی سنا تھا جو نواب عمادالملک کی سند پر دیوان غالب کے بعض جدید نسخوں میں درج ہوا ہے۔

علی گڑھ کالج میں بلگرامی ٹیٹوریل کالج نامی بورڈنگ قائم کی تھی جس میں وہ خود رہا کرتے تھے۔

(حاشیہ نقوش آپ بیتی نمبر از قاضی عبدالودود صاحب، جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۷)

۸۰

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من! دام اجلالکم !

تسلیم ! عنایت نامہ باعث اعزاز ہوا - رات کو دس بجے میں گھر پہنچا - اس وقت خطوط اور کارڈوں کا انبوہ سامنے ہے ، دل دربار[1] میں ہے اور دو دو حرفوں میں سب کو ٹال رہا ہوں - آپ کی تحریر کا جواب فرصت چاہتا ہے ، مجھے کہاں ؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ماثرالامراء[2] اور سوانح اکبری کسی زمانے میں دیکھی تھیں - یہاں تلاش تھی اور نہیں ملتی تھیں ؛ چند مقاموں میں پرانی کتابوں کا پتا لگایا تھا ؛ چھ دن میں بھاگا بھاگا گیا اور دوڑا دوڑا آیا ؛ جو کچھ ہاتھ لگا اسے دیکھتا گیا اور یادداشتیں لیتا گیا - ماثرالامراء بھی مل گئی ؛ شکر کا مقام ہے کہ جو کچھ میں نے دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کرکے جمع کیا ہے وہ ماثرالامراء

---

۱ - مطبوعہ نسخوں میں یہی عبارت ہے - دربار سے مراد 'دربار اکبری' ہے -

۲ - مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب فرصت ملتی تھی ، کتابوں کی تلاش میں شہر شہر اور قریہ قریہ کا سفر کرتے تھے - دوستوں اور طالب علموں کے ذریعے معلوم کرتے تھے کہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس پرانی کتابیں ہیں - کتاب مل جاتی تو وہاں بیٹھ کر پڑھتے اور علمی تشنگی دور کرتے - اور اگر ممکن ہوتا تو قیمتاً خرید لیتے تھے - اگر خرید نہ سکتے تو ضروری حصے نقل کر لیتے - ان کی کمائی اور توانائی ہمیشہ انھی کاموں میں خرچ ہوا کرتی تھی - (آغا محمد باقر)

سے بہت زیادہ نکلا ؛ پھر بھی حق سے گزرنا کفر ہے ؛ ہر شخص کے حال میں تین تین چار چار نکتے مل گئے اور اچھے مل گئے ۔ سب سے زیادہ یہ ہے کہ اب جو 'دربار اکبری' کا مشاہدہ کرے گا یہ نہ کہہ سکے گا کہ آزاد کو مآثر ہاتھ نہیں آئی ۔

دونوں صورتوں کی تفصیل آپ اب پوچھتے ہیں ؟ افسوس دیباچہ لکھنے کی نوبت ابھی کہاں آئی ۔ خدا وہ دن کرے! دو صورتیں یہ کہ ایک تو وہی معمولی طریقہ کہ ایک نسخہ پہلے ممدوح کو بھیجا اور استمزاج کیا ، ممدوح نے منظور فرمایا ، مصنف نے شکریہ ادا کیا ۔ دوسری صورت کا مضمون آئینۂ خیال میں ایک تصویر موہوم ہے اور اس وقت فرصت مفقود ۔ اچھا میں خلاصہ قلمبند تو کرتا ہوں ۔ دیکھوں کچھ رنگ دیتا ہوں یا نہیں ۔

اس کا مضمون یوں تصور فرمائیے کہ جب اس موقع پر آب و رنگ اپنی دست کاری خرچ کرچکے تو عالم بالا کے پاک نہاد زمین پر اتر آئے ؛ دسوں عقلیں ، پانچوں حواس ، غور و فکر ، وہم و خیال وغیرہ وغیرہ سے انجمن منعقد ہوئی ۔ مانی و بہزاد کی روحوں نے اس کے سامنے ادب سے سر جھکایا ۔ پہلا امر یہ پیش ہوا کہ یہ دربار کہاں سجایا جائے ۔ سب نے دوربینیں اٹھائیں اور شش جہت میں نگاہیں دوڑائیں ؛ کہیں موقع کی جگہ نظر نہ آئی مگر وہ ایوان عالی شان وغیرہ وغیرہ ۔ وہم نے اعتراض کیا کہ جب تک ممدوح[1] سے اجازت نہ حاصل ہو ایسی جسارت زیبا نہیں ۔ آزاد نے کہا سحر کا نور ، شفق کی سرخی ، صبح کا عالم جب نظر آتا ہے اہل دل کہتے ہیں سبحان اللہ ۔ صبا و نسیم پھولوں

---

۱ ۔ ممدوح سے مراد سر سالار جنگ ہیں ۔ (بقول آغا محمد باقر صاحب)

کی شمیم لاتی ہیں دل کہتا ہے صل علیٰ ۔ اس میں آفتاب سے اجازت اور اس میں خسرو گل سے استمزاج کون کرتا ہے ؟ میں نے ایسا ممدوح یہاں پایا ، اسی کے دامن اقبال سے وابستہ کیا وغیرہ وغیرہ ۔ اسے سب نے تسلیم کیا ۔ اب غائبانہ عرض کرتا ہوں کہ وغیرہ وغیرہ ۔ میری دانست میں یہ بھی ایک نیا مضمون ہے اور اس میں کچھ ہرج نہیں ۔

۲۶ ستمبر ۱۸۸۲ء[1]
محمد حسین عفی عنہ
لاہور ۔ مستی دروازہ

۸۱

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من!

تسلیم ۔ جو کچھ عنایت فرمائی ، اس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں ۔ مگر انسداد تحریر کا سبب جب تک ذہن نشین نہ ہوگا ، ایک پھانس سینے میں کھٹکتی رہے گی ۔ کام کی کثرت کیسی ہی کیوں نہ ہو ، ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو ہوا ۔ خیر ، ان شاء اللہ کبھی موقع ہی سے یہ عقدہ حل ہوگا ۔ آپ نے غضب کیا ، وہ کٹا پھٹا میرا اعمال نامہ اصل ہی بھیج دیا ۔

---

۱ ۔ یہ خط نسخۂ مرغوب ایجنسی میں (۱۹۰۶ء) اور نسخۂ آزاد بک ڈپو طبع دوم میں ۲۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کی تحریر ہے لیکن صحیح ۱۸۸۲ء ہی ہے جیسا کہ خط نمبر ۱۱ سے واضح ہوگا ۔

عورتوں کا تذکرہ جو آپ فرماتے ہیں، ایسی کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری ؛ نہ مجھے ایشیائی مصنفوں سے امید ہے کہ کسی نے لکھی ہو۔ بھوپال سے بھی ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ ان مضامین کا کچھ سایہ مجھے دو، مگر وہ فقط شاعرہ عورتوں کے باب میں لکھنا چاہتے تھے۔ چناں چہ اس وقت میں نے مجملاً اتے پتے لکھ بھیجے ؛ اب جو میں خیال کرتا ہوں تو البتہ یہ ممکن ہے کہ ان عورتوں کے ناموں کو بہ تکلف پھیلایا جائے کہ جن کے کئی کئی شعر تذکروں میں مذکور ہیں۔ لیکن اصل مقصود آپ کا یہ ہے کہ ایسی عورتوں کے حالات ہوں جو صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصنیف ہوں۔ یہ بات نہایت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ فقط ایک گلبدن بیگم، ہمایوں کی بہن تھی کہ اس نے ہمایوں نامہ[1] لکھا تھا۔ وہ نسخہ بھی اب میرے پاس نہیں۔ دلی میں[2] بڑی کوشش سے بہم پہنچایا تھا۔ اس سے پہلے ورق پر چند عورتوں کے حال اور بھی کسی نے لکھ دیے تھے، وہ بھی شاعرانہ طور سے اور شاعری کے سلسلے میں۔

---

۱ - گلبدن بیگم بابر کی بیٹی تھی۔ فارسی میں اس کی کتاب 'ہمایوں نامہ' ایک زمانے میں بڑی مقبول ہوئی تھی جسے ایک انگریز خاتون نے شائع کیا تھا۔ گلبدن کا انتقال ۱۶۰۳ع میں بہ عمر اسی سال ہوا۔ (حاشیہ ترجمہ منتخب التواریخ صفحہ ۳۲۱)

۲ - مولانا کے والد ماجد مولوی محمد باقر مرحوم کے کتب خانے کا ذکر ہے جو ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں برباد ہوگیا تھا۔ مولانا سے ملنے کے لیے کوئی انگریز علم دوست لاہور آیا تھا۔ میر ممتاز علی شمس العلماء جو مولانا کے شاگرد تھے، کے ساتھ مولانا کے در دولت پر آیا اور ان سے گلبدن بیگم نامہ کے متعلق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سلیمہ۱ سلطان بیگم ہمایوں کی پھوپھی زاد بہن تھی -
وہ نہایت عالی فہم ، ذکی الطبع ، خوش تقریر ، صاحب تدبیر ،
لطیفہ گو ، بذلہ سنج تھی ، اور اکثر شاہ اور شہزادوں میں جو
معاملات اُلجھا کرتے تھے وہ سلجھایا کرتی تھی - لیکن اس سے ،
جہاں دیکھا ، ایک ہی شعر لکھا دیکھا - مخفی تخلص کرتی تھی اور
کتاب کا شوق رکھتی تھی - زیب النساء کا حال سب جانتے ہیں -

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
دریافت کیا - میر صاحب نے کتب خانے میں سے نکال کر اسے
دکھایا - یہ بات میر صاحب نے اپنے خط میں خلیفہ سید محمد حسین
وزیر اعظم پٹیالہ کو لکھی - وہ خط میرے پاس ہے - اس سے
معلوم ہوتا ہے کہ گلبدن بیگم نامہ مولانا کو کہیں سے بعد
میں مل گیا تھا -

۱ - سلیمہ کو آخر میں سلیم لکھا ہے ، ممکن ہے کاتب کی غلطی ہو -
قاموس المشاہیر میں سلیمہ کا نام بانو بیگم ہے جو سلیمان شکوہ
بن دارا شکوہ کی لڑکی تھی اور نیکو سیر شاہ آگرہ و دہلی کی
ماں تھی - اور سلطانہ بیگم ، سلیمانہ کوکل رخ بیگم کی بیٹی
بابر کی نواسی لکھ کر پھر لکھا ہے "مرزا نور الدین محمد سلیمہ کا
باپ تھا - سلیمہ کی شادی ۱۵۵۸ع میں بیرم خاں خان خاناں
کے ساتھ بہ مقام جالندھر ہوئی تھی - " (صفحہ ۳۰۶
قاموس المشاہیر ، جلد اول)
محمود احمد مترجم منتخب التواریخ نے جہانگیر نامہ وماثر الامراء
وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے :
"سلیمہ سلطان بیگم ہمایوں کی بھانجی تھی - اکبر نے ۹۶۵ھ
میں اس کا عقد بیرم خان خانخاناں سے کر دیا تھا - بیرم خاں کے
بعد خود اکبر نے شادی کر لی تھی - سلیمہ کا تخلص مخفی تھا -
اس کی وفات ۱۰ ذی قعدہ ۱۰۲۱ھ میں ہوئی -
(حاشیہ ترجمہ منتخب التواریخ صفحہ ۳۴۹)

خیر ، چند بیبیاں اور سہی ، مگر انھیں صاحب علم اور صاحب تصنیف کیوں کرکہہ سکتے ہیں ، جیسا کہ میرا اور آپ کا جی چاہتا ہے - پھر بھی خیال رکھوں گا اور جو سرمایہ بہم پہنچے گا اس سے آپ کو مطلع کروں گا -

آزاد

۲۸ ستمبر ۱۸۸۲ء

ہاں ! وہ شعر سلطان بیگم کا بھی یاد آ گیا ، آپ کے بھی خیال میں رہے :

کاکلت را من بہ‌مستی رشتۂ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرفِ پریشان گفتہ‌ام

۸۲

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من! دام مجدکم العالی!

میں تو پہلے ہی ادائے شکر میں قاصر تھا ، اب تو شکریہ مجذور ہوگیا ، اس پر حسن قبول تو سبحان اللہ وہ نعمت ہے کہ اس کا صلہ آپ کے جد[1] کی بارگاہ سے عطا ہو -

'آب حیات' کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ، فقط قدر افزائی ہے ، ورنہ "من آنم کہ من دانم -" آپ کے عنایت نامے اور آپ کے بھائی صاحب[2] کے مرحمت نامے کے مضامین تقریباً متحد تھے ، اس لیے دو دو جگہ لکھنا فضول سمجھ کر ان کے

---

۱ - یعنی حضرت علی علیہ السلام -
۲ - عمادالملک سید حسین بلگرامی مراد ہیں -

لیے لکھتا[1] ہوں اور آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں ؛ آپ ملاحظہ فرما کر بھیج دیجیے گا - جو کچھ[2] حال سنا ، میں نے صاف صاف لکھ دیا ہے -

آزاد

از لاہور

۱۵ اکتوبر ۱۸۸۲ع

۸۳

بنام میجر سید حسن بلگرامی

۳ جنوری ۱۸۸۳ع

یوم چہار شنبہ

عالی جناب من! ادام اللہ اقبالکم و ضاعف اجلالکم!

تسلیم - خدا آپ کو خوش رکھے کہ مجھ گنہ گار کے لیے دعا فرماتے ہیں - کیا کہوں! دس دن کی چھٹی ہوئی تھی ، باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا تھا ، چاہا کہ حاضر خدمت ہوں ، پھر کہا کہ چار سطریں ہی صاف ہوں گی، اکٹھی ہی باتیں کر لیں گے[3] -

کتاب‌النسواں انگریزی کا حال جو تحریر فرمایا ہے ، میں

---

۱ - نسخۂ مرغوب ''کہتا ہوں''-

۲ - شاید کسی علمی سوال کا جواب لکھا ہے جو سید حسن صاحب نے شائع نہ کیا -

۳ - نسخۂ مرغوب ایجنسی میں ''باتیں کر لیں گے'' کے بعد ایک سطر میں نقطے ہیں : شاید میجر صاحب نے خط کا کچھ حصہ حذف کر دیا ہے -

سمجھ گیا ۔ خدا اس دربار[1] سے فارغ کر دے تو آپ سے سرخ رو ہوں ۔ مجھے دل سے خیال ہے ، آپ کیوں شرمندہ کرتے ہیں ۔

محمد حسین آزاد

'درباراکبری' کاتب سے لکھواتا ہوں ، آپ بھی لکھ رہا ہوں ، خدا کرے کچھ ہو جائے ! اب خدا کے فضل سے کئی حال آپ کے سنانے کے قابل ہوگئے ہیں ۔ فیضی کے حال پر نظرثانی کی تو مذہب کے سلسلے میں مجھے خیال آیا تھا کہ دیکھیے آپ اور آپ کے بھائی صاحب اسے سن کر کیا فرماتے ہیں ۔ خدا وہ وقت دکھائے !

وصل اس کا خدا نصیب کرے!
میر، جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

آزاد

تاریخ صدر

۸۴

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من ! تسلیم ۔

آج مجھے ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو آج تک نہیں ہوا تھا ۔ وہی مشکی گھوڑا جس کا آپ سے کئی دفعہ ذکر آیا تھا ، سائیس لے کر بھاگ گیا ۔ وہ ۱۱ بجے دن کے یہاں سے گیا ہے ، اس لیے بدھ کو کسی وقت امرت سر میں ضرور پہنچے گا ؛ آپ اسی وقت پیش خدمت کو فرمائیں کہ سراؤں اور یکے خانوں میں جا کر

---

۱ - دربار اکبری ۔

ایک نظر ڈالے ۔ یہ گھوڑا یارقندی یابو ہے اور یک‌رنگ مشکی رنگ ہے ۔ پیشانی اور ناک کے پانچ سات بال سفید بھی نظر آئیں گے ۔ عمر میں آٹھ نو دس برس کا ہوگا ۔ لاغر اندام ہے ۔ سائیس کا امام دین نام ہے ؛ اس کا بھی مشکی ہی رنگ ہے ۔ پینتیس چھتیس برس کی عمر ہوگی ۔ اوسط قد ، لاغر اندام سر پر بال ، چھینٹ کا کنٹوپ ، متوسط ڈاڑھی چڑھواں ، کانوں سے بہرا ہے ۔ علاقہ کپورتھلے کا رہنے والا ہے[۱] ۔

کوتوالی لاہور سے بھی آدمی ادھر آدھر دوڑ رہے ہیں لیکن شاید وہ دیر میں پہنچیں ۔ میں کار تحریر کے سبب سے حاضر نہیں ہو سکا ورنہ خود آتا ، حاضری بھی دیتا اور یہ کام بھی ہوجاتا ۔

اس دن آپ کا تشریف لانا اور میرا ملاقات سے محروم رہنا اب تک دل کو خراش دے رہا ہے ۔ بہت سی باتیں تھیں کہ ضرور کہنے کے قابل تھیں ، خصوصاً بعض مشورے[۲] مسودات کتاب کے باب میں ۔ پروردگار پھر بہ خیر و سلامت ملنا

---

۱ ۔ اس واقعے کے بعد مولانا نے محکمہ تعلیم کے لیے جو قاعدہ تصنیف کیا تھا ، اس میں مندرجہ ذیل 'لطیفے' کا اضافہ فرمایا :
''ایک شخص کا گھوڑا چور لے گئے ۔ اس کے دوست پوچھنے آئے ؛ دیکھا کہ سجدے میں پڑا ہے اور خدا کا شکر کر رہا ہے ۔ پوچھا یہ کیا شکر کا موقع ہے ؟
بولا : ''اس بات پر شکر کرتا ہوں کہ میں اس پر سوار نہ تھا ، نہیں تو مجھے بھی چور لے جاتے ۔''
(محمد باقر)

۲ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنے تالیفات میں متعلقہ موضوع سے دل چسپی رکھنے والے دوستوں سے مشورے بھی لیا کرتے تھے ۔

نصیب کرے!

'نامۂ خسرواں'[1] ، یقین ہے کہ بعد ملاحظہ آپ نے روانہ کر دیا ہوگا ؛ اس کے باب میں جو آپ کے خیالات ہوں کچھ کچھ ضرور تحریر فرمائیے۔ ایسی تصویریں کہاں بن سکیں؟[2] یہ 'وڈ کٹر کا کام ہے ، شاید کاپر پلیٹ پر ہو ؟

'تذکرۃ العورات' کا حال جو آپ نے پہلے مرحمت نامے میں لکھا تھا معلوم نہیں کہ اس میں چاند بی بی کا بھی تذکرہ ہے یا نہیں ؛ یہ بھی بڑی با لیاقت اور صاحب ہمت بی بی دکن میں ہوئی ہے ؛ اسے نادرۃ الزمانی کہتے تھے ۔ آپ وہاں سے اس کے حالات دریافت فرمائیں اور مجھے بھی عنایت کریں ۔ ان شاءاللہ کبھی کام آئیں گے ۔ اس طرح مصالحہ اکٹھا ہوا کرتا ہے ؛ رفتہ رفتہ عمارت تیار ہو جاتی ہے۔[3]

محمد حسین آزاد

لاہور ، بنگلہ ایوب شاہ

۱۱ جنوری ۱۸۸۳ع

---

۱ ۔ 'نامۂ خسرواں' اس زمانے میں ایران کے ایک شہزادے نے لکھی اور بہت خوب صورت تصویروں کے ساتھ جرمنی سے چھپوائی تھی ۔ مولانا چاہتے تھے کہ ایسی ہی خوب صورت تصویریں 'دربار اکبری' میں بھی شائع ہوں ۔

۲ ۔ اس زمانے میں ہمارے ملک میں لکڑی پر بلاک بنانے کا کام شروع ہو گیا تھا ۔ مولانا کی ابتدائی درسی کتابوں کے بلاک ایک انگریز نے بنائے تھے جو آرٹ سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا ۔ ان میں سے ایک بلاک میں نے ڈاکٹر محمد دین تاثیر کے پاس دیکھا تھا جو انہیں میو سکول آف آرٹ کے کاٹھ کباڑ میں سے ملا تھا اور انھوں نے بہ طور تبرک محفوظ کر لیا تھا ۔

۳ ۔ مولانا زندگی بھر اسی قاعدے پر عمل پیرا رہے ۔ ان کے باقیات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۸۵

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من! تسلیم۔

گھوڑے کے باب میں جو عنایت فرمائی اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے سب طرف کو خط لکھ دیے ہیں؛ اسی ضمن میں آپ کو بھی تکلیف دی تھی، معاف فرمائیے گا۔ غلطی مجھ سے ہوئی کہ پسند پر منحصر رکھا ورنہ چار روپے کا معاملہ تھا، ریل میں ڈال دیتا، وہاں پہنچ جاتا۔ بے شک میں سزا کا مستوجب۔

سزا تو دل کی تھی قابل بہت سی مار کھانے کی
تری زلفوں نے مشکیں باندھ کر مارا تو کیا مارا[1]

سائیس کپورتھلے کا رہنے والا تھا، وہاں بھی تحریر دوڑا دی ہے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)
میں اس قسم کے نوٹ بے اندازہ موجود ہیں۔ پھر جہاں کہیں موقع ہوتا تھا انھیں استعمال کرتے تھے۔ تذکرۂ علماء ان کی مطبوعہ تصنیف ہے؛ اس میں انھوں نے علما کے حالات جمع کیے ہیں۔ ایک مسودہ تاریخی شہروں کے حالات پر مشتمل ہے۔ جہاں کہیں انھیں کسی شہر کے حالات ملے ہیں انھوں نے بلحاظ حروف ابجد انھیں یکجا کر لیا ہے۔ یہ حالات اکثر فارسی میں اور کہیں کہیں اردو میں ہیں۔ خیال ہے دربار اکبری کی تصنیف کے زمانے میں جہاں کہیں انھیں شہروں کے حالات ملے، انھیں وہ باقاعدہ جمع کرتے رہے۔ اگر یہ مسودہ مکمل ہو جاتا تو ان کا ایک زبردست کارنامہ ہوتا۔ (محمد باقر)

۱۔ ذوق کا شعر ہے۔

خیر یہ جھگڑے تو یوں ہی چلے جاتے ہیں ، اگر قسمت کا ہے تو ان شاء اللہ آ جائے گا ۔

سرمد اگرش وفاست خود می‌آید
گر آمدنش رواست خود می‌آید
بے ہودہ چرا در پئے او می‌گردی
بنشین اگر او خداست خود می‌آید

میرا حال یہ ہے کہ آج کل اس قدر مصروف ہوں کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا ۔ میں آپے سے باہر ہو گیا ہوں[1] اور ضعف نے نکما کر دیا ۔

آزاد

۱۶ جنوری ۱۸۸۳ع

۸۶

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

ایک امر واجب الاطلاع پیش آیا ہے ، ذرا متوجہ ہو کر سنیے۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ گورنمنٹ سررشتۂ تعلیم کے بوجھ سے سبکدوش ہونا چاہتی ہے ۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا کہ سررشتۂ تعلیم پنجاب کا بہت سا بوجھ یونی‌ورسٹی پنجاب

---

۱ - ۱۸۸۳ع میں مولانا ضعف کی شکایت کے ساتھ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ آپے سے باہر ہوگیا ہوں ۔ معلوم ہوتا ہے اصل بیماری کا آغاز ہو رہا ہے ۔ اس قسم کا اظہار اس تحریر میں بھی ہے جو انھوں نے 'آب حیات' کی پذیرائی کے شکریے میں اخباروں کو اشاعت کے لیے دی تھی ۔

اپنے سر پر رکھتی ہے۔ گورنمنٹ کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ کالج بھی یونی‌ورسٹی کے حوالے ہو جائے گا۔ یونی‌ورسٹی کی یہ رائے ہے کہ علوم و فنون ریاضی وغیرہ سب کی تعلیم ترجموں کے ذریعے ہو جایا کرے گی۔ فقط انگریزی کے لیے ایک ماسٹر اڑھائی سو روپے کا کافی ہے۔ سردست اس قدر تو نہ ہوگا مگر اتنا تو ضرور ہوگا کہ یونی‌ورسٹی کے پاس کئی مسجدوں کے ملانے اور ہندو پنڈت نکمے بیٹھے ہیں؛ طلبائے کالج کو یہ دیسی کتابیں پڑھا لیا کریں گے۔ کالج کے مولوی و پنڈت دونوں تخفیف۔ تب مولوی[1] کا کیا حال؟ یا گورنمنٹ کوئی عہدہ دے گی؛ اکسٹرا اسسٹنٹی؟ مشکل ہے؛ منصفی؟ تحصیل داری؟ شاید پنشن دے دے گی۔ اس میں ابھی دو برس کی کمی ہے مگر ہو سکتی ہے۔ خیر اگر ہو بھی تو پچاس روپے سے زیادہ نہیں۔ آسان اور عام قاعدہ یہ ہے کہ مسلسل نوکری ۱۳ برس کی ہے[2] اتنے مہینے کی تنخواہ

۱۔ مولوی سے مراد مولانا نے اپنی ذات لی ہے۔

۲۔ مولانا ۱۸۷۰ء میں کالج میں ملازم ہوئے۔ اس لحاظ سے ان کی مسلسل ملازمت ۱۳ برس کی ہوتی ہے۔ لیکن جب انھیں پنشن دی گئی تو ان کی خدمات کو مدنظر رکھ کر ڈاک خانہ اور محکمۂ تعلیم اور انجمن پنجاب کی مدت ملازمت بھی شمار کر لی گئی جو ۱۸۶۱ء سے شروع ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ جتنی مدت انھوں نے یونی ورسٹی کی ملازمت میں صرف کی اسے بھی شمار کیا گیا۔ یہ حکومت کی خاص قدر افزائی تھی۔ اور اس کی اجازت ملکہ وکٹوریا قیصرۂ ہند نے سیکرٹری آف سٹیٹ کی سفارش سے دی تھی۔ ان کی سندات کے فائل میں یہ چٹھیاں موجود ہیں۔ (محمد باقر)

لو اور سلام ۔ اس تجویز کا عمل درآمد اپریل سے ہو جائے گا ۔ اب خدا کی درگاہ سے امید ہے کہ تصنیفات کے لیے فرصت کا موقع ملا کرے گا [1]:

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
آنچہ ما در کار داریم اکثرش درکار نیست

آزاد

۱۸ جنوری ۱۸۸۳ع
۳ بجے شب

۸۷

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ آپ دیکھتے ہیں یہ علم کی چڑیل (پنجاب یونیورسٹی[2]) تعلیم پنجاب کو ہضم کیے جاتی ہے ۔ کالج کا بھی کلیجا کھا چکی ہے ، چند مہینے میں سن لیجیے گا کہ نگل گئی ۔ باوجود اس کے کورس بنانے کے لیے ہم پکڑے جاتے ہیں ۔ فرسٹ آرٹ اور بی ۔ اے کورس عربی و فارسی کے باب میں رائے طلب ہوئی ؛ اب بنانے کے لیے حکم ہے کہ جلدی دو ۔ قاآنی کا دیوان آپ کے پیش نظر ہے ، عنایت فرما کر اس میں چند عمدہ قصیدے

---

۱ ۔ اس بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا کی طبیعت کتنی قانع واقع ہوئی تھی اور انھیں تصنیف و تالیف اور اس کے ذریعے ملک و قوم کی خدمت کس قدر عزیز تھی ۔ (محمد باقر)

۲ ۔ قوسین کی عبارت دونوں مطبوعہ نسخوں میں ہے؛ بہ‌ظاہر یہ اضافہ مرتب کی طرف سے ہے ۔ (آغا محمد باقر)

بتائیے - ہر قصیدے کا مطلع یا پہلا مصرع لکھ دینا کافی ہوگا ؛ صفحہ شاید مطابق نہ ہوگا ، کیوں کہ کتب خانے میں چھاپۂ ایران کا نسخہ ہے -

خدا ہمارے بھائی ہندوؤں کو عقل مآل اندیش اور چشم دوربین اور نیک نیت عطا فرمائے ! . . . .

اگرچہ کورس کا جھگڑا پیچھے لگ گیا ہے ، مگر میں مصروف کار ہوں - مشکل یہ ہے کہ طبیعت محنت پسند واقع ہوئی ہے - انتخاب میں آسان بات یہ ہے کہ کتاب اٹھائی ، لکھ دیا کہ فلاں صفحے سے فلاں صفحے تک ؛ مگر اسے دل پسند نہیں کرتا - جی چاہتا[1] ہے ، ایسا انتخاب ہو کہ طلباء کے لیے مفید تعلیم بھی ہو اور پڑھنا اس کا ہر شخص کے لیے باعث شگفتگی ہو - البتہ اس میں محنت بہت ہے - بس اس وقت اتنا ہی کافی ہے -

۳ فروری ۱۸۸۳ع
منتظر جواب
بندہ آزاد

کالج کے باب میں ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا ؛ میرا فیصلہ بھی اسی پر منحصر ہے - ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار مجھے کوئی نہ کوئی عہدہ دے گی ؛ خواہ سررشتۂ تعلیم میں ،

---

۱ - مولانا کا مقصد تالیف شروع ہی سے یہ تھا کہ جس موضوع پر لکھیں اسے اس قدر شگفتہ انداز میں لکھیں یا ترتیب دیں کہ اس میں جاودانی کیفیت اور ہمہ گیر کشش پیدا ہو جائے ؛ وقتی کام اور آنی و فانی مقصد کبھی پیش نظر نہ رہا - یہی وجہ ہے کہ وقتی تقریریں اور کالج کے لکچر بھی آج سو برس ہو رہے ہیں مگر زندہ اور جان دار ہیں -

خواہ سول لائن میں ۔ اخیر درجہ پنشن کا ہے ۔ یہ تو ظاہر ہے
کہ جس گھر میں ایک سو پچاس روپے [1] مہینہ آتا ہے ، اس میں
پچاس روپے آئیں گے تو صورت حال کیا ہوگی ۔ لیکن دل کی
آزادی یہی کہتی ہے کہ قناعت کو رفاقت میں لو ، تھوڑا کھاؤ
اور اپنی کتابوں کو پورا کرو ۔ خدائے کریم کارساز ہے ، وہ
دینا چاہے گا تو اس کے ہزاروں ہاتھ ہیں ؛ عہدے کے لیے
کوشش نہ کرو ۔ آپ کی کیا رائے ہے ؟

پہلے بھی میرے کئی نامے خدمت میں پہنچ چکے ہیں ،
تعجب ہے کہ آپ نے ایک کا جواب نہیں دیا ۔ مزاج خدا
کرے اچھا ہو!

تاریخ صدر[2]

۸۸

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ مرحمت نامے نے شرف اعزاز بخشا ۔ طبیعت کا حال
آپ نے بالکل نہ لکھا ؛ بہرحال شکار کا شغل خوب ہے ۔ میری
عقل ناقص میں مزاج پر حرارت غالب ہے ۔ جنگل کی ہوا اس
کے لیے بہت مفید ہے ۔ صبح کی ہواخوری کان اور منہ بند کرکے
مسلسل جاری رکھیے اور ہرگز اس امر سے غافل نہ رہیے ۔

---

۱ ۔ عموماً السنہ٘ شرقیہ کے اساتذہ کو پچاس روپے تنخواہ ملتی تھی
مگر مولانا کو ڈیڑھ سو روپے ؛ اس وجہ سے معاصرین مولانا سے
حسد کرتے تھے ۔ (آغا محمد باقر)

۲ ۔ متن 'تحریر صدر' ۔ نسخہ٘ مطبوعہ ۔

میرے باب میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے، دل کو نہایت تشفی اور استقلال حاصل ہوا - اپنے جد کے خانہ زادوں کی دست گیری آپ صاحب نہ فرمائیں تو اور کون ہے - پروردگار عالم اس خاندان کو اقتدار روز افزوں عطا فرمائے! میں نے اپنے دل سے یہ قرار دے لیا ہے کہ اگر اکسٹرااسسٹنٹی دی تو اختیار کر لوں گا، ورنہ پنشن لوں گا - تھوڑے پر قناعت کروں گا اور دعاے دولت میں مصروف رہوں گا[1] - ہاں جو خدمت فرمائیں گے وہ بھی بجا لاؤں گا - کالج کا تغیر نہیں بھی ہوتا تو یہ سمجھ لیجیے کہ میں تو اب آپ صاحبوں کا ہوچکا ہوں -

تم سنو یا نہ سنو نالہ کیے جاؤں گا
دردِ دل کہنے سے مطلب ہے اثر ہو کہ نہ ہو
حشر پر وعدۂ دیدار ہے، میں ڈرتا ہوں
بھیڑ ہووے گی رخ یار ادھر ہو کہ نہ ہو

میں آج کل عجب مخمصے میں پڑ گیا . . . ادھر مجھے کورس وغیرہ کا مرض لگ گیا، ادھر کالج کا تردد کہ دفعتہً معلوم ہوا، آب حیات[2] اور نیرنگ خیال امتحان یونی‌ورسٹی میں داخل ہوگئی ہیں اور امتحان آغاز مئی پر ہوگا - سب نے کہا کہ دونوں کو ضرور چھپوانا چاہیے - ۳، ۴ سو طالب علم دفعتہً طلب‌گار ہوگا - مجھے بھی طمع نے للچایا اور فوراً شروع کردیا - اگر نہایت کوشش ہو اور کارگر بھی ہو اور کئی چھاپہ خانوں

---

۱ - شاید مولانا کو سر سالار جنگ کے یہاں سے وظیفے کی امید تھی -

۲ - آب حیات ۱۸۸۱ع میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی؛ ایک ڈیڑھ سال میں ختم ہوگئی؛ اب دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہو رہی ہے - اس سے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے -

سے کام لیا جائے تو دو مہینے چاہئیں ۔ خیر اب تو پھنس گیا ۔ دو دو ہزار چھپوانے شروع کیے ہیں ۔ مشکل یہ ہے کہ تنہا ہوں ، رفیق کوئی نہیں ۔ استغفراللہ یہ کیا کفر ہے ، موالی موجود ہے ۔

۱۰ فروری ۱۸۸۳ع

۸۹

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من! عظم‌اللہ آجور نا بمصابنا[1] !

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کاریکہ خدا کند فلک را چہ مجال

ہائے افسوس ! صد ہزار افسوس ! آسمان ٹوٹ پڑا ، زمین تہ و بالا ہوگئی ، خدا جانے کیا ہوا اور کیوں مر گئے! اچھا اب کیا ہو سکتا ہے ۔ یا ارحم الراحمین ، رحم کر بہ حق محمد و آل محمد!

اول ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرنی چاہیے بعد اس کے یہ سوچنا چاہیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے ۔ گورنمنٹ کو سب اہل عمل ایک موریل لکھیں کہ آپ جس طرح کل ممالک ہندوستان کے مالک ہیں اسی طرح اس قطعۂ مختصر کے بھی

---

۱ - ترجمہ : خدا ہمارے مصائب کے بدلے ہمارے ثواب میں اضافے فرمائے ۔ یہ فقرہ ذرا فرق کے ساتھ عاشور کے دن آپس کی ملاقات میں استعمال کرتے ہیں ۔ یعنی سلام علیکم کے بجائے کہا جاتا ہے : 'عظم اللہ اجورنا بمصاب الحسین علیہ السلام'۔

سر سالار جنگ نواب میر تراب علی خان نام ، ۲۴ جمادی‌الثانی ۱۲۴۴ھ میں ولادت اور ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۸ فروری ۱۸۸۳ع) کو وفات پائی ۔ (قاموس‌المشاہیر)

مالک ہیں ۔ آپ پر یہ واضح ہے کہ مرحوم جنت مکانی نے اس ریاست[1] کا انتظام کیا کر رکھا تھا اور کن کن اصول پر رکھا تھا ، اور یہ بھی واضح ہے کہ وہ کیسا تھا ۔ پس ایک کل یا ایک گھڑی جب کہ اپنے پرزوں کے ساتھ چل رہی ہے تو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کیا جائے ؛ اس لیے واجب ہے کہ اس انتظام کی حفاظت کرے ۔

(۲) گورنمنٹ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس انتظام کے کیسے کیسے مخالف پہلو میں موجود ہیں ۔ اس سے بھی اس انتظام کو بچائیے کہ خلل انداز نہ ہوں ۔

(۳) سرکار عالی[2] کی ناتجربہ کاری اور عدم واقفیت کا حال ظاہر ہے ۔ جس طرح مرحوم و مغفور نے انھیں اپنی حفاظت تربیت میں رکھا تھا ، کچھ عرصہ اسی طرح گورنمنٹ رکھے اور صاحب رزیڈنٹ اسی طرح نگران حال رہیں ۔

(۴) بہت سے مافی‌الضمیر اور تجویزیں ان کی تھیں کہ ظاہر نہ تھیں ، یا ابھی ارادے میں تھیں ، وہ ان کے خاص خاص ماتحتوں کے سینوں میں مخزون ہیں ؛ ان لوگوں کو صاحب رزیڈنٹ اپنے ہاتھ پاؤں سمجھیں اور ان کی صلاح سے کام کریں ۔

میں نے اسی وقت اخبار میں یہ حال دیکھا ہے ؛ عقل ٹھکانے نہیں ، حواس پریشان ہیں ، ہاتھ لکھنے کے قابل نہیں ۔ مگر لکھے بغیر رہ نہیں سکا اس لیے چند حروف نا مربوط لکھ کر لفافے میں بھر دیے ہیں ۔ آگے سوا افسوس کے کیا لکھوں ۔ جی چاہتا ہے کہ خود حاضر خدمت ہوں اور دل کی بھڑاس نکالوں ، مگر پھر کہتا ہوں

---

۱ ۔ ریاست حیدر آباد دکن ۔

۲ ۔ نظام حیدر آباد اس وقت نابالغ تھے ۔

کہ حاصل کیا ۔ اس لیے وقت پر منحصر رکھا ۔ اگر قسمت ملک یاور ہوئی تو عجب نہیں کہ مولوی سید حسین صاحب[۱] کو اس وقت میں گورنمنٹ بہت عزیز سمجھے ۔ کیوں کہ یہی زیادہ تر ان کی تدبیروں اور تجویزوں اور ارادوں کا خزانہ تھے ۔ جو کچھ ان کو معلوم ہے ، شاید کسی کو معلوم ہو ۔ ان میں بڑا وصف یہ ہے کہ سویلائزڈ[۲] ہیں اور گورنمنٹ کے مقاصد کو اغراض ملک کے ساتھ ترکیب دے کر اس طرح کام کر سکتے ہیں کہ دونوں نقصان یا ہرج سے محفوظ اور ایک دوسرے کے فوائد اور منافع اور آسائش و آرام سے متمتع ہوں ۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے!

آزاد

از لاہور ۱۱ فروری ۱۸۸۳ء

۹۰

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من! ادام اللہ اقبالکم و حصل اللہ آمالکم!

تسلیم ۔ آپ کا مرحمت نامہ تو پہنچا مگر اس نے رنج کو دوبالا کیا ، کیوں کہ نہایت دل شکستگی پائی جاتی تھی ۔ بے دل ہرگز نہ ہونا چاہیے ۔ مولٰی اسد اللہ الغالب؏ موجود ہیں ۔ ان شاء اللہ پہلے سے اچھا ہوگا ۔ میں نے انہیں احتیاطاً کچھ نہیں

---

۱ ۔ مولوی سید حسین عماد الملک اراکین سلطنت دکن سے تھے ۔ سالار جنگ کے معتمد و مشیر تھے ۔ شمس العلماء سید علی بلگرامی اور میجر سید حسن کے بھائی تھے ۔ تدبر ، قابلیت اور اعلٰی صلاحیتوں کی بنا پر ریاست کی مدارالمہامی کا امکان تھا ۔

۲ ۔ جدید علوم و تہذیب سے آراستہ ۔

لکھا ، آپ لکھ بھیجیے گا کہ رجوع قلب سے عرض کرتے رہیں
سب مشکلیں آسان ہوں گی :

تجھے پھر کون سی مشکل ہے اے میر
اگر مشکل کشا تیرا علیؑ ہے

میں گنہ گار روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں، خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے! دنیا کے اعتبار سے اتنا ہوا کہ جہاں جہاں ہوسکا ، خیالات کو بدلا ، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو رسائی دی ہے ، جو کچھ خدمت میں پہنچتا ہے ملاحظہ فرمائیے گا ۔

میرے پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں ، آپ ہی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں ۔ اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین نہ آئے (گا) لیکن غالباً آپ کے دل پر اس فقرے کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ کم آپ سے رنج ہو ۔ میں رویا اور میں نے اور میرے یہاں[1] نے اس مرحوم کی نماز ہدیۂ میت پڑھی ۔ مجھے امید نہیں کہ ان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی ۔

حضرت! آپ ہم لوگوں کو نہیں جانتے ؛ آپ کے جد جانتے ہیں ؛ ہم کچھ اور لوگ ہیں ۔ اللہ ان کے صدقے سے ، ان کی خاکِ آستاں کے صدقے سے ، ان کے کتوں کے صدقے سے خیر و برکت شامل حال رکھے ، اور فی الحال تو میری عرض ہے کہ خدا آپ کی بات بنا دے ! فقط ۔

والدعا بالتماس دعا
آزاد
۱۵ فروری ۱۸۸۳ع

---

۱ ۔ اہلیۂ آزاد مراد ہیں ۔

۹۱

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من[1] !

تسلیم ۔ آپ کو یاد نہیں ، میں نے عرض کیا تھا — یعنی اس دن میں کالج میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ دو طالب علموں نے آ کر اس حادثۂ ناگہانی کی خبر دی ۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دل پر صدمہ ہوا ۔ وہ متحیر ہو کر مجھے دیکھنے لگے اور اس معاملے میں تقریریں معمولی کرنے لگے ۔ میں نے کہا کہ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ؛ اس وقت ہمیں دو باتوں کا فکر کرنا چاہیے ۔ ایک یہ کہ آن کے محامد و اوصاف اس طرح بیان کرنے چاہئیں جس سے پبلک اور گورنمنٹ کے دل پر آن کے حقوق کی یاد کے نقوش تازہ ہوں ۔ دوسرے یہ کہ آن کے لڑکوں کے ساتھ حقوق مذکورہ مدنظر رہیں ۔ دونوں باتوں کے ضمن میں کوئی ایسی بات بھی جس سے آن کا نام روشن ہو کر قائم رہے ۔ اور مرثیہ خوانی اور تاریخیں لکھنی جو کہ شیوۂ قدیم ایشیا کا ہے ، یہ تو مجھے پسند نہیں ؛ اب اس کا زمانہ گزر گیا ہے ۔ انھوں نے کہا ، پھر یہ کیوں کر ہو؟ میں نے کہا ، مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا ؛ نہ میں کسی قابل ہوں ؛ اتنا ہے کہ دربار اکبری درست کر رہا ہوں ، یہ آن کے نام پر کردوں گا ۔ دونوں خوش ہوگئے اور کہا کہ ضرور کیجیے ۔ یہ عمارت عظیم الشان آن کے نام پر یادگار ہوگی جو کبھی منہدم نہ ہوگی ۔ میں نے کہا بلکہ دو تین اور بھی ۔

---

۱ ۔ مکتوبات آزاد طبع مرغوب ایجنسی میں 'جناب من' نہیں ہے ۔

اب آپ کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ دربار مذکور کو اگرچہ طبع 'نیرنگ خیال' اور 'آب حیات' کے سبب سے آج کل ملتوی کر دیا ہے ، مگر تمام مسودے پہلو میں دھرے ہیں - یہ چھپائی چھ مہینے کا کام تھا جسے میں نے ڈیڑھ ماہ میں کیا - ان شاء اللہ ۲۵ دن ، حد ایک ماہ کا کام اور ہے ، اس سے فارغ ہوں تو پھر اسے سنبھالتا ہوں - خدا و مولٰی اسد اللہ الغالبؑ سرانجام کو حد انجام پر پہنچانے والے ہیں - مگر مشورت طلب یہ نکتہ ہے کہ آیا وہی[1] ڈڈیکیشن کا مقرری خاکہ رنگ بھر کر سجا دوں یا اسے موقوف رکھ کر یہ لکھوں کہ ایسے شخص کے حادثۂ جان کاہ پر عالم نے نالہ و زاری کے حق ادا کیے اور یادگار کے لیے تاریخیں اور نظمیں لکھیں ؛ فقیر آزاد سے اور کچھ نہ ہوسکا ، یہ کتاب اُن کے نام پر لکھتا ہے کہ ان دنوں زیر قلم تھی :

"چہ کند بے نوا ہمیں دارد"

مزا تو اس کا جب تھا کہ خود لے کر جاتا اور بعض مقامات اس کے اپنی زبان سے اُن کے سامنے پڑھتا اور دیکھتا کہ کس کس مقام پر وہ کیا فرماتے - ہائے سر سالار جنگ ! سارے ارمان دل کے دل میں رہے - ہائے سر سالار جنگ !

مولٰی اسد اللہ الغالبؑ حاضر و ناظر ہیں کہ پھر آنسو آنکھوں میں بھر آئے - آپ سے کیا اپنا حال کہوں ، میرا دل کچھ اور دل ہے[2] -

---

۱ - دیکھیے خط نمبر ۱ -

۲ - ہر نقش دل میں بیٹھ جاتا اور ہر منظر آنکھوں میں پھرا کرتا ہے ؛ مولانا اسی دنیا کے ہو جاتے ہیں -

بہرحال آپ مطمئن رہیں ؛ ان شاء اللہ جلد ختم کرتا ہوں ۔ کلکتے تک سے بمبئی مدراس تک سے برابر درخواستیں آرہی ہیں اور گھر میں کچھ بھی نہیں[1] ۔

پرسوں اتوارکو یہاں ایک بڑا جلسہ تھا ۔ لاہور و امرت سر کے دولت پرست جمع ہوئے تھے کہ کپڑے کی کل پنجاب[2] میں جاری ہو ۔ وہاں کوئی بولا کہ آزاد کہاں ہے ؟ اس سے بھی تو پوچھو ۔ وہیں سے کوئی بولا کہ اس نے کمیٹیوں کو بالکل استعفا دے دیا ہے ، وہ تو اب تصنیفات میں غرق رہتا ہے ۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ آج کل وہ دربار اکبری لکھ رہا ہے ، مگر اکیلا ہے ، کوئی رفیق اور مددگار نہیں ۔ کئی شخصوں نے کہا کہ وہ کس طرح کی مدد چاہتا ہے ؛ جو ہم سے ہوسکتی ہے ، ہم بھی کریں ۔ میں درماندۂ تائید و تدبیر کیا کہوں کہ میرا کام سوا خدا و مولٰی کے مدد پزیر نہیں ۔ یا علی مدد! چار بجے ہیں ، صبح قریب ہے ، وقت تو قبول کا ہے ، اگر سائل کی آواز حضور تک پہنچ جائے ۔

فقیر آزاد
۲۰ مارچ ۱۸۸۳ع[3]
ساعت ۴ قریب صبح

عجب تماشا ہے آفرینش کا ؛ ضمیر تو یہ اور تصنیفات کے مضامین دیکھ کر . . . مجھے نیچری کہتے ہیں ۔ ہاں ، ہاں ! نیچری ہوں ، مگر علی کا نیچری ہوں :

---

۱ ۔ آب حیات کی مانگ کا تذکرہ کیا ہے ۔
۲ ۔ تجویز تھی کہ ایک کپڑے کا کارخانہ قائم کیا جائے ۔
۳ ۔ طبع نظام الدین سنہ ندارد ۔

من نمی‌گویم و لیکن از تو چیزی دیده است
آں کہ می‌گوید خدایت یا امیرالمومنین !

۹۲

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من !

تسلیم - عجب ہجوم محنت میں مبتلا ہوں - الحمد للہ کہ دس گیارہ دن کا کام رہ گیا ہے ، اور یہ سخت تر وقت ہے - سوا مہینے سے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں - میری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ ہر شخص پوچھتا ہے کہ تم کچھ بیمار تھے - نعوذباللہ ! غالباً میں نے آپ کو نہیں لکھا ؛ ایک مہینے سے زیادہ ہوا کہ جموں سے ایک دوست کا خط آیا ؛ اس میں لکھا تھا مہاراجا صاحب ایک تاریخ کی کتاب لکھوانا چاہتے ہیں جس میں عام سلاطین کے حالات ہوں مگر زور اس بات پر ہو کہ سلطنت اس خاندان میں کیوں کر اور کن کن اسباب سے آئی ، اور گئی تو کن کن سببوں سے گئی - مثلاً بادشاہ کی بے پروائی یا عیاشی یا بدنیتی وغیرہ سے یا ارکان دولت کی بے لیاقتی یا نمک حرامی سے - مجھے لکھا تھا کہ تم اس کام کا ذمہ لو اور لکھو کہ کیا تنخواہ لوگے - میں نے عدیم‌الفرصتی کا عذر کر کے ٹال دیا - آٹھ دس دن ہوئے کہ وہ خود آئے اور کہا کہ ان کی نوکری اختیار کرو تو کیا تنخواہ لوگے ، اور اس میں اصرار کیا - میں نے صاف جواب دے دیا اور انکار کیا - غالباً آپ کے نزدیک بھی نامناسب نہ ہوگا - میری اپنی کتابیں ناتمام پڑی ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں اور میری جان انھیں میں لگی ہے - میں کسی کی کتاب

لکھوں ؟ طمع کا منہ کالا ہے ۔ آپ نے اخباروں میں دیکھا ہوگا
کہ ڈسٹرکٹ مدارس سر رشتۂ تعلیم سے الگ ہوکر انتظام جدید
میں آ گئے۔ کالج کا بھی ایسا ہی حال ہوگا ۔ کالج کا مولوی اور
پنڈت ضرور تخفیف میں آئے گا کیوں کہ یونیورسٹی پنجاب میں
مولوی اور پنڈتوں کی کیا کمی ہے ۔ اچھا مجھے پنشن بھی
دے دیں گے تو قناعت کروں گا اور تصنیفات کو پورا کروں گا ؛
اپنے لخت جگر بچوں[1] کو نیم جان تڑپتا نہ چھوڑوں گا ۔ چھپائی
کا کام دس بارہ دن سے زیادہ نہیں رہا ۔ آب حیات نے مجھے ہلاک
کر دیا ۔ مجھ سے بے وقوفی ہوئی ہے ؛ دس مہینے کا کام تھا جو
ڈیڑھ ماہ میں کیا ہے[2]۔ اللہ آسان کرے! جناب مخدوم و مکرم
اپنے بھائی صاحب کو تسلیم کہیے گا اور یہ بھی کہیے گا کہ
'کوہ نور، دیکھتے ہیں یا نہیں ؟ بہتر ہے کہ ضرور دیکھا کریں
تاکہ حال تو معلوم رہے ۔

آزاد

۱۸ اپریل ۱۸۸۳ع

---

۱ - لخت جگر اور بچوں کو نیم جان نہ چھوڑنے سے مراد یہ ہے
کہ اپنی تالیفات اور اپنی نامکمل کتابیں مکمل کرنا چاہتا ہوں ۔
اچھی نوکری اور معقول تنخواہ کے عوض اپنا کام چھوڑنا گوارا
نہیں ۔ قناعت اور شوق اس کا نام ہے ۔

۲ ۔ آب حیات اور نیرنگ خیال کی طباعت کے انتظام اور اپنی
مصروفیت کا ذکر ہے ۔

۹۳

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من!

تسلیم - کئی دن سے کہہ رہا تھا کہ لکھوں اور لکھوں اور آج ضرور لکھوں گا کہ مرحمت نامہ آن ہی پہنچا - خدا آپ صاحبان کو بہ دولت و اقبال و ترقیات روز افزوں سلامت رکھے کہ مجھ جیسے نالائق کو کس طرح یاد رکھتے ہیں - میرا حال یہ ہے کہ تقریباً ۸ دن ہوئے ہوں گے آب حیات اور نیرنگ خیال سے چھٹکارا ہوا - مگر اس سال یونیورسٹی مجھ پر مہربان ہوئی ، زبان اردو میں طلباء داخلہ کا ممتحن مقرر کیا اور زبان دانی میں اردو اور فارسی کا اور ایک حصہ عربی کا - ان کے سوالات بنانے ایسا وقت نہیں لیتے مگر کاغذات جو نمبر لگانے کو آئے ہیں، وہ چھاتی پر پہاڑ ہیں - ۶۱۸ کاغذ ہیں اور آج سے دس دن کی مہلت باقی ہے - خدا اس بلا سے جلد مخلصی دے! یہ درست ہے کہ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو روپے کا فائدہ مجھے ہو جائے گا یا شاید کچھ زیادہ ، مگر خدا گواہ ہے کہ میں اس پر خاک ڈالتا ؛ منظور فقط اس لیے کیا کہ اس دفعہ کالج کا معاملہ نازک ہو رہا ہے ، رجسٹرار ناراض ہو جائے گا تو لوگ مجھے احمق بنائیں گے اور کہیں گے کہ ڈاکٹر لائٹنر تو بہ اسباب خاص ناراض ہوگئے، اور ان کی ناراضی بے شک تدارک پزیر نہ تھی ، انھیں تو نے کیا سمجھ کر ناراض کردیا - اس سبب سے یہ بوجھ سر پر لیا ورنہ آپ یقین فرمائیے کہ آزاد روپے کا لالچی نہیں - ڈاکٹر لائٹنر صاحب نے کئی دفعہ ممتحن کیا اور میں نے صاف انکار کر دیا - اب بات فقط اتنی ہے کہ ایک منشی بھی میں نے رکھ لیا ہے ، وہ

میرے ساتھ کام کر رہا ہے ۔ ان شاء اللہ دس دن میں میں اس کام کو ختم کر دوں گا؛ پھر دربار اکبری ہے اور میں ہوں ۔ مولٰی اسد اللہ الغالب مظہرالعجائب کا فضل شامل حال چاہیے، آپ دیکھیں گے کہ تیسرے ہفتے میں کچھ نہ کچھ لے کر حاضر خدمت ہوں گا ۔ آپ انھیں[1] پھر لکھ دیجیے گا کہ آپ سمجھ لیں میری کل تصنیفات مرحوم و مغفور[2] کی ہوچکیں ۔ خدا گواہ ہے مجھے ان سے غائبانہ عشق تھا ۔ پہلے لکھتا تو خوشامد تھی اب تو خاص ان کے اور میرے درمیان معاملہ ہے ۔ دیکھیے آج لوح روحانی[3] پر ان کا خیال کروں گا ۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی باتیں قابل یقین ہرگز نہیں ۔ لیکن اس سے میں نے ایک بہلاؤ اپنے دل کا کر رکھا ہے ۔ رات کو ایک بجے دو بجے بیٹھ کر باتیں کیا کرتا ہوں ۔ اور یقین آپ کریں کہ یہ ابنائے زمان اخوان الشیاطین جو زندہ ہیں ان سے تو اس کی باتیں بہرحال بہتر ہیں :

---

۱ - عمادالملک سید حسین بلگرامی مراد ہیں ۔ (محمد باقر)

۲ - سالار جنگ بہادر مرحوم ۔

۳ - مولانا کے پاس ایک لوح تھی جس پر روغن ڈال کر چراغ کے سامنے بیٹھ جاتے تھے ۔ تھوڑی دیر بعد اس میں صورتیں نمودار ہوتی تھیں اور مولانا اس سے باتیں کرتے تھے ۔ جالب دہلوی لکھتے ہیں کہ مولانا نے اپنے اوقات کا ایک حصہ روحانیات پر غور کرنے کے لیے مختص کر لیا تھا - متعدد اشغال و اذکار کو اپنا لازمہ زندگی بنا لیا تھا ۔ ذکر خفی و جلی اور ورد ناد علی میں وہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ آپ کے سانس کی حرکات بعض اوقات پاس بیٹھنے والوں کو چونکا دیتی تھیں ۔ مولانا کے بستوں میں اب تک طلسمات و الواح محفوظ ہیں

بس کہ از برخورد عالم عکس مطلب دیدہ‌ام
میرمم از آب از آئینہ پنہاں می‌شوم !

آپ نے تصویروں کا کچھ بندوبست نہ فرمایا ۔ مجھے اکبر کی ایک تصویر ہاتھ آئی کہ تین چار ترک عورتیں بیٹھی ہیں، اور وہ دو تین برس کا بچہ بیچ میں کھیلتا پھرتا ہے ۔ رات کا وقت ہے ، شمع روشن ہے ، جھنجھنے وغیرہ سامنے پڑے ہیں ۔ یہ اکبر کے ابتدائی حالات میں لگانی واجب ہے ۔

ایک ایسی ہی پرانی تصویر اور ملا دوپیازہ کی ہاتھ آئی ؛ بیربل کے ساتھ اسے بھی لگانا واجب ہے ۔ اگرچہ کتاب سے ملا دوپیازے کی اصل نہیں معلوم ہوتی،مگر مسخروں اور بھانڈوں نے اس کا شملۂ دستار بیربل کی دم میں مضبوط باندھا ہے ۔

راجا مان سنگھ کی تصویر[1] بھی سندی ہے ؛ سرکار الور سے منگائی ہے ۔ بہت سمع خراشی کی ، اب ان شاء اللہ پھر ۔

محمد حسین آزاد
۱۸ مئی ۱۸۸۳ع

۹۴

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ بارہ دن کا عرصہ ہوا کہ ایک نسخہ 'آب حیات' طبع جدید بذریعۂ عریضۂ نیاز ارسال خدمت کیا ہے ؛ تعجب ہے

---

۱ ۔ افسوس ہے کہ مولانا کا یہ ذخیرہ ضائع ہوگیا ، ورنہ دربار اکبری با تصویر منہ بولتا نگارخانہ ہوتا ۔

کہ اب تک رسید اس کی نہیں پہنچی ۔ کتاب[1] مذکور میں اگرچہ جا بہ جا بہت مطالب زیادہ کیے ہیں مگر میر انیس مرحوم کے خاندان کا حال اور مرزا دبیر مرحوم کا حال آپ سے داد طلب ہے ۔ اب کی دفعہ فہرست بھی بہ نسبت طبع اول کے مفصل تر لکھی ہے ؛ اسے ملاحظہ فرما لیجیے گا ۔ اگر فرمائیے تو ایک نسخہ آپ کے بھائی صاحب قبلہ[1] کی خدمت میں بھی بھیج دوں ۔ مگر انھیں ایسے ہزلیات کے دیکھنے کی فرصت کہاں ہوتی ہوگی ۔ پھر یہ بھی فرمائیے کہ ایک نسخہ سید لائق علی خاںؑ کی خدمت میں بھیجوں یا کچھ ضرورت نہیں ، اور انھیں بھیجوں تو پھر جناب عالی کے لیے کیا رائے ہے ؟

'دربار اکبری' کو لپٹ رہا ہوں ، مگر دو ہی دن جم کر بیٹھا تھا کہ آنکھوں نے رنگ بدلا اور دماغ جواب دینے لگا ۔ خیر ، میں نے ایک دن آرام دیا ، تخفیف معلوم ہوئی ۔ اب آہستہ آہستہ چلا جاتا ہے ۔ خیر ، کام خدا کے فضل سے ہوگیا ۔ مگر افسوس اس بات کا آتا ہے کہ بے وقت ہوا ۔ خدا اس مرحوم کو اعالی علیین میں مراتب قربت عطا کرے! اگر وہ زندہ ہوتا تو ان چھٹیوں میں خود جاتا اور سناتا ، جب دل کا ارمان نکلتا ، کیوں کہ میں دیکھتا کہ وہ کیا کہتے ہیں

---

۱ ۔ 'آب حیات' کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۱ع اور دوسرا ایڈیشن ترمیم و اضافے کے بعد شائع ہوا ۔ اس نسخے میں مومن ، انیس و دبیر کا حال خصوصیت سے لکھا گیا جو پہلے ایڈیشن میں رہ گیا تھا ۔

۲ ۔ مولانا نے ایک نسخہ عمادالملک اور ایک نسخہ لائق علی خان وزیراعظم کے لیے بھیجا ہے ۔ انھیں بار بار سالار جنگ یاد آتے ہیں ۔ وہ سالارجنگ سے کتاب میں مشورہ بھی لینا چاہتے تھے اور کتاب انھیں کے نام سے معنون کرنے کی حسرت تھی ۔

اور کس کس مقام پر کیا رائے لگاتے ہیں ۔ اب جو لکھنا تھا وہ میں نے لکھ لیا اور ہر ایک حال مسلسل بھی ہوگیا ۔ جو کام باقی ہے وہ فقط اتنا ہے کہ کہیں کوئی فقرہ بڑھا دیا ، کہیں دو کو ایک کر دیا ، کہیں کوئی لفظ بدل دیا ، کہیں پس و پیش کر دیا ۔ خیر ، اللہ سب مشکلوں کا آسان کرنے والا ہے ۔

دیکھیے تصویروں کے باب میں اتنا لکھا، جناب سید صاحب[1] نے جواب بھی نہ دیا ۔ آٹھ دس تصویریں بہم پہنچائی ہیں ، جس طرح ہوگا انھیں سے اس گڑیا کو سنوار کر حاضر کر دوں گا ۔ افسوس کہ فرصت نہیں ۔ خیر اب پھر ۔

محمد حسین آزاد
لاہور ، بنگلہ ایوب شاہ
۱۰ اگست ۱۸۸۳ع

۹۵

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ مرحمت نامۂ عالی نے شرف اعزاز بخشا ، مگر میں تحریر عریضہ میں مقصر رہا ۔

الحمدللہ ، آپ کے جد کے تصدق سے نور چشم[2] پر خدا نے فضل کیا کہ اڑھائی مہینے ہوئے اسے پٹیالے روانہ کر دیا ۔

---

۱ ۔ سید صاحب سے مراد سر سید احمد خاں ہیں ۔
۲ ۔ نورچشم سے مراد مولانا کی صاحب زادی ہیں ۔ (آغا محمد باقر)

مگر جس دن آپ کا مرحمت نامہ پہنچا دوسرے دن اس کا خط آیا کہ لڑکا[1] اس کا بہت علیل ہوگیا ۔ میں بہت پریشان ہوا اور یہاں سے ارسال ادویات کی فکر میں مصروف رہا ۔ کچھ دل بھی ٹھکانے نہ رہا ۔ شکر خدا کا کہ کل وہاں سے خط آیا ، جس سے گونہ اطمینان حاصل ہوا ۔ تحریر جواب میں جو دیر ہوئی ، معاف فرمائیے گا ۔

دو نسخے 'آب حیات' حیدر آباد کو روانہ کر دیے ، اور آپ کے بھائی صاحب کو عریضہ لکھ دیا کہ ایک نسخہ اپنے کتب خانے میں رکھیں ؛ دوسرے نسخے کے لیے اس‌قدر مرحمت فرمائیں کہ ایک عریضہ میری طرف سے لکھوائیں اور حضور نواب سید لائق علی خان بہادر کی خدمت میں پیش فرمائیں ۔

جن جن[2] نسخوں کے لیے آپ نے ارقام فرمایا ہے ، بے شک حصول مقاصد اور مطلب برآری کا رستہ یہی ہے ، مگر کیا کروں کہ طبیعت ایسی واقع نہیں ہوئی ۔ میں ہمیشہ یک رخ بازی کھیلا ہوں ؛ اور خدا چاہے تو یہی چال چلوں گا ؛ جیت ہار خدا کے ہاتھ ہے ۔ کبھی تو ہارا پانسہ بھی سیدھا پڑے گا :

رسید مژدہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند
چناں نہ ماند و چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

---

۱ مولانا کے نواسے سید محمد سالم صاحب مراد ہیں ۔ (آغا محمد باقر)
۲ ۔ میجر صاحب نے لکھا ہے کہ فلاں فلاں صاحب کو آب حیات بھیج دیجیے کہ اس سے فائدہ ہوگا ۔ لیکن مولانا کی طبیعت یہ کام گوارا نہیں کرتی ؛ سودا بازی سے متنفر نظر آتے ہیں ۔

امرتسر کے باب میں روز بندوبست کرتا ہوں ، پھر یہی کہتا ہوں ، جو گھڑی اس کام میں صرف ہوجائے ، وہی غنیمت ہے ۔ کاغذ گو پھیلے رہتے ہیں ، آپ بیچ میں کبھی بیٹھا کبھی لیٹا رہتا ہوں اور کاٹ پھانس ، کتر بیونت کیے جاتا ہوں[1] ۔ جو منشی میں نے رکھا تھا ، بہت خوب تھا ۔ اس کے دادا اور پھر اس کے والد میرے والد مرحوم کے پاس تھے ۔ اس کی سمجھ اور مزاولت اچھی تھی ۔ پندرہ پھر بیس روپے مہینہ اور کھانا وغیرہ ذمے لیا اور بلایا ۔ اس بھلے مانس کو تپ دق نکلی ، ڈیڑھ مہینے کے بعد کچھ وہ گیا کچھ میں نے رخصت کر دیا ۔ اب میں ہوں

---

۱ ۔ مولانا کا لکھنے پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ کمرے میں دری بچھواتے ، اس پر چاندنی کا فرش ہوتا ۔ سردی کا موسم آتا تو دری پر گدیلا بچھواتے اور اس پر سفید چادر بچھا دیتے ۔ گاؤ تکیہ لگوایا جاتا ۔ اس کے آگے ڈسک ہوتا ۔ ڈسک کے آگے بیٹھ کر لکھتے پڑھتے ۔ شروع کے زمانے میں جب لیمپ نہ تھے تو ڈیوٹ استعمال کرتے ۔ اس میں ایک بڑا سا چراغ رکھا جاتا جس میں کئی کئی بتیاں ڈال کر روشنی کو حسب ضرورت تیز کیا جاتا ۔ جب لیمپ کا رواج ہوا تو تیز روشنی کا لیمپ استعمال کرتے تھے ۔ سر شام سے روشنی کے انتظامات کا خود جائزہ لیتے کہ وقت پر تیل کی کمی سے کام میں ہرج نہ ہونے پائے ۔ ایک تھال میں پنسل ، ربڑ ، ہولڈر ، مختلف قسم کے قلم ، قلم تراش ، حرف بردار ، مختلف رنگوں کی دواتیں ، سیاہیاں سرخ ، کالی ، نیلی مہیا رہتیں ۔ طرح طرح کے 'کاتب قدرت دو سطر' موجود رہتے کہ خط کھینچنے میں وقت ضائع نہ ہو ۔ ان کے اکثر 'کاتب قدرت دو سطر' پر یہ شعر لکھا دیکھا ہے :

کاتب قدرت دو سطر ابروت را کج نگاشت

یا ز حیرت دست او لرزید یا مسطر نداشت

اور نامۂ اعمال ۔ غالباً دلی کا ایک سفر ضروری بلکہ مجبوری پیش آئے گا ، اس میں آپ کو سلام کرتا ہوا جاؤں گا ۔

حیدر آباد آپ بھی مرحمت فرما کر لکھ بھیجیں کہ حضور نواب صاحب بالقابہ کی خدمت میں پیش فرما دیں ۔ جو کچھ مناسب ہو زبانی عرض فرماویں ۔

محمد حسین آزاد
(۲۴ ۔ اگست ۱۸۸۳ع[۱])

۹۶

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ کاش پندرہ بیس دن پہلے تشریف لے جاتے ، میں ضرور آپ کے ہم رکاب چلتا ، اور ایک دو مشاعرے ، ایک دو جلسے لکچروں کے دیکھتا اور دکھاتا ۔ اب سوائے حسرت و ارمان کے کیا ہو سکتا ہے ۔ آپ کا خط میں نے صبح کے سات بجے پایا ، ارادہ ہوا کہ خود چل کر ملنے کا بندوبست سوچوں کہ اتنے میں مصور آیا ، جس کا کئی دنوں سے انتظار تھا ۔ اسے راجا مان سنگھ اور ملا دوپیازے کی تصویر دے رکھی تھی کہ نقل اتار دے ۔ مان سنگھ کی تصویر الور کے وزیر نے محبت قدیم کی رعایت سے بھیجی ہے اور ملا دوپیازے کی تصویر بھی ایک جگہ سے ہاتھ آئی ؛ یہ بھی بہت پرانی اور سندی ہے ۔ مصور

---

۱ ۔ خط پر تاریخ نہیں ہے لیکن قطعاً ۱۸۸۳ع اگست کا مکتوب ہے ۔ اس کے بعد والے خط میں اس کی تاریخ ۲۴ اگست لکھی ہے ۔

نے جو نقل اتاری وہ کئی جگہ سے قابل اصلاح ہے - دس بجے
تک وہ بیٹھا اور وعدہ کرگیا کہ پھر آؤں گا - چوں کہ اس کا ہاتھ
آنا بھی مغتنمات سے ہے ، اس لیے کل بھی نہیں حاضر ہو سکتا ؛
ان شاء اللہ پرسوں حاضر خدمت ہوں گا - آپ سے بڑی التجا یہی ہے
کہ وہاں تصویریں تلاش فرمائیں -

غالباً آپ کو بھی لکھ چکا ہوں کہ دو نسخے بصیغۂ
جسٹری آپ کے بھائی صاحب کی خدمت میں بھیج دیے ہیں - ۲۴ -
(چوبیس) اگست کو روانہ کیے تھے ، اب تک رسید نہیں آئی -
معلوم نہیں کہ 'آب حیات' حضور عالی کے ملاحظے سے بھی
گزرا ہے یا نہیں - اگر مناسب جانیں تو ذرے کو خورشید تک
پہنچائیں - کسی قسم کی طلب یا اُمید نہیں ہے فقط اتنی ہی
خوشی مطلوب ہے جو ہر مصنف کو اپنے کلام کے پھیلانے میں
ہوتی ہے -

اس خیال سے کہ مبادا محروم الخدمت رہ جاؤں ، یہ نیازنامہ
لکھ کر روانہ کرتا ہوں - خیر ، اندکے از بسیار کچھ باتیں تو
آپ تک پہنچ جائیں -

آزاد

لاہور - بنگلہ ایوب شاہ

۱۳- ستمبر ۱۸۸۳ع

۹۷

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم - آپ کو معلوم ہے کہ چھ دن تک پولوس مقدس کا
لاہور میں نزول رہا - ایک عالم تہ و بالا تھا - آزاد بھی
انھی کی گرفتاری میں رہا ، اس لیے نیاز نامہ نہ لکھ سکا -

جس فارسی ڈراما[1] کا آپ نے حال بیان فرمایا تھا وہ میں نے لے کر دیکھا ؛ پانچ روپے چار آنے اس کی قیمت ہے اس لیے خرید کر بھیجنا مناسب نہیں سمجھا ۔ آج کل میں یہاں سے کتب خانہ گورنمنٹ سکول کے لیے امرتسر کو کتابیں روانہ ہونے والی ہیں ، ان میں اسے بھی لکھوا دیا ہے ؛ عنقریب وہاں پہنچے گا ، اور میں بھی لکھوں گا ۔ وہاں سے لے کر دیکھیے گا ، یا میں خود لے کر حاضر ہوں گا ۔ نسخۂ مذکور جب تک جی چاہے اپنے پاس رکھیے گا ۔

میں نے اسے دیکھا ؛ اتنی بات ضرور ہے کہ لکھنے والے نے جو کچھ لکھا ہے ڈراما کے اصول کے بالکل مطابق لکھا ہے اور نتیجہ بھی برجستہ نکالا ہے ، یعنی بڑھاپے کی شادی اور خصوصاً دوسری شادی کی تکلیفیں اور قباحتیں جتائی ہیں ۔ لیکن

---

۱ - کراجہ داغی نے 'وزیر خان لنکران' لکھ کر فارسی میں ڈرامے کی ابتدا کی (یہ ڈراما کسی ترکی ڈرامے کا ترجمہ بتایا جاتا ہے) ۱۸۷۴ع میں طہران سے چھپا اور ایک تومان قیمت رکھی گئی ۔ ہندوستان کے فارسی دانوں میں اس کا بہت چرچا ہوا ۔

مولانا محمد حسین آزاد نے یہی ڈراما دیکھ کر اس طرز کے ڈرامے لکھنے کی نیت سے 'اکبر' نامی ڈراما لکھا ۔ آغا محمد باقر صاحب کے پاس مولانا کے دو اور ڈرامے ہیں جن میں سے ایک ڈراما شیکسپیر کے میکبتھ کا نا مکمل ترجمہ ھے ۔ دوسرا دختر کشی کے متعلق ھے اور مکمل ھے ۔ ان کا خیال ھے کہ دختر کشی کا ڈراما ۱۸۷۰ - ۷۱ع میں لکھا ہو گا جب کہ یہ رسم اس ملک میں رائج تھی اور اس کی بیخ کنی کی سرکاری طور پر کوشش ہو رہی تھی ، اور میکبتھ کا ڈراما ۱۸۸۳ - ۸۴ع میں ۔

چوں کہ ابتدائی تصنیف ہے اس لیے تحریر میں پھیلاؤ اور بات کو بڑھانا اور مزے لے لے کر کہنا ، کوئی مصرع ، کوئی فقرہ مقفلی ، کوئی چٹکلا وغیرہ وغیرہ ۔ یہ لطف ابھی نہیں پیدا ہوئے ۔ خیر جو کچھ کیا ہے نہایت غنیمت ہے ۔ عربی ، فارسی میں یہ شاخ انشاپردازی کی بالکل نہ تھی ؛ بڑی بات ہے کہ زمین سخن میں ایک قلم تو لگائی ؛ شاخ و برگ بھی نکل آئیں گے ، گل پھول بھی کھل جائیں گے ۔ ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے ۔ اگر زمانہ فرصت دے تو ان شاء اللہ اردو میں ایک ڈراما لکھ کر میں بھی نمونہ دوں گا ۔ دل تو بہت کچھ چاہتا ہے ، مگر اکیلا آدمی اور بے سامان ؛ کیا کیا کچھ کرے :

یک دل و خیل آرزو ، دل بہ کجا کجا نہم
سینہ تمام داغ داغ ، پنبہ کجا کجا نہم

(آزاد)[۱]

۱۸۸۳ع

---

۱ ـ اس خط پر بھی تاریخ نہیں ہے لیکن بہ ظاہر یہ خط بھی میجر صاحب کے امتحان اور اس کے نصاب سے متعلق ہے میرا خیال ہے کہ اس خط کا سال تحریر ۱۸۸۳ع ہو ۔

۹۸

بنام پنڈت گوپی ناتھ (؟)[1]

جناب من! تسلیم ۔

فرمائش عالی کی تعمیل میں مقصر رہا ۔ آپ جانتے ہیں کہ نہ وہاں کوئی قاعدہ ہے نہ کوئی کسی کی سنتا ہے ۔ خصوصاً ہم لوگ کہ معمولی قواعد کے عادی ہیں اور انھیں ہم لوگوں سے قدرتی لاگ ہے ۔ یقین ہے کہ آپ بھی اس عذر کو پزیرا فرمائیں گے ۔

بندہ

محمد حسین آزاد

(نومبر ۱۸۸۳ع)

---

۱ ۔ مولانا کے مسودات اور کاغذات میں اس رقعے کا مکتوب الیہ درج نہیں لیکن اسی کے ساتھ ایک مطبوعہ رقعہ ہے جس کی عبارت یہ ہے :

جناب مہربان بندہ ! تسلیم ۔

کرنل آلکاٹ صاحب کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے آپ بہ روز پیر ، دو شنبہ (؟) یا سہ شنبہ ۱۹ یا ۲۰ نومبر ۱۸۸۳ع ۴ بجے بعد دوپہر کے ان کے کمپ واقع میدان پریڈ متصل قلعہ میں تشریف لے آویں ۔ میں وقت ہٰذا پر وہاں حاضر رہوں گا ۔

کمپ لاہور ۔ نیاز مند

ماہ نومبر ۱۸۸۳ع پنڈت گوپی ناتھ

اس رقعے میں دن ، تاریخ اور وقت انگریزی میں قلم سے لکھا گیا ہے ۔ ممکن ہے یہ رقعہ بھی پنڈت گوپی ناتھ کے نام ہو ۔

۹۹

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ الحمد للہ علی احسانہ ، قد رجع الحق علی مکانہ[1]۔ کل اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے . . . میں ہونا بیان کیا تھا ۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے بھائی صاحب) کو مبارک باد لکھوں ۔ اچھا اب پروردگار عالم استقلال اور خیرو برکت کے ساتھ مبارک کرے! دل بہت چاہا کہ حاضر خدمت ہوں مگر کالج میں سہ ماہی کا امتحان ہو رہا ہے ۔ اٹھارہ ، پیر کے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے ۔ مجھے سات جماعتوں کے لیے سوالات بنانے ہیں ؛ کچھ بنا لیے ہیں ، کچھ کل بناؤں گا ۔ تین چار دن کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں ، ان شاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا ۔ اور 'خان لنکران' کو بھی ساتھ لیتا آؤں گا ۔

والتسلیم باٰلاف التکریم و التماس دعا ۔

محمد حسین آزاد

لاہور ، بنگلہ ایوب شاہ

۱۶ فروری ۱۸۸۴ع

---

۱ ۔ حق بہ حق دار رسید ۔ حق اپنی منزل پر آ گیا ۔

۱۰۰

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم - 'خان لنکران[1]' آج روانہ کیا ہے ، کل ان شاء اللہ باریاب خدمت عالی ہو گا - اتوار ، پیر ، منگل چھٹی ہے ، خیال آیا کہ تین دن جم کر بیٹھوں گا تو 'مآثر الامرا' کا کام ختم ہو جائے گا ؛ جاؤں گا تو ایک دن صرف ہو گا اور حاصل فقط باتیں ، اس لیے کتاب بھیج دینی چاہیے - کوئی امر ضروری ہوگا تو امرت سر ہے کتنی دور ، ایک دم میں جاؤں گا اور پھر آؤں گا -

ہائے قائم نے کیا خوب کہا ہے :

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے مےخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

وقت تنگ ہے ، ان شاء اللہ اب پھر - آٹھ دن ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا ، خدا جانے پہنچا ہے یا نہیں ؟

آزاد

۲۳ فروری ۱۸۸۴ع

---

۱ - اس زمانے میں جدید فارسی کا ڈراما جو بر صغیر کے فارسی دانوں میں بہت مقبول ہوا -

۱۰۱

بنام میجر سید حسن بلگرامی

تسلیم ۔ اللہ اللہ! اس وقت کیا دل خوش ہوا ہے اور کیا غصہ آیا ہے ۔ میں تو صبر کر بیٹھا تھا ، اب سیلی ہوئی بارود کو آگ دینی کیا ضرور تھی ۔ مجھے آپ خط نہ لکھا کریں ۔

دل ربائی ہائے لیلی کرد مجنون را خراب
ورنہ آن بے چارہ را میل گرفتاری نبود

خیر ، یہ تو باتیں جب مزا دیں کہ آپ اور میں آمنے سامنے بیٹھے ہوں ؛ مطلب کی باتیں پہلے عرض کر لوں ۔

دیوان حافظ[1] ، اخلاق جلالی ، ابو الفضل نول کشور نے چھاپی ہے اور خوب محشٰی ہے ۔ ایک ایک نسخہ لیجیے اور دیکھ ڈالیے ۔ آپ کے نزدیک کچھ بڑی بات نہیں ۔ دیوان حافظ پر صوفیانہ حاشیے ہیں ۔ خیر آپ اس سے اپنا مطلب نکال سکتے ہیں ۔ آپ کے دل پر ان کتابوں کا بھرم بیٹھا ہوا ہے اس لیے آپ دیکھتے نہیں ؛ دیکھیے گا تو معلوم ہوجائے گا ؛ آسان کام ہے ۔ اخلاق جلالی پر جو حاشیے ہیں ، وہ اس کے لیے کافی ہیں آپ خاطر جمع رکھیں . . .

گفتگو کو آپ مشکل فرماتے ہیں ، میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ۔ لکھنو میں دو رسالے عربی ڈائے لوگز (Dialogues) دو شخصوں نے جدا جدا لکھے ہیں ، وہ کسی کو لکھ دیجیے ، بھیج دے گا اور پڑھنا شروع کیجیے ، حفظ ہو جائیں گے ۔ امتحان

---

۱ ۔ میجر صاحب کسی محکمہ جاتی امتحان میں شریک ہونا چاہتے ہیں ۔

میں اس کے یا اسی قسم کے فقرے ممتحن بولے گا ؛ آپ کو یہ بات مشکل نہیں ہو گی کہ توڑ جوڑ کر کے الٹے سیدھے جواب دیں اور اس کی خاطر جمع کر دیں ۔ ہمت نہ ہاریے ، چپکے نہ رہیے گا ؛ الٹا سیدھا ، جھوٹ سچ بولے جائیے گا ۔

زبان فارسی کی تاریخ میں پروفیسر آزاد ایک شخص ہیں انھوں نے تین چار لیکچر[1] خوب دیے ہیں اور زبان مذکور کے اصول اور بہت حالات اور بھی لکھے ہیں ؛ تین چار سو صفحے کی کتاب ہو گی ۔ مگر افسوس ہے کہ وہ ابھی مسودے ہیں ، نظر ثانی کررہے ہیں ، عجب نہیں کہ ہوجائے تو جلد چھپوادیں ۔

ہاں قواعد فارسی[2] میں ایک کتاب ڈائرکٹر صاحب کی فرمائش سے میں نے لکھی تھی ، اس کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے اور کتب خانۂ آزاد سے فاضل ہے ، وہ ان شاء اللہ روانہ کرتا ہوں (خدا کرے بھول نہ جاؤں !) آپ دیکھیے گا ۔

۱- ۱۸۷۴ع میں مولانا آزاد نے زبان فارسی کے متعلق گیارہ لیکچر دیے تھے ۔ انجمن پنجاب کے زیر اہتام یونیورسٹی کی طرف سے ان کےدعوت نامے چھپوا کر ممبروں اور کالج کے طلباء میں تقسیم کیے جاتے تھے ۔ ان میں سے کچھ لیکچر پنجاب کلب میں بھی پڑھے گئے اور سامعین نے انھیں بہت پسند کیا ۔ لیکن مولانا نے انھیں شائع نہیں ہونے دیا ۔ ان کا خیال تھا کہ ایران کے سفر کے بعد ان پر نظر ثانی کروں گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور والد مرحوم نے انھیں ۱۸۹۸ع کے بعد وارفتگی کے ایام میں شائع کیا ۔ (آغا محمد باقر)

۲ ۔ **قواعد فارسی میں مولانا نے کئی کتابیں حسب فرمائش یا حسب**

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قواعد کی کتاب ہے اور اصول و ضوابط بیان کیے ہیں ، اور پھر دیکھیے کہ طرز بیان کو ہاتھ سے نہیں کھویا ۔ یہ بھی دیکھیے گا کہ مثالیں کیا خوش آیند بہم پہنچاتی ہیں اور زبان کو اور محاورے کو کس قدر قوت دیتی ہیں ۔ خدا کرے آپ کو پسند آ جائے !

ہاں کیا خوب یاد آیا ہے ، بمبئی میں ایک کتاب کسی نے چھاپی ہے 'دیباے رومی' اس میں ترکی اور عربی کی گفتگو لکھی [1] ہے اور اس قدر مبسوط ہے کہ اگر آپ اسے یاد کرلیں گے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ضرورت تصنیف کیں ۔ چند ابتدائی جاعتوں کے لیے تھیں ۔ پھر ایک مفصل گرامر تصنیف کی جس پر حکومت نے مولانا کو گراں قدر انعام دیا ۔ اسی سے مولانا نے جامع قواعد تیار کی ۔ یہی کتاب شایع ہوئی اور جس کتاب پر مولانا کو انعام ملا تھا وہ ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ۔ مسودہ آغا صاحب کے پاس موجود ہے ۔

۱ ۔ مولانا نے بھی ایک ترکی گرامر اردو میں تصنیف کی تھی جس کا مسودہ جناب آغا محمد باقر صاحب کے پاس موجود ہے ۔ مولانا ترکی زبان بہ خوبی جانتے تھے ۔ ڈاکٹر لائٹنر چوں کہ ترکی کے ماہر تھے اس لیے انھیں بھی مزید شوق پیدا ہوا اور اہل‌علم کی ضرورت کے لیے ترکی گرامر لکھی ۔ لیکن یہ کتاب طبع نہیں ہو سکی ۔ آغا صاحب نے اکثر ترکی دانوں سے مشورہ کیا ، انھوں نے کہا ، عثمانی ترکی پڑھنےوالوں کے لیےیہ بہترین کتاب ہے ، اب زبان میں زبردست انقلاب آ چکا ہے ۔ ظاہر ہے ترکی گرامر مولانا نے ۱۸۸۴ء کے بعد لکھی ہو گی ورنہ وہ اس کا بھی ذکر کرتے ۔

تو کافی و وافی ہوگی ؛ وہ بھی منگوا لیجیے ۔ اگر نہ ملے تو مجھے لکھیے ، کتب خانۂ آزاد میں ہے ، فوراً ارسال خدمت کروں گا ۔

آزاد[1]

(فروری ۱۸۸۴ع)

۱۰۲

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ شنبۂ گزشتہ کو . . . طالب علم کے ہاتھ 'خان لنکران' کو ارسال خدمت کیا تھا اور نیاز نامہ بہ ذریعہ ڈاک روانہ کیا تھا ۔ چوں کہ اب تک جواب نہیں عنایت ہوا اس لیے تردد ہے ۔ تقصیر حضوری کے لیے معافی مانگ چکا ہوں اور اب دوبارہ طلب گار عفو ہوں ۔

مجھے ایک اور مشکل پیش آئی ؛ صاحب پرنسپل ٹریننگ کالج نے مجھے فرمایا کہ آب حیات اور نیرنگ خیال کو ہم نے

---

۱ ۔ مطبوعہ نسخوں میں اس خط پر تاریخ نہیں ہے لیکن خط کے مضمون میں کسی امتحان کے کورس کا تذکرہ ہے "دیباچے روسی بھیجی جا رہی ہے" اور دوسرا خط شروع ہوتا ہے کہ "کہیں کتاب کی قیمت نہ بھیج دیجیے گا ، آپ نے مہر نہیں ملاحظہ فرمائی" اس کو میں قرینہ تعیین خط قرار دیتا ہوں اور آخر فروری یا آغاز مارچ ۱۸۸۴ع کا خط مانتا ہوں ۔ مطبوعہ نسخوں میں بے تاریخ خط قرار دے کر آخر میں شامل کیا گیا ہے ۔

اپنے کالج اور نارمل اسکولوں کی پڑھائی میں بھی داخل کردیا ہے ۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح اس میں تاریخ زبان اردو کی آپ نے لکھی ہے ایسی ہی تاریخ اور تحقیق زبان فارسی کی ہو کہ اسے فارسی کے کورس میں داخل کریں ۔ میں نے عرض کی کہ زبان فارسی میں دس لیکچر میرے لکھے رکھے ہیں ، اس میں زبان فارسی ، نظم فارسی پر بھی ایک ایک لیکچر ہے ۔ پوچھا : "تیار ہے ؟" میں نے کہا : "سب تیار ہیں ۔" تجویز مناسب یہ معلوم ہوئی کہ میں انھیں چھپوا دوں ، تقریباً تین سو صفحے سے زیادہ کی کتاب ہو گی ۔ قیمت میں کم رکھوں گا ، ہر طالب علم لے سکے گا ۔ صاحب اپنی اسکیم میں لکھ دیں کہ فلاں کتاب میں سے فلاں فلاں لیکچر[1] بھی طلباء دیکھ لیں ۔

یہ لکچر میں نے ۱۸۷۴ع میں دیے تھے ، ان پر بھی نظر ثانی واجب ہے ؛ اس لیے طبیعت متردد ہے اور آج آنے کو ہمت نہیں پڑی ۔

محمد حسین آزاد عفی عنہ

لاہور ۔ بنگلہ ایوب شاہ[2]

۲ مارچ ۱۸۸۴ع

---

۱ - یہ لکچر 'سخن دان پارس' کے نام سے ۱۸۹۸ع میں پہلی مرتبہ شائع ہوئے لیکن اس کے بعد دوسرا ایڈیشن مکمل شایع ہوا ۔ معلوم ہوتا ہے مولانا عدیم الفرصتی اور افکار کے باعث اس وقت نظرثانی نہیں کر سکے ۔ البتہ ایران سے ۱۸۸۶ع میں واپس آنے کے بعد اس طرف متوجہ ہوئے ۔

۲ - سبحان خان کی لائن سے مستی دروازے کو جائیں تو راستے میں یہ بنگلہ پڑتا ہے ۔

۱۰۳

بنام میجر سید حسن بلگرامی

حضرت من!

تسلیم ۔ کہیں کتاب کی قیمت نہ بھیج دیجیے گا ۔ آپ نے مہر نہیں ملاحظہ فرمائی ؟ اگر آپ کو ایسی ہی پسند ہے تو میں ولایت سے منگا دوں[1] ؟

حضور انور نے الحمدللہ کہ شفا پائی ۔ میرے تو ہوش جاتے رہے تھے ۔ خدا و مولٰی بنیادیں قائم رکھے! کل شفق[2] میں نے دیکھا ، معلوم ہوا کہ بلنٹ صاحب نے جو تعلیم کو دیکھ کر مراسلت بھیجی تھی ، اس میں بڑا زور اس بات پر دیا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ انتظام موجودہ کی تعلیم میں لڑکے بد مذہب نہ ہو جائیں ۔ مراسلت مذکور کے جواب میں جو کچھ انھیں لکھا گیا اس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب تک یہ انتظام عمل میں آئے ، بہتر ہے کہ آپ بھی یہاں رہیں اور اپنی تجویز کے حسن عمل کو خود دیکھیں ۔ سبحان اللہ ! انھیں اس سے زیادہ کیا چاہیے ۔ مگر ملا ہے چار ہزار روپیہ مہینہ ، مصارف ضروری کے لیے ۔ بلکہ ہمیں فرمائیے تو نگرانی کیا کریں ۔

'شفق' میں میں نے دو ٹائم ٹیبل بھی دیکھے ؛ ایک حضور انور کا ایک سالار جنگ بہادر کا ۔ اگر پہلے نقشے پر

---

۱ ۔ شاید لائبریری کی کتاب 'دیباے روسی' بھیج دی تھی میجر صاحب کو پسند آئی تو مولانا دوسری کتاب بھیجنے کے لیے تیار ہوئے ۔

۲ ۔ شفق حیدر آباد کا ایک ہفتہ وار اخبار تھا ۔ اس کے مالک سید حسن رضوی تھے ۔ اخبار کے پریس کا نام بھی شفق تھا ۔

عمل درآمد ہوا کرے تو خوشا بحال ملک و مملکت ! اور خدا چاہے تو طبیعت کا آ جانا کچھ بڑی بات نہیں ۔ شوق طبع ہے ، کاش انتظام اور آراستگی ۔ ملک پر آ جائے اور یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ایک دفعہ وہ کرکے دکھا دیجیے جو کبھی یہاں نہ ہوا ہو ، اور اس وقت کہیں نہ ہو ۔ دولت کی محبت انسان کی سرشت میں داخل ہے ، شاید کفایت اور تکثیر محاصل کی سیڑھی سے اس بلندی پر آسان پہنچ جائیں ۔ خافی خان ، رقعات عالمگیری اور مشہور حکایتوں اور روایتوں سے عالمگیر اور نواب سعادت علی خاں مرحوم کے حالات انھیں[1] سنوائیے اور ان کے لطائف و حکایات سے کان بھرتے رہیے ۔

آزاد

۱۱ مارچ ۱۸۸۴ع

۱۰۴

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ پرسوں 'شفق' کے تین پرچے ایک ہی لفافے میں پہنچے ؛ کل صبح کی ریل میں روانہ کیے ہیں ، رسید ضرور عنایت فرمائیے گا ۔ خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح سرخ رو ہوں ۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں ، روز نقصان اٹھا رہا ہوں ۔

---

۱ ۔ نظام حیدر آباد نواب محبوب علی خاں کی طرف اشارہ ہے ۔

قوی جنگ[۱] کوئی صاحب عرض بیگی ہیں ، انھوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا اور تصنیفات طلب فرمائے ۔ میں نے نیرنگ خیال بھیجی ۔ بیس دن کے بعد خط آیا کہ کتاب نہیں پہنچی ۔ فرمائیے تین آنے کی کتاب پر دو آنے رجسٹری کے دیتا تو آپ کو کیا جواب دیتا ۔ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی ۔

نوکری کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا ، یونیورسٹی لیت و لعل کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں ۔ بہت خوب ، اور بھی اچھا ! میری عقل ناقص میں اگست کی چھٹیاں بھی اسی میں گزر جائیں گی ۔

ابراہیم[۲] ان شاءاللہ آٹھ دس دن میں رڑکی روانہ ہوگا ، کیوں کہ یکم مئی سے جماعت کھلے گی ۔ اور کوئی بات قابل تحریر نہیں ، مگر دعا و التماس دعا ۔

آزاد

لاہور ، بنگلہ ایوب شاہ

۱۶ اپریل ۱۸۸۴ع

---

۱ ۔ قوی جنگ کے متعلق حیدر آباد کے کتنے ہی آدمیوں سے سلسلہ جنبانی کی لیکن کہیں سے اُن کے حالات دست یاب نہیں ہوئے ۔ مولانا کے کاغذات میں سے ان کے پندرہ بیس خطوط البتہ ملے ۔ ایک مرتبہ خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم نے بھی آغا محمد طاہر مرحوم کے ایماء سے ان کے حالات مہیا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی ۔ قوی جنگ مرحوم ادب نواز بھی تھے اور شاعر بھی ۔ مولانا کو اکثر اپنا کلام بہ غرض اصلاح بھیجا کرتے تھے ۔ ایک خط میں انھوں نے لکھا ہے کہ حیدر آباد میں ہر ایک کی زبان پر ہے کہ آپ یہاں آ رہے ہیں ۔

۲ ۔ مولانا کے فرزند عرف ابرو مراد ہیں ۔ ان کی پیدایش ۱۸۶۵ع میں ہوئی تھی ۔

۱۰۵

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ آپ تو ناحق گھبراتے ہیں اور دیکھتا ہوں کہ ہر بات میں گھبراتے ہیں ۔ وہاں کا اخبار اسی طرح نکلتا ہے ۔ میں نے اور مطابع میں دریافت کر لیا ۔ جس وقت میرے پاس لفافہ پہنچے گا ، ان شاء اللہ اسی دن خدمت میں روانہ کیا کروں گا ۔ کیا کروں ، کیوں کر آپ کے دل میں اعتبار پیدا کروں!

نوکری کے باب میں دیکھتا ہوں کہ وہی مایوسی کے کلمے ہیں ۔ یونیورسٹی پر آپ مجھے کیوں ڈالتے ہیں ۔ یہ ہے کیا قحبہ! آپ کے جد کی سرکار تو ہے ۔ حضرت! اس غلام کو آزاد کرکے وہ دست بردار نہیں ہوگی ۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے اس سے بہتر صورت ہوگی اور وہ بہ درجہا بہتر ہوگی ۔

. . . خوشا بہ حال آزاد کہ پچاس روپے پنشن بھی ہو جائے تو ہزار ہزار شکر خدا کا بجا لائے گا اور بغلیں بجا بجا کر رقص کرے گا ۔

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
آنچہ ما درکار داریم اکثرش درکار نیست

آہا ! پھر ان شاء اللہ کیا خاطر جمع اور شگفتیِ طبع کے ساتھ تصنیفات کو درست کروں گا[1] ۔

محمد حسین آزاد
لاہور ۔ بنگلہ ایوب شاہ
۲۰ اپریل ۱۸۸۳ع

---

۱ ۔ مطبوعہ نسخے میں ''صرف کروں'' ہے ۔

۱۰۶

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من!

تسلیم ۔ مدت گزر گئی کہ خدمت سے مقصر ہوں مگر عالم مجبوری ہے کہ آب حیات میں غوطے کھا رہا ہوں ۔ ان شاء اللہ ایک مہینے کا کام اور ہے ۔

حیدر آباد کے حالات اتنے ہی معلوم ہیں جتنے اخباروں میں لکھے جاتے ہیں ۔ ایڈیٹر 'شفق' اتنے اختیار اور اتنے عہدے کو نواب لائق علی خان کے لیے کافی نہیں سمجھے ۔ میری عقل ناقص میں غل مچانے سے کچھ حاصل نہیں ۔ گورنمنٹ کو جو کرنا تھا وہ کر دیا ؛ جو کچھ ہو گیا وہی مناسب ہے ؛ اب خاموشی اور عرق ریزی سے اس کی تعمیل کرنی چاہیے ۔ لیکن اتنا خیال ضرور ہے کہ سکریٹری ہیں ؛ صاحب قلم[1] نہیں ، فقط قلم ہوجائیں ؛ جو کہا سو کر دیا ، جو حکم دیا اس کی تعمیل کر کے لکھ دیا ؛ اپنی طرف سے سر مو دخل نہ دیں ۔ میں نے کئی جگہ دیکھ کر ایسے مواقع کا تجربہ حاصل کیا ۔ جب با لیاقت بے لیاقت اشخاص کے ماتحت ہو جاتا ہے تو اس سے بے ضابطگی دیکھی نہیں جاتی ؛ خواہ مخواہ بول اٹھتا ہے ۔ اسے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ میری ہدایت سے یہ لوگ میرے احسان مند ہوں گے اور میری لیاقت کو تسلیم کریں گے ؛ لیکن برخلاف اس کے وہ

---

۱ ۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو صاحب اختیار نہ سمجھیں ، صرف تعمیل حکم کرتے رہیں ۔ جیسے قلم خود نہیں چلتا ، چلایا جاتا ہے ؛ جو ہاتھ کہتا ہے وہی لکھتا ہے ۔

لوگ اس کی بات کو رد کرتے ہیں ، موتیوں کو خاک میں ملاتے ہیں ۔ اور کبھی کچھ اس کی صورت کو ادل بدل کر کام میں بھی لاتے ہیں ، اور جن باتوں سے نا واقف ہوتے ہیں ، انھیں سیکھے جاتے ہیں اور تردید کرتے جاتے ہیں ، اور اس شخص کی عقل و دانش کو دیکھ کر اور زیادہ خطر دل میں پیدا کرتے ہیں ۔ ان لحاظوں سے جہاں تک ہو سکے ، بیوقوف بن کر چپ چاپ کام کیے جانا چاہیے اور لیاقت اور معلومات کو دبائے ہوئے احکام کی تعمیل بڑی کوشش سے کیے جانا چاہیے . . . اس موقع پر بڑی دانائی یہی ہے کہ اپنی آگاہی اور لیاقت دبائے ، سب کے ساتھ ساتھ بلکہ پیچھے چلے چلیں ۔

تا محتسب بگوید اسرار حق و مستی
تا بےخبر بمیرد در بند خودپرستی

آزاد[1]

۱۰۷

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ کل یکم مئی کو ایک قطعہ شفق ارسال کیا ہے ، خدا کرے پہنچ جائے ۔ چاہتا ہوں کہ رجسٹری کروا کر بھیجوں ، مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ 'دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی' آپ کیا کہیں گے ۔

---

۱ ۔ یہ خط بھی میرے خیال میں ۱۸۸۴ع ہی کا ہے اور مولانا کے تجربات زندگی کا خلاصہ ہے ۔ مطبوعہ نسخوں میں تاریخ نہیں ہے ۔ شاید مئی ۱۸۸۴ع سے پہلے لکھا گیا ہے ۔

الحمدللہ بندہ زادہ[1] رڑکی پہنچ گیا ۔ خدا و مولیٰ حافظ و ناصر رہیں!

جمال‌الدین خان کوئی افغان مضافات کابل کا ہے ، اور پیرو ہے مہدی سوڈانی کا ؛ اس نے پیرس میں آ کر ایک اخبار[2] عربی زبان میں جاری کیا ہے : مختلف مقامات ہندوستان میں بھی اس کے پرچے آئے ہیں ؛ چار نمبر میری نظر سے بھی گزرے ۔ ارادہ

---

۱ ۔ آغا محمد ابراہیم مولانا کے صاحب زادے ؛ ایف ۔ اے کرنے کے بعد مولانا نے انجینیرنگ کالج رڑکی میں داخل کر دیا تھا ۔ سر گنگا رام جو شروع سے ان کے ہم جماعت تھے ، وہاں بھی ان کے ہم‌درس رہے ۔ بعض وجوہ سے آغا صاحب کو سلسلۂ تعلیم ترک کرنا پڑا ۔ انھیں اورسیری کی سند دے دی گئی اور انھوں نے پنجاب واپس آ کر ملازمت کرلی ۔ ۱۸۸۸ع میں مولانا کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہو گئی ۔ ان دنوں آغا صاحب جہلم میں تھے ، اس لیے مولانا کے حکم کی تعمیل میں یہ ملازمت ترک کر دی اور لاہور آ گئے ۔ مولانا نے انھیں چیف کورٹ میں مترجم کروا دیا جہاں وہ ترقی کرتے کرتے میر مترجم ہوگئے ۔ اس عرصے میں انھوں نے منصفی کا امتحان پاس کر لیا تھا ۔ جب مولانا دماغی امراض میں مبتلا ہوئے اور علاج سے مایوسی ہو گئی تو آغا صاحب منصف ہو کر باہر جانے کو تیار ہوگئے ۔ منصفی میں ترقی کر کے منصف درجہ اول ہو گئے ۔ تقریباً باون برس کی عمر تھی کہ قلبی عارضے پیدا ہوگئے ؛ علاج کے لیے دہلی گئے اور حکیم اجمل خاں کے زیر علاج تھے کہ ۱۹۲۰ع میں وہیں انتقال کیا ۔

۲ ۔ علامہ جمال الدین افغانی علیہ الرحمہ نے پیرس اور کلکتے وغیرہ سے متعدد اخبار نکالے تھے جن میں حبل المتین نے بڑی شہرت پائی تھی ۔

ہے کہ خود لے کر حاضر خدمت ہوں ۔ آپ نے وہاں کچھ چرچا اس کا سنا ہے یا نہیں ؟ بھائی صاحب سے بھی لکھ کر حال دریافت فرمائیے گا ۔

'وزیر خان لنکران' کے قصے میں جو الفاظ ہیں اس کی واکیوبلیری میں سب موجود ہیں ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو الفاظ اس میں ایسے ہیں کہ ہماری کتابوں میں یعنی برہان قاطع وغیرہ فارسی کی فرہنگوں میں نہیں ہیں ؛ وہ آپ الگ لکھتے جائیے ۔ آپ فرمائیں گے کہ ہمیں کیا خبر ہے کہ کیا کیا الفاظ برہان میں نہیں ۔ خیر ، میں خود چند گھنٹے صرف کروں گا ۔

آزاد

۲ مئی ۱۸۸۴ع

۱۰۸

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ نامۂ نامی ایسی حالت میں پہنچا کہ انتظار حد مایوسی کو پہنچ چکا تھا ۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ پہنچا تو سہی ۔ میں نے تو آپ سے کہہ دیا تھا کہ اگست سے چھٹیاں شروع ہوں گی اور ۱۵ اکتوبر کو ختم ہوں گی ، مگر آپ کو کب یاد رہتا ہے ۔ دل بہت چاہتا ہے کہ وہیں آ کر ملوں ، مگر فرصت کہاں اور موقع کجا !

میرا حال یہ ہے کہ ڈائرکٹر صاحب نے گورنمنٹ کے حکم کے بہ موجب لکھ بھیجا ہے کہ یکم اکتوبر سے میری تنخواہ[1] یونیورسٹی سے ملا کرے ۔ گویا اس تاریخ سے میں ان کے ماتحت سمجھا جاؤں گا ۔ یا قسمت! یا نصیب!

فرصت کا حال یہ ہے کہ ۲۱ جولائی کو یہاں امتحان ملازمت تھا ؛ پانچ سو بہتر آدمی اس میں بیٹھے تھے ؛ مجھے باوجود انکار کے فارسی کا ممتحن کیا ۔ تین پرچے جس کے سولہ سترہ کاغذ[2] دیکھنے پڑے ہیں ، ایک پلنگ بھرا ہوا ہے ، دیکھتا ہوں اور لہو خشک ہوتا ہے کہ الٰہی یہ بوجھ کیوں کر اٹھے گا! ۱۵ اگست کو ریزلٹ دینا ہے ؛ فرمائیے کہ اس چھٹی کا مزا کیا ہوا ؟ خدا گواہ ہے کہ بار بار انکار کیا ، نہ قبول ہوا ۔ ناچار "طفل بہ مکتب نمی رود ولے برندش"۔

انصاف کیجیے کہ اب تصنیف کے لیے طبیعت میں ذوق شوق پیدا ہو تو کہاں سے ہو ؟ برابر خطوط چلے آتے ہیں کہ فرمائیے دربار اکبری کا کیا حال ہے ؟ قند پارسی[3] (گفتگوے

---

۱ - مولانا شروع سے گورنمنٹ کے ملازم تھے لیکن حکومت نے نظام تعلیم میں کچھ تبدیلیاں کر دیں ، جس کے تحت مولانا کی خدمات یونیورسٹی کو منتقل کر دی گئیں ۔ اب انھیں تنخواہ یونیورسٹی سے ملتی تھی اور وہ اورینٹل کالج کے پروفیسر کہلاتے تھے ، لیکن گورنمنٹ کالج کے طلبہ کو بھی پڑھاتے تھے ۔ انتظامی اعتبار سے گورنمنٹ کالج کا پرنسپل اورینٹل کالج کا بھی پرنسپل تھا ۔ (آغا محمد باقر)

۲ - امتحان کی جوابی کاپیاں ۔

۳ - جدید فارسی میں بول چال کی کتاب قند پارسی اور آموزگار پارسی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

فارسی) کا کیا حال ہے؟ لکچروں کا کیا حال ہے؟ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ آزاد کا کیا حال ہے۔

تحفۃ العوام[1] کا جو نقش مطلوب ہے، ان شاءاللہ عنقریب دریافت کر کے عرض کروں گا۔

شفق کے پرچے الگ الماری میں رکھتا جاتا ہوں، تیار، آپ کے حکم کے منتظر ہیں؛ اس خط کا جواب آئے تو روانۂ خدمت کروں۔

میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں؛ نہ ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا۔

ایک دن ایک صاحب‌زادے، جن کا قیافہ شرافت اصل پر گواہ تھا، تشریف لائے کہ بلگرام کا رہنے والا ہوں، سید ہوں، یہاں پڑھنے آیا ہوں، سید مصطفیٰ نام ہے۔ سبحان اللہ:

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

مولانا نے طلبہ کے لیے لکھی تھی۔ سفر ایران کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ وہ اس کتاب پر نظرثانی وہاں جا کر کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے ان کی تمنا تھی کہ سخن دان پارس کی تکمیل کریں۔ تیسرے وہ چاہتے تھے کہ نئی فارسی کی لغت مکمل کریں۔ یہ تینوں مقاصد ایران جا کر حاصل کیے۔ یہ لغات 'لغت آزاد' کے نام سے شایع ہو چکی ہے۔

۱۔ تحفۃ العوام مولوی تصدق حسین صاحب کی تالیف اور شیعہ دینیات کی کارآمد کتاب ہے۔ اس میں تعویذ اور نقش بھی ہیں۔ متن کے دونوں نسخوں میں 'عکس' لکھا ہے لیکن بہ ظاہر 'نقش' صحیح ہے۔

تاثیر ہے کیا خاک میں اس نجد کی ، کہہ دے
تو مجھ سے تو بارے
ہر پھر کے جو آ نکلے ہے یاں ناقۂ لیلی
اے جذب محبت

بہر حال مجھے خیال ہوا کہ لڑکے ہیں ، نا تجربہ کار ہیں ، مبادا کہ گھر سے کسی بات پر ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے ہوں ؛ انھیں روک لیا ، اور اسی دن آپ کے بھائی صاحب کو لکھا ؛ وہاں سے جواب چہ معنی دارد ! خیر ، وہ حقیقت میں جیسے شریف ہیں ویسے ہی سعید ہیں ۔ چناں چہ تیسرے دن جماعت اول گورنمنٹ سکول میں داخل کروا دیا ۔

دکن جانے کو بہت دل چاہتا ہے ، مگر دور کا سفر ہے ؛ دوسرے دو سو روپے کا خرچ ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں ، فقط سیر تماشا ؛ اس لیے غور طلب آمورات کی مد میں رکھا ہوا ہے ۔

شفق ابھی آیا ؛ اکثر پرچے آپ کے دیکھنے کے قابل ہیں ۔ بس حضرت ، اب پھر ۔

دعا و التماس دعا
آزاد
۲۷ جولائی ۱۸۸۴ء

۱۰۹

بنام میجر سید حسن بلگرامی

عالی جناب من! زاداللہ اجلالکم!

تسلیم ۔ احمق کا قاعدہ ہے کہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے ۔ میرا یہ حمق حد سے بہت گزرگیا ہے کہ تعریف سن کر غصہ آتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ آپ میری تصنیف کے باب میں کچھ نہ کہا کریں ۔ کیا کہوں ، فرصت تو ہے نہیں اور دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے ایک ایک فقرے کے جواب میں ایک ایک کتاب لکھوں ۔

اخلاق جلالی کو میرے ایک شاگرد نے سوالوں میں ترتیب دیا ہے ، ان شاء اللہ جلد بھیجتا ہوں ۔ آپ ہمیں بھول جائیے ، ہم تو آپ کو نہیں بھول سکتے ۔ اس کی انگریزی نہ دیکھا کیجیے ، وقت ضائع ہو گا ۔ یہ سوالات ان شاء اللہ امتحان کے لیے بہت مفید ہوں گے ۔

سفر[1] کا سلسلہ نہیں بھلاتا ۔ ان شاء اللہ سفرنامہ مرتب ہوگا تو دیکھیے گا ۔ گرامی[2] کو میں خوب جانتا ہوں ۔ یونیورسٹی پنجاب میں بھی پڑھتا رہا ہے ۔ وہاں سے نکل کر بھی کئی سال تک مجھ سے ملتا رہا ۔ بارہ برس کا مسلسل مشاق ہے

---

۱ ۔ سفر ایران کا ذکر ہے ۔

۲ ۔ غلام قادر بن شیخ سکندر بخش (۱۸۵۶ع) جالندھر میں پیدا ہوئے ۔ ۱۸۸۱ع کے بعد دکن چلے گئے جہاں قدر بلگرامی (۱۸۸۳ع) کی جگہ شاعر دربار ہوئے اور ملک الشعرا خطاب پایا ۔ ۲۶ مئی ۱۹۲۷ع جمعرات کے دن فوت ہوئے ۔ (شعرائے پنجاب ، ڈاکٹر محمد باقر ص ۲۹)

اور جس رنگ میں وہ لکھتا ہے ، اس میں آج اول درجے کا شاعر ہے ۔ اس کی طبیعت خیال‌بند ہے ۔ جلال اسیر ، قاسم مشہدی ، ظہوری وغیرہ ہند میں اسی طرز[1] میں کہتے تھے ۔ افسوس کہ سخن دان فارس مشتہر نہیں ہوا جو میرے اس مختصر فقرے کا مفصل مزا آ جاتا . . . میں نے سخن‌دان فارس کو نظرثانی کر کے رکھ دیا ہے چاہا کہ اب دربار اکبری کو سنبھالوں ، مگر مروت اور حمیت نے اجازت نہ دی ۔ کیوں کہ استاد[2] مرحوم شیخ ابراہیم ذوق کی بہت سی غزلیں ، قصیدے بے ترتیب پڑے ہیں ، اور میں خوب جانتا ہوں کہ ان کا ترتیب دینے والا میرے سوا دنیا میں کوئی نہیں ؛ اگر میں ان کے باب میں بے پروائی کروں گا تو یہ ان کی محنت کا نتیجہ جو دریا میں سے قطرہ رہ گیا ہے ، بے موت مر جائے گا ، اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام اور کیا ہو گا ۔ ان کے حال پر افسوس نہیں ، یہ میری غیرت اور حمیت پر افسوس ہے ۔ چناں چہ اس لیے اب اسے سنبھالا ہے ، اور اس میں یہ ارادہ کیا ہے کہ

---

۱ ۔ اہل ایران اس طرز کو آج کل سبک ہندی کہتے ہیں ۔

۲ ۔ میجر صاحب نے اس خط کا جواب دیا تھا کہ دربار اکبری کی تکمیل نہایت ضروری ہے ۔ مولانا کی صحت کا خیال کرتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ اگر دربار اکبری تکمیل کو نہ پہنچی تو یہ ایک بہت بڑا حادثہ ہو گا ، اس لیے آپ اس پر توجہ کیجیے ۔ ذوق کا کلام اگر نہ بھی مرتب ہوا تو کوئی نقصان نہ ہو گا ۔ مولانا کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور انھوں نے دربار اکبری کے ساتھ ساتھ دیوان کا کام انجام دیا ۔ ان کے نزدیک استاد کا کلام محفوظ کرنا دربار اکبری سے زیادہ اہم تھا ۔

جس جس قصیدے یا غزل یا شعر کے موقع پر کوئی تقریب ، کوئی معاملہ یا معرکۂ خاص پیش آیا تھا ، وہ بھی نقل کروں ۔ کیوں کہ میں ہر وقت کا حاضرباش تھا اور والد [1]مرحوم اور وہ عالم طفولیت میں ساتھ رہے ۔ آپ اس کے لطف کو تصور فرمائیے ؛ آج تک کسی شاعر کا دیوان ایسا مرتب نہ ہوا ہوگا ۔ خدا انجام کو پہنچا دے!

آزاد

یکم ستمبر ۱۸۸۴ع[2]

---

۱ - یعنی مولوی محمد باقر مرحوم ، شمالی ہند میں اردو صحافت کے بانی ، دہلی اُردو اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے اور کئی اخبار جاری کیے ۔ اردو اخبار پریس سے بڑی بڑی کتابیں شائع ہوئیں ۔ ذوق کے ہم سبق اور دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے ۔ پہلے دہلی کالج میں بہ طور استاد کئی سال کام کیا ، پھر محکمۂ مال میں ملازمت کی اور دہلی کے تحصیل دار ہوئے۔ ملازمت ترک کر کے اشاعت دین اور خدمت علم و ادب اختیار کی ۔ متعدد تصانیف ان کی یادگار ہیں ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ع کے علم بردار اور سلطنت مغلیہ کے خیر خواہ تھے ۔ روزنامچہ جیون لال میں انھیں کمپنی کمانڈر لکھا ہے ۔ انھیں اسباب کی بنا پر انھیں شہید کیا گیا اور ان کی جائداد ضبط کر کے نیلام کر دی گئی ۔

۲ ۔ مطبوعہ مکتوبات میں ۱۸۸۸ع چھپا ہے ، لیکن قیاس ہے کہ ۱۸۸۴ع ہوگا ۔

۱۱۰

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من ! تسلیم ۔

مجھے بھی کئی دن سے خیال تھا ، الحمد للہ کہ خیروعافیت معلوم ہوئی ۔ بدلی[1] سے یہ تو خوشی ہوئی کہ ایک دن لاہور کی منزل میں ملاقات ہو گی اور بہت سی باتیں جو تحریر میں نہیں سماتیں، زبانی ادا ہوں گی ۔ مگر یہ خیال ہے کہ اب آپ ہندوستان کی طرف بڑھتے چلے جائیں گے ۔ خیر میں نے کون سا پنجاب سے نکاح کر رکھا ہے ۔

سبحان اللہ! سکوں کا شوق آپ کو کب ہوا ، جب کہ سکوں کی کان سے آپ جدا ہوتے ہیں ۔ جہلم سے لے کر پشاور تک سکوں کا گورستان ہے ۔ مجھے آپ سے زیادہ شوق تھا ، مگر پانچ برس ہوئے ، میرے دو تین سو سکے دفعتاً گم ہو گئے[2] ؛ ایسا صدمہ ہوا کہ اب تک جب خیال آتا ہے ، دل تڑپ جاتا ہے ۔ بے زار ہو گیا اور خیال کا بھلانا مصلحت دیکھا ۔ دوکان دوکان پھر کر اور گدائی کرکے برسوں میں جمع کیے تھے ، ہزاروں میں سے انتخاب کر کے رکھے تھے ، اور تمام گریک کے تھے ۔

---

۱ ۔ میجر صاحب جہلم سے امرتسر بدل کر آ گئے ۔

۲ ۔ مولانا کو سکوں کا شوق تھا جیسا کہ اس تحریر سے ظاہر ہے ۔ انھوں نے سکے چوری ہونے کے بعد یہ شوق ترک کر دیا تھا ۔ لیکن پھر بھی جہاں کہیں سے کوئی نادر سکہ بلا مشقت و تجسس دست یاب ہو جاتا تو وہ اسے خریدے بغیر نہ رہتے تھے ۔ اب بھی مرحوم کے ذخیرے میں پانچ سو سے زیادہ سکے موجود ہیں جن میں بہت سے گریک سکے ہیں ۔

ہائے افسوس! رنج ہوتا ہے ، نہیں لکھا جاتا ۔ آپ کے لیے جس قدر ممکن ہو گی ، کوشش کروں گا ۔

جب لاہور کے قریب پلٹن پہنچے تو مجھے ضرور لکھیے گا۔

وہ سید مصطفیٰ[1] خلف سید ابن علی صاحب بلگرامی یہاں بیمار ہو گئے ۔ ان کی بیماری نے طول کھینچا ۔ بخار ایسا لپٹا کہ نہایت ضعیف کر دیا ۔ آدمی کجا اور خدمت کجا ؟ بیماردار ، تیمارداری کجا ؟ میرا لڑکا ایک دن خبر لایا کہ میں گیا تھا ، مجھے چند باتوں کے بعد انھوں نے پہچانا ۔ یہ سن کر میرا دل نہ رہ سکا ، انھیں مکان پر لے آیا ۔ اب آپ کے جد کے تصدق سے اللہ نے مجھ روسیاہ کی دعائیں قبول کیں اور انھیں شفا دے دی ۔ چناں چہ ۲۹ نومبر کو بہ خیر و عافیت روانہ حیدر آباد ہوئے ۔ اب یہ دعا ہے کہ بہ خیر و سلامت اپنے بزرگوں کے پاس پہنچ جائیں ۔

مولوی صاحب[2] کو خط لکھیے تو میری طرف سے بھی تسلیم لکھیے گا ۔ اور بھائی تو آزاد کو کیا جانیں گے ۔ جواب ضرور لکھیے گا ۔

دعا کا محتاج
بندہ آزاد

۴ دسمبر ۱۸۸۴ع

---

۱ ۔ یہ کوئی بلگرامی نوجوان ہیں جو پھرتے چلتے لاہور آگئے ہیں ۔ مولانا نے ان کی سرپرستی کی ، ان کی تعلیم کا انتظام کیا ، اور وہ بیمار ہو گئے تو اپنی جیب سے خرچ کر کے انھیں حیدر آباد دکن بھیجا ۔

۲ ۔ مولوی صاحب سے مراد غالباً مولوی سید علی بلگرامی اور بھائی سے عمادالملک سید حسین صاحب ہیں ۔

۱۱۱

بنام میجر سید حسن بلگرامی

جناب من!

تسلیم ۔ میرا اصل نیاز نامہ بھیج دیجیے ، کچھ مضائقہ نہیں ہے ۔ کیوں کہ اگرچہ ابھی تک ایسی حالت نہیں کہ انھیں کچھ فکر کرنا پڑے لیکن ہر حال کی مسلسل اطلاع انھیں اچھی ہے[1] . . . آپ انھیں احمق سمجھتے ہیں؟ ابتدائے مطلب برآری میں یہ لوگ احمق ہی ہوتے ہیں ، کیوں کہ جانتے ہیں ، احمق بن کر خوب کام نکلتا ہے ۔ جب جال جم جاتا ہے ، پھر دیکھیے کہ کیا عالم ہوتا ہے ۔ مالک کل! اور تم کون ؟ تمھیں کیا دخل ؟ تمھیں کیا اختیار ؟ ایک جز اُن کی پالیسی کا یہ بھی ہے کہ فقط انگریزی پڑھاؤ ، سائنس وغیرہ کچھ ضرور نہیں ۔ لیکن آپ خیال کیجیے علوم مذکورہ زبان کے لیے بہ منزلۂ اعضائے رئیسہ کے ہیں ، اگر وہ بالکل نہ ہوئے تو پھر آدمی کیا ہوا ، وہ تو حیوان ہوا ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طرز خاص اور مقدار خاص تک ہوں ۔

'پالیسی[2]' عجب لفظ ہے! کہیں اس کے معنی تجویز کے ہوتے ہیں ، کہیں مصلحت ، کہیں مصلحت وقت ، کہیں حکمت عملی (کے) بس حضرت اب پھر ۔

آزاد[3]

بنگلہ ایوب شاہ

---

۱ ۔ کوئی عبارت حذف کر دی گئی ہے ۔

۲ ۔ اس میں حیدر آباد کی نئی پالیسی کا ذکر اور سالار جنگ کے بعد لائق علی کے نظام سیاست کے بارے میں کچھ تذکرہ ہے ۔

۳ ۔ شاید ۱۸۸۳،۸۴ کا خط ہو ۔

۱۱۲

بنام محکمہ اطلاعات

مصری اخبار — 'احیا' — اور انگریز

نمبر ۱۳ مجریہ ۱۰ جولائی ۱۸۸۴ء

بہ ظاہر محکمۂ اطلاعات عامہ مولانا کو عربی اخبار بھیجتا تھا اور وہ انگریزوں سے متعلق عبارتوں کا ترجمہ کر دیا کرتے تھے۔ مصری اخبار 'احیا' کے بارے میں یہ مضمون اور اس طرح کے دوسرے خلاصے آج ہمارے لیے بے انتہا مفید ہیں۔ تاریخ کے طالب علم اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ انیسویں صدی میں انگریز کے خلاف تحریک کا حال کیا تھا۔

کل کی ڈاک میں 'احیا' نمبر ۱۳ مجریہ ۱۰ جولائی پہنچا۔ اول ایک چار کالم کا طولانی آرٹیکل لکھتا ہے اور تمہید میں بڑی خوشی اور سحر (سرور ؟) کے ساتھ انگریزی کارروائی پر تمسخر کرتا ہے۔ پھر جب سے مصر میں انگریزی مداخلت شروع ہوئی اور جس طرح وقت بہ وقت بڑھتی گئی، اس کی حالت بیان کرتا ہے اور ہر کام میں بد نیتی کی تہمت لگاتا ہے۔ آخر پر کہتا ہے کہ جب خرطوم قبضۂ انگریزی سے نکل گیا تو کیا خیال میں آ سکتا ہے کہ محمد احمد کا دعویٰ مقامات محدود بند رہے گا۔ حالانکہ انگریز بھی جان گئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو مخلصی دینے والا ہے۔ آیا کچھ عقل سے بعید ہے کہ اس کا شعلہ تمام ممالک اسلامیہ تک پہنچے اور صدمۂ فساد کا خطر ہر جگہ انگریز کے لیے ایسا ہی ہو جیسا کہ ہند میں چرچا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو حالت ہے وہ بہ نسبت امن کے خطر کے بہت قریب

ہے ۔ اور عنقریب انگریز دیکھیں گے کہ وہ نہایت محتاج ہیں صلح کے ، اور بڑے ضرورت مند ہیں قناعت کے ۔

پھر دو سطر آگے بڑھ کر کہتا ہے ، کوئی قوت اس اثر کا مقابلہ نہیں کرسکتی ، مگر دولت عثمانیہ کہ بہ خوبی کر سکتی ہے ۔

ایک کالم لکھ کر کہتا ہے : جو کچھ ہم کہتے ہیں ، کچھ شیخی اور نمود نہیں ہے ۔ مہدی سوڈانی[1] کی دعوۃ پر ہندوستان ، بلوچستان ، افغانستان پر اکثر دل میں ، گردنیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہے ہیں ۔ اور پتنگا بلوے کا چادر ہائے طبیعت کے پلوں میں سلگ اُٹھا ہے ، دیر نہیں بھڑکا چاہتا ہے ۔ دولت عثمانیہ کو چاہیے کہ ہر نقطے کے عمق پر غور کرے اور برٹش گورنمنٹ کی قوت اور سامان کو جانچے اور دیکھے کہ ممالک میں اس کے معاملے کس طرح اُلجھے ہوئے ہیں اور کیسا ضعف اور ناچاری اُن کی حالت میں ظاہر ہو گئی ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

ایک آرٹیکل تین کالم کا بڑا پر زور لکھتا ہے ، جس کا ہیڈنگ ہے "شرف" (بڑائی اور بزرگی) ترغیب دیتا ہے کہ بے خطر ، بے محنت اور بے تکلیف اُٹھانے کے فخر مذکور نہیں حاصل ہوسکتا۔ البتہ سکندر اعظم ، نپولین وغیرہ وغیرہ کی مثالیں بھی دیتا ہے ۔

ڈیڑھ کالم کا ایک آرٹیکل لکھتا ہے ؛ اس کا ہیڈنگ ہے : "نیند سے چونکیے"۔ تمہید میں چند فقرے آیتوں اور مذہبی دعاؤں کے لکھتا ہے کہ الٰہی! مسلمانوں میں اتفاق دے اور ان کے کام میں برکت دے! وغیرہ وغیرہ ۔ پھر کہتا ہے ، مدت گزری

---

۱ ۔ اس دور میں ہندوستانی مسلمانوں کا ایک طبقہ مہدی سوڈانی کا حامی تھا ، اور انگریز حکومت کو اس تحریک سے بڑی تشویش تھی ۔ انھی ایام میں مطبع دہلی پنچ لاہور نے 'مہدی سوڈانی' کے نام سے ایک کتابچہ بھی شایع کیا تھا ۔ (محمد باقر)

کہ انگریز ہندوستان میں داخل ہوئے ۔ اہل ہند نے یہ بڑی غلطی کی ، آپس میں برگشتہ ہو گئے اور ایک نے دوسرے سے منہ پھیر لیا ۔ خدا نے کہا ہے کہ ایسے مواقع پر میری رسی کو مضبوط پکڑا کرو ۔ انھوں نے دعوت الٰہی کو نہ سنا ، اس کی سزا میں اپنے وبال کا مزا چکھا ، اور سب تسلط انگریز کے تحت میں گر پڑے ۔ دولت مذکور ان پر حاکم ہوئی اور ہند کے حاکم اس کے محکوم اور لونڈی غلام ہو گئے ۔ حالانکہ دولت فرنگ پہلے کہتی تھی کہ ہم تمھارے امانت دار خدمت گار ہیں ، دولت مذکور کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ اس کی حاکم عادل بنے ؛ بلکہ حد عدل سے تجاوز کیا اور وہیں ظالم ستم گار بن کر ڈٹ گئے ۔ جب اہل ہند اس کی سنگ دلی کی آگ سے جلنے لگے تو چوبیس برس ہوئے کہ سب نے ایکا کیا اور مل جل کر اٹھے کہ جو پھندے ظالموں نے گلے میں ڈال دیے ہیں ، انھیں نکال کر پھینک دیں ۔ مگر اس وقت افغانی ، بلوچی ، ایرانی غفلت میں رہے ، مدد کا ہاتھ نہ بڑھایا ؛ بلکہ ایرانی اس وقت انگریز سے لڑ رہے تھے ، ہندی اُن سے نہ گٹھ گئے اور امداد کے لیے جوڑ نہ لگایا ۔ اسی طرح وہ عثمانیہ کے ساتھ نہ ملے ۔ ہمسایوں نے ہمسایوں سے آنکھ چرائی ۔ دشمن اُن کے بیچ میں قدم گاڑے ہوئے تھا اس لیے ستم گار اور پردیسی حکومت جم گئی ۔ چشم پوشی کرنے والے عقل رکھتے تو سمجھتے کہ دشمن جب ہند پر قائم ہوا تو اس کا جاہ و جلال قوی ہو گیا ۔ چناں چہ پھر انگریز نے ان پر حملہ کیا اور جو ان بھائیوں پر عذاب ڈالا تھا ، وہ ان پر ڈالا ۔

اس کے بعد پردیسی دشمن نے بلوچستان پر چڑھائی کی اور لڑائی شروع کی ۔ اس وقت افغان اور ایرانی اُن کی مدد میں

چھوکے ۔ اس کا کام پورا بن گیا ۔ چناں چہ زمین بلوچستان کے
ایک جز پر حاکم بن گیا ۔ تب افغانوں پر پلٹا ۔ اس میں اور
آن میں سخت لڑائی ہوئی اور دو برس تک جاری رہی ۔ اس حالت
میں نہ ہندوستان کی نبضیں پھڑکیں ، نہ ایرانیوں کی کلائی مدد
کو بڑھی ۔ عثمانی سلطنت کا ان سے لگاؤ نہ تھا ۔ اگر ان سب کو
انجام دکھائی دیتا تو سمجھ جاتے کہ ہماری ایک کی زندگی دوسرے
سے وابستہ ہے ۔

دشمن نے دست درازی حد کو پہنچا دی ، یہاں تک کہ
دولت عثمانیہ پر بھی بے اعتدالی کی کہ مصر جو حکومت عثمانیہ
میں سے بڑی حکومت ہے ، بلکہ مسلمانوں کے شہروں میں سے
بڑا شہر ہے ، اس پر لشکر لے گیا ۔ اور ایسا ایسا ہوا اور
ہو رہا ہے ۔

مصر کے معاملے نے دینی بھائی ہندی میں جان ڈال دی ۔
چناں چہ اکثر خطوط فارس ، ہند ، افغانستان سے ہمارے پاس
پہنچے ہیں ۔ اگر انگریز نے اپنے لالچ اور طمع سے دولت عثمانیہ
کے حق کو حقیر سمجھا تو دیکھنا ایسا ہوگا اور ویسا ہوگا ۔
وغیرہ وغیرہ ۔

انگریزی حیلہ

اکثر اخبارات ہند جن میں اخبار عام[1] بھی شامل ہے ،
لکھتے ہیں کہ ان دنوں میں انگریزوں کے شمار کثیر نے
اسلام اختیار کیا ہے ۔ اس واقعۂ تازہ کو دیکھ کر گمانوں کی
کثرت اس بات پر پڑی ہے کہ ان کے تبدیل مذہب کا سبب

---

[1] ۔ لاہور میں اس دور کا ایک مقبول اخبار تھا ۔

دین کا حسن عقیدہ اور احکام پاک کا یقین نہیں ہے ۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہم جنس بن کر دغا دیں ، تاکہ وہ ان پر بھروسا کریں اور نیک گمان ہو جائیں اور جو محمد احمد[1] کی طرف سے خیالات دل میں رکھتے ہیں ، وہ ان سے کھول دیں ۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوۃ مہدی نے اہل ہند کے دلوں کو لبھا لیا اور ان میں اس کی منزلت بہت بڑی ہو گئی ۔ اور انگریزوں کو امید ہوئی ہے کہ اگر یہ راز کھلا اور اس کی شہرت نے مسلمانان ہند میں طول کھینچا تو برا ہوگا ۔ اس کی احتیاط کے لیے یہ وسیلے نکالے ہیں ۔ اور بعض اخباروں نے لکھا ہے کہ دعوت مہدی کے یقین کے ساتھ روسیوں کا قرب زمین ہند میں خطر پیدا کرتا ہے ۔ اس اتفاق نے اضطراب سخت پیدا کر کے انگریز کو مسلمانوں کی دوستی پر آمادہ کیا ہے کہ عادلان منصف بلکہ اہل صفا اور با اخلاص لوگوں کا لباس پہنیں ۔ یہ اخلاص اور عدالت نہیں کہ ان میں سے اکثر کو اسلام اختیار کرنے پر اکساتی ہے ۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ اس طرح دل ہائے خالص کے مالک بن جائیں اور تھوڑے سے مسلمانوں کے سینوں کو اپنے کینے سے صاف کریں اور جو خرابی جلدی یا دیر میں پہنچنے والی ہے اس سے بچیں ۔ لیکن ان حکمتوں کا وقت گزر گیا ہے ۔

انگریز یہ بات کر سکتے تھے ، مگر اس طرح کہ حکمرانی میں اعتدال رکھتے اور بد افعالی کے قریب پہنچنے سے پہلے تھوڑا انصاف اختیار کرتے ۔ اور اب تو سینے کینوں سے بھر گئے ، دل

---

۱ - مہدی سوڈانی جنھوں نے انگریزوں کے خلاف باقاعدہ تحریک شروع کی ۔

عداوتوں سے سنگین ہو گئے ۔ کل مسلمانوں کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ انگریزوں کی مصلحت میں ایک مفسدہ ہے اور ہر نیکی میں بدی ہے اور ہر کھرے میں کھوٹ ہے ۔ اور ان کی ہر صفائی کدورت ہے ۔ یہ دغاباز ہیں ، خیانت کار ہیں ، بلکہ جھوٹے ہیں ، منافق ہیں ۔ اور یہ ایسی صفتیں ہیں کہ جن میں شک نہیں رہا ۔ اس صورت میں یہ حیلے کچھ بھی فائدہ نہ کریں گے اور سخت برے ہو کر ان پر پڑیں گے اور اس سے کچھ فائدہ نہ پائیں گے ۔ ہاں ! لوگ یہ جانیں گے کہ جب کچھ نہیں بن آئی تو یہ ایسی باتیں کیا کرتے ہیں ۔ لوگوں کو ان کے اکثر کرتوتوں سے آگاہی ہوگی اور ضعف کا یقین ہوگا اور یہ معلوم ہوگا کہ اب انگریزوں کے پاس کوئی حیلہ نہیں رہا مگر ترک دین کہ اس سے مسلمان بہت خوش ہوتے ہیں ۔ اور ہمیں کچھ ضرورت نہیں رہی کہ مسلمانوں کو انگریز کی ان باتوں سے ڈرائیں ، کیوں کہ کل بلاد ہندوستان میں ایک مسلمان بھی ایسا نہیں رہا ، جو نہ جانتا ہو کہ اس کے حاکم اس کے ساتھ کیا ارادہ رکھتے ہیں ۔ یہ اگر سچے بھی ہوں تو کوئی ان پر اعتبار نہیں کرتا ۔

ایک خبر جو مصر اور سوڈان کی لکھتا ہے ، اس میں بعض تجویزیں برٹش گورنمنٹ کی لکھتا ہے ۔ مثلاً یہ کہ بربر سے سواکن تک ریل بنانے میں ، وغیرہ وغیرہ ۔ اس میں بھی یہ انگریزوں کی غلطیوں میں سے ایک ویسی ہی غلطی ہے کہ جب ہندوستان پر قبضہ پا لیا تو حکم دیا کہ بعض بعض تجارتیں خاص ہمارے لیے ہیں ۔ مثلاً نیل کہ اسے اپنے لیے خاص کیا اور ظلموں میں اور ترقی کی ۔ چناں چہ تمام حکومتیں مستقبل (میں) جو نوابوں اور راجاؤں کے ہاتھ میں تھیں ، وہ بھی خود

لے لیں۔ حکم دیا کہ افیون کوئی نہ بوئے۔ دلیل دیتے ہیں کہ یہ زراعت انگریز کی ہندوستانی سلطنت کا حق ہے، وہ بوئے گی؛ کسی کو اس زراعت میں ہاتھ ڈالنا نہیں چاہیے کہ ہمارا فائدہ گھٹ جائے گا یا یہ کہو کہ جو فائدہ اٹھاتے تھے، وہ نہ اٹھائیں۔ ساتھ یہ ظلم ہے کہ جس شہر میں ان کی فرماں روائی چلتی ہے، وہاں پرانے، ویران کھنڈر اور اشراف کنبوں کے فاقے ان باتوں کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور ہمیشہ ہر شہر میں اس کا یہ طریقہ ہے، وہاں کے لوگوں کے ساتھ؛ خواہ پاس ہوں، خواہ دور۔ آنکھوں والوں پر واجب ہے کہ دیکھیں، دانا کو چاہیے کہ ڈرے۔

۱۸۸۴ع

۱۱۳

ادارۂ 'نور بصیرت'

مجھے مدت سے خیال تھا اور ہے کہ پنجاب میں ایک ایسا رسالہ جاری ہو؛ بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان جیسا ملک جس میں ایسے بہت سے رسائل ہونے چاہئیں، ان میں اگر غور کرو تو ایک بھی نہیں۔ صرف کلکتے (میں) چند مہینے سے 'نور بصیرت' ایک رسالہ نکلا ہے، جس کی اُمید نہیں کہ قائم رہ سکے یا نہیں۔ کیوں کہ ایسے ایسے شوق لوگوں کو کئی دفعہ ہوئے اور دودھ کے اُبال کی طرح بیٹھ گئے۔ اس کے سبب چند در چند ہیں۔ اول یہ کہ جو لوگ اس کے اجرا پر کمر بستہ ہوتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ رسالے کی خوراک اور اپنے پیٹ کا سہارا اس میں سے نکالیں۔ اور ہمارے ملک کی پبلک ابھی (ایسی

ہیں جو ایسی چیزوں کی اس قدر قدر دانی کرے اور خریدار بہ کثرت جمع ہو جائیں۔ جو شوق اٹھے تھے ناکامی سے بیٹھ گئے۔

(۲) جسے اجرائے رسالہ کا شوق ہو ، اسے واجب ہوتا ہے کہ ایک ایڈیٹر ڈھونڈھے ، لیکن ایسے ایڈیٹر کو ایسا شخص ملنا بھی مشکل ہے تو تنخواہ اپنی اور آمدنی رسالے کی حد سے زیادہ دینی پڑتی ہے ۔ پبلک میں ایسے لوگ بہت کم بلکہ تقریباً مفقود ہیں جو اپنے سرمایۂ علمی سے اس کی مدد کریں ؛ جو ہیں ، وہ برائے نام ، اور کام کے لیے محنت اور وقت صرف کرنا نہیں چاہتے ۔ البتہ بعض بعض اشخاص ابتدا میں وعدے کرلیتے ہیں اور کچھ کچھ مضامین دیتے ہیں مگر جب عارضی مواد نکل جاتا ہے تو خاموش ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اس وقت جو کچھ کرے ، خود صاحب رسالہ کرے ۔ کارروائی اس پر آجاتی ہے کہ کتابوں کی نقلیں شروع کر دیتے ہیں اور ان کی پیشانی ہی دیکھ کر لوگ رسالہ ہاتھ سے رکھ دیتے ہیں ۔ نہ اس قابل ہوتے ہیں کہ انھیں شوق لوگوں کا متوجہ ہو کر دیکھے ۔

ایسے رسالوں کے مضامین چاہیے کہ اگرچہ علمی خواہ تہذیبی خواہ انتظامی ہوں ، مگر دل چسپ ہوں ۔ دیکھنے والے کی طبیعت پر غور کا بوجھ نہ ڈالیں۔ ایسا ہے کہ میں بہت سوچتا ہوں اور مدت سے سوچتا ہوں ۔ یہ آج تک نہیں کھلا کہ کس قسم کے مطالب لکھے جائیں اور کس طرح لکھے جائیں ، جنھیں لوگ شوق سے دیکھیں اور ان کا اثر بھی ان پر کچھ فائدہ پہنچائے ۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ۔ یہ خوش نصیب رسالہ جو اس قدر (دور) پہنچا ، بہت پہنچا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو باتیں ایک رسالہ جاری کرنے کے لیے درکار ہیں ، وہ اتفاقاً اسے حاصل ہو گئیں جس کے سبب سے مجھے امید قوی ہے کہ

اگر مدد الٰہی شامل حال رہی تو زندگی پائے گا اور زور حاصل کرتا جائے گا۔

بنیاد اُمید کی اس بھروسے پر ہے کہ جو لوگ شوق کے اشتغال سے اس کے جاری کرنے والے ہیں، وہی اس کے ایڈیٹر ہیں۔ علمی خاندان کے سعادت مند فرزند، خود علم والے، لیاقت والے، فضل و کمال والے، محبت والے حقیقی بھائی ہیں کہ انگریزی، عربی، فارسی کے معمولی اور ضروری علم میں عمدہ استعداد رکھتے ہیں۔

ضروری ہدایات:

(۱) کاتب ایسا فہمیدہ ہو کہ اشارات و علامات خود مرتب کرسکے۔

(۲) فقروں کے خلاصوں کی سرخیاں صفحات کے دائیں بائیں ٹھیک لکھی جائیں۔

(۳) مضمون کا عنوان صفحات کی پیشانی پر ہونا چاہیے۔

(۴) الفاظ انگریزی و غیرمعروف مقطعات با اعراب صحیح و درست ہوں۔

(۵) انگریزی الفاظ کو عبارت کے ساتھ ٹائپ میں چھپوانا ہوگا؛ قلمی میں خراب ہو جاتا ہے۔

(۶) ناموں اور غیر معروف لفظوں کو بہت صحت سے لکھوانا چاہیے۔

(۷) کی، کے وغیرہ؛ تھے، چھے وغیرہ کو بھی زمانۂ حال کے رسم الخط کے موافق لکھوانا چاہیے[1]۔

۱۸۸۴ع

۱۔ یہ خط مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا دست یاب ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس کا خاکہ تیار کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۱۴

بنام نا معلوم

عزیز من!

بعد دعاہاے فراواں کے معلوم ہو کہ یہاں کے عجائبات کا کیا حال شمار ہوسکتا ہے ۔ ادنٰی ادنٰی شے آنکھوں میں رکھ لینے کے قابل ہے ۔ اور چیزوں کے علاوہ ایران کی قلم کار چھینٹیں ایسی عمدہ اور خوش رنگ اور خوش وضع ہیں کہ قدرتی پھول شاداب نظر آتے ہیں ۔ کم سے کم چھ گز ، پھر سات ، آٹھ ، دس ، بارہ ، سولہ گز تک اور رنگ پختہ ۔ جوں جوں دھوئی جائیں ، پھول کھلتے چلے جائیں ۔ سب کے نمونے بیس بیس گز

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

مجھے نور بصیرت کے متعلق کہیں سے معلومات حاصل نہ ہوسکیں ۔ تاریخ صحافت اردو حصہ سوئم مصنفہ مولانا امداد صابری دہلوی میں صفحہ ۳۸۳ پر اس قدر تحریر ہے :

''کلکتہ نمبر ۱۶ محلہ اٹالی مقام ملا پاڑہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۳۲ صفحات پر ۱۵ جون ۱۸۸۴ع کو شائع ہوا ۔ مالک ظفریاب خاں اور مہتمم اسفندیار خاں ، ایڈیٹر غلام حضرت ، سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا ۔ مطبع قادریہ میں طباعت ہوتی تھی۔''

قرائن سے یہ رسالہ ۱۸۸۴ع ہی کا معلوم ہوتا ہے ۔ مولانا نے اپنے نوٹ میں رسالوں کی ناکامی کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے ۔ اس زمانے میں رسالوں کی بہتات ہو چکی تھی ، اور ان کی ناکامی کے اسباب مولانا کی نظر میں تھے ۔ انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ رسائل جاری کرنے والوں کے لیے مستقل ہدایات کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہے ۔

بھیجوں ؟ مگر میں ہوتا تو دوستوں میں فوراً بک جاتیں ؛ اُمید نہیں کہ تم اس جھگڑے کو سمیٹ سکو ؛ اور سمیٹ سکتے ہو اگر پنڈت گوپی ناتھ ، گوبند سہائے سے مل کر بندوبست کرو ۔ پنڈت رام نرائن ، پنڈت پیارے لعل ان کے رفیق اگر چاہیں تو سب کچھ کرسکتے ہیں ۔ میرے شاگرد بہاری لعل بالمکند خود چالیس پچاس تک کی لے لیں گے ۔ تم ان سے مل کر اس کا بوجھ بٹالو ۔ رستہ کھل جائے گا تو ایرانی آپ آیا کریں گے اور تم صاحبوں کو گھر بیٹھے دے جایا کریں گے ۔

جاڑے کے کپڑے بھی ایسے ایسے ہیں کہ برسوں تک رفاقت کریں ۔ چائے دان ، چھوٹے چھوٹے سماوار ، بہت خوش نما ، جن میں چار چار پیالیاں چائے کی آجائیں ، سامنے میز پر دھر لو ؛ آپ ہی بناتے جاؤ پیتے جاؤ ، کمرے کی رونق ہو ۔ یہ سب برنجی اور مسی ہوتے ہیں لیکن نہایت لطیف اور نفیس ۔

چاقو اور قینچیاں عمدہ اور بران ، قابل تعریف اور دیرپا ، پانچ چھے سے لے کر ایک روپے سات یا آٹھ آنے تک ۔ جو شمشیر ایرانی میں خوبیاں تھیں وہ ساری اب ان میں ختم کردیتے ہیں ۔ چوں کہ میرے پاس روپیہ کتابوں کے لیے ہے اس لیے اس میں نہیں لگا سکتا ۔ ایک نئے شوق کا شغل سمجھ کر جو چاہو تو بے شک بھیج دوں ۔ اس وقت دو سو روپے میں یہ نمونے پہنچ جاویں گے ۔

زیادہ دعا

محمد حسین آزاد

۱۸۸۵ع[1]

---

[1] مولانا ۱۸۸۵ع میں ایران اور اس سے پہلے ۶-۱۸۶۵ع میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۱۵

بنام سیکریٹری گورنمنٹ پنجاب

آنر سر!

عربی اخبار[1] جو پیرس سے نکلا ہے ، اس کے پہلے اور دوسرے نمبر کا خلاصہ بھیج چکا ہوں ۔ وہ ترجمہ انگریزی میں میرے بیٹے نے کیا تھا ، جو کہ کل رڑکی کو روانہ ہوا ۔ وہ انجینیرنگ کلاس میں وہاں پڑھتا ہے ۔ اب امید نہیں کہ ہر وقت مجھے کوئی معتبر اور رازدار آدمی مل سکے جو میرے خلاصے کا انگریزی میں ترجمہ کر سکے ۔ اس واسطے اخبار مذکور کا اردو میں خلاصہ کرکے بھیج دیا کروں گا ۔ حضور کے عالی دفتر

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

وسط ایشیا گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ خط ۱۸۸۵ع یعنی سفر ایران کے دوران میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ شاگردوں کا بھی ذکر ہے ۔ مولانا ۱۸۷۰ع میں گورنمنٹ کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے تھے ، اس سے متذکرہ بیان کی تائید مزید ہوتی ہے ۔

۱ ۔ میرا خیال ہے کہ ان غیر ملکی اخبارات کے خلاصے گورنر کو بھیجے جاتے تھے ۔ اس خط کے نیچے اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کسی نے کیا ہے ۔ تاریخ درج نہیں ۔ ۱۸۸۵ع کے ابتدائی مہینوں میں کسی تاریخ کو لکھا ہوگا ۔ مولانا کے صاحب زادے ایف ۔ اے ۔ کرنے کے بعد انجینیرنگ کالج رڑکی میں انجینیرنگ کی تعلیم کے لیے داخل ہو چکے تھے۔ ان کے ہم جماعتوں میں سر گنگا رام بھی تھے ۔ لیکن کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ آغا محمد ابراہیم کو آخری مرحلے پر وہاں سے واپس آنا پڑا اور انھیں اورسیر کی سند دے دی گئی ۔

میں ترجمہ ہو کر آپ کے ملاحظے سے گزرے گا ۔ فی الحال نمبر ۳ اور نمبر ۴ کا خلاصہ بھیجتا ہوں ۔ فقط

محمد حسین آزاد

۱۸۸۵ع

۱۱۶

بنام محکمۂ اطلاعات[1]

۱۴ فروری ۱۸۸۵ع

جناب عالی! اخبار عروۃ الوثقٰی بہ‌زبان عربی جو پیرس میں جاری ہوتا تھا ، اس کے ۱۸ نمبر اکتوبر ۱۸۸۴ع تک مسلسل اخبار عام میں آئے اور ترجمہ اس کا حضور میں برابر عرض کیا گیا ۔ جب سے اب تک کوئی اخبار نہیں آیا ۔ دو ہفتے ہوئے کہ بہ‌موجب حکم حضور معرفت اخبار مذکور کے دارالسلطنت کلکتہ اور لکھنؤ سے برادری اور ہم پیشگی کے طور پر دریافت کیا گیا کیوں کہ وہ دونوں اس کے ۳ نمبر تک ہماری تعریف کے ساتھ لکھتے تھے ۔

---

۱ ۔ مندرجۂ ذیل عبارت مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی موجود ہے ، لیکن اس پر عنوان درج نہیں ۔ بہ ظاہر محکمۂ اطلاعات عامہ کی طرف سے مولانا عربی اخبارات کے ترجمے کرنے پر مامور تھے ، جیسا کہ اس سے پہلے چند تحریروں سے ثابت ہوتا ہے ۔

اس تحریر میں علامہ جمال الدین افغانی رحمۃ‌اللہ‌علیہ کے رسالۂ عربی 'عروۃ الوثقٰی' کے بارے میں گفتگو ہے ۔

۱۵-۱۶ دن کے بعد کلکتے سے جواب آیا کہ نہیں آیا ۔ مگر وہ ایسے مردہ اور نیم جان لفظوں میں ہے کہ شبہ پڑتا ہے کہ شاید چھپاتے ہیں ۔ لکھنؤ کو ایک یاددہی اور لکھوا دی ہے ، دیکھیے وہ کیا کہتا ہے ۔ فقط

(محمد حسین آزاد)

۱۱۷

عرضی بنام پرنسپل گورنمنٹ کالج

جناب عالی!

بہ سبب ضرورت بعض عیال کے فدوی حضوری مدرسہ سے قاصر ہے ۔ امیدوار ہوں کہ کل ۲۴ فروری سے چار دن کی رخصت مرحمت ہو اور کیجوئل لیو میں شمار کی جائے ۔ فقط

فدوی

محمد حسین آزاد

۲۳ فروری ۱۸۸۵ ع

۱۱۸

عرضی بنام پرنسپل گورنمنٹ کالج

جناب عالی!

فدوی کی بیماری کا حال حضور کو معلوم ہے ۔ اگرچہ جو خطرناک حالت تھی ، وہ رفع ہوگئی ہے ، لیکن ضعف اس قدر ہے کہ بے رخصت کے گزارا نہیں ہے ۔ امید وار ہوں کہ بارہ دن کی رخصت مرحمت ہو ۔

اگر تھوڑے دنوں میں طبیعت بحال ہو گئی تو پہلے حاضر ہو جاؤں گا[1] ۔

محمد حسین آزاد
یکم جون ۱۸۸۵ع

---

۱ - ان دنوں مولانا بنگلہ ایوب شاہ میں مقیم تھے ۔ مکان میں آگ لگنے اور میری والدہ کی ددہ کے جل جانے اور ان کی چاہیتی بیٹی کے انتقال ہو جانے سے ان کے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہوگئی تھی ۔ اس کے بعد انھوں نے بار بار رخصت لی ۔ ڈاکٹر رحیم خاں سول سرجن کا سارٹیفکیٹ ان کے کاغذات میں موجود ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولانا اعصابی کمزوری میں مبتلا ہیں اور انھیں آرام کی اشد ضرورت ہے ۔ مولانا نے سیر ایران میں لکھا ہے کہ مجھے دوست احباب سفر ایران سے روک رہے تھے اور کہتے تھے کہ تختہٴ جہاز پر سفر کرنے سے جو تکالیف ہوتی ہیں وہ آپ برداشت نہیں کر سکیں گے ۔ آپ کی جو دماغی کیفیت ہے اس سے جنون کا مرض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے ۔ لیکن مولانا ان کے جواب میں فرماتے تھے، سیر و سفر میں میری طبیعت درست ہو جائے گی ۔ اور جس کام کی غرض سے میں سفر کر رہا ہوں ، اس کے انہاک میں میں اپنی دماغی اور جسمانی تکلیفیں بھول جاؤں گا ۔ حقیقةً ایسا ہی ہوا اور سیر ایران کا مولانا کے دل و دماغ پر بڑا اچھا اثر پڑا ۔
(محمد باقر)

۱۱۹

عرضی بنام پرنسپل گورنمنٹ کالج

جناب عالی!

فدوی بہ سبب علالت طبع کے جو کہ ضروری اور مجبوری ہے ، بہ‌ذریعہ مڈیکل سارٹیفکیٹ کے دو ہفتے کی رخصت کا آمیدوار ہے ۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی درخواست کرتا ہے کہ ایام ماہواری کی تنخواہ معاف کی جائے ۔

فقط

محمد حسین آزاد

(۱۸۸۵ع)

۱۲۰

بنام نامعلوم

میاں بھائی! بہ موجب گفتگوے زبانی کے میں نے جہاں تک ہو سکا ، آئین شرافت اور وضع داری کی پابندی کی ، یقین ہے کہ آپ بھی طریقۂ سلامت روی کی حفاظت فرمائیں گے ، ورنہ مجھے صاف اجازت دیں گے کہ ہم سے نالش کر کے وصول کر لو[۱] ۔

محمد حسین آزاد

---

۱ ۔ مولانا نے کسی کو کچھ رقم قرض دی ہے اور مکتوب الیہ واپسی میں لیت و لعل کر رہا ہے ۔ خط کی سلامت اور اسلوب قابل دید ہے ۔

۱۲۱

بنام میاں مذاق شاگرد ذوق مرحوم

بندہ پرور! ادام اللہ برکاتہم!

تسلیم - آپ[۱] کو معلوم ہے کہ استاد مرحوم کا کلام اگر ان کے پاس سے باہر نکلتا تو ہمارے پاس آتا تھا ، اور کسی کو نہ دیتے تھے - دلی سے نکلتے وقت پروردگار نے توفیق دی اور تائید الٰہی نے یاوری کی کہ ایک کتاب[۲] اور اکثر مسودے متفرق ان کے ہاتھوں کے میں لے کر نکلا - یہ کتاب وہی ہے جس میں کہ آپ بھی اپنے ہاتھ سے کچھ کچھ اشعار اپنے لکھ آئے ہیں - آپ کے بعد اس میں بہت کچھ اور لکھا گیا - خدا کا شکر ہے کہ اس فرض کے ادا کا وقت آ پہنچا اور اب صرف دس پندرہ دن کا کام رہ گیا ہے -

اس ہفتے پٹنے سے کسی خدا ترس بندے کی تحریر پہنچی ؛ اس نے آپ کا نام مبارک لکھا ہے کہ بدایوں میں ان کے پاس دو قصیدے استاد مرحوم کے ایسے ہیں کہ دیوان مطبوعہ میں نہیں ہیں - میں نے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ عجیب نہیں جن دنوں آپ دلی میں تشریف رکھتے تھے ، والد مرحوم کی چھوٹی بیاض یا استاد مرحوم کے مسودات خاص میں سے

---

۱ - از آئینہ دل دار مرتبہ میاں مذاق صفحہ ۱۴ ، ۱۵ -

۲ - یہ ایک رجسٹر ہے جس میں ذوق مرحوم نے اپنے ہاتھ سے اپنا کلام رقم فرمایا ہے - اس میں میاں مذاق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ اوراق ہیں ؛ اس کے علاوہ مذاق نے کچھ اپنا کلام بھی نقل کیا ہے - یہ رجسٹر اور کچھ اور کاغذات آغا محمد باقر کے پاس محفوظ ہیں - ان کے علاوہ ذوق کی قلمی تحریر بر عظیم میں کسی کے پاس نہیں ہیں -

آپ نے دو قصیدے نقل کیے ۔ آپ وہ دونوں قصیدے عنایت فرمائیں تو اس مجموعے میں داخل کیے جائیں تاکہ اگر دیوان مطبوعہ میں نہیں مشتہر ہوئے تو اب مشتہر ہوجائیں ۔ انہیں اللہ مغفرت کرے ، وہ اب کچھ نہیں کر سکتے ۔ ہم لوگوں کو بھی اللہ نے دسترس دے رکھی ہے ؛ واجب ہے کہ ان کی آرزؤں کو پورا کرنے میں سعادت حاصل کریں ۔ وہ آج کچھ نہیں کر سکتے ؛ قریب ہے وہ دن کہ ہم بھی نہ کر سکیں گے ۔ آج اگر ہم ان کی آرزوئیں پوری کریں گے تو خدا ہماری آرزوئیں پوری کرے گا ۔ ان کا فرزند نہ رہا ، اللہ اسے مغفرت کرے! یہ فرزانِ معنوی ہیں ، انہیں اللہ آپ کے اور میرے ہاتھوں عمر دیتا ہے ۔ آپ کا تعلق تلمذ قدیمانہ کا ان کے ساتھ اور شفقت و محبت جو بندۂ آزاد کے ساتھ ہے ، اس کا لحاظ کرکے امید قوی ہے کہ آپ دونوں قصیدے وہ اور جو اشعار اور آپ کے خیال میں ہوں کہ دیوان مطبوعہ میں نہیں ، جلد مرحمت فرمائیں گے اور بندۂ آزاد کو اوقات مختلفہ میں دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے ۔

بندہ

محمد حسین آزاد عفی عنہ

(۱۸۸۵ تا ۱۸۸۸ع)

۱۲۲

بنام نامعلوم

عزیز من ! دعا !

مجھے آج کل فرصت مرنے کی بھی میسر نہیں آتی ، تمھاری کس کس بات کا جواب دوں ۔ اس وقت فقط ڈرامے[1] کے متعلق

---

۱ ۔ ڈرامے کے بارے میں اردو لٹریچر میں یہ ابتدائی تعارفی مضمون یا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

لکھتا ہوں کہ ہندوستان کے دانا عہد قدیم میں کبھی بہ غرض تفریح اور کبھی بہ‌غرض اصلاح بعض رسوم ملکی کے بعض معاملات کو بطور نقل کے اس کے کل سامان کے ساتھ محفلوں میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو نقل سے اصل کا مزا آ جاتا تھا ۔ شعرا اور انشاپرداز اس میں زور طبع کی داد دیتے تھے اور ذہین و طباع لوگ اسے وجود عمل میں لا کر دکھاتے تھے، اور اسے ناٹک کہتے تھے ، کیوں کہ وہ فقط 'اندرسبھا' یا راس‌دھاریوں کا سوانگ (ہی) نہیں ہوتا تھا بلکہ کبھی عظیم الشان بادشاہوں کے معرکے اس میں بیان ہوتے تھے ، کبھی نیک یا بد رسموں کی خوبیاں ، برائیاں دکھا کر لوگوں کے دلوں میں برائی سے نفرت اور بھلائی پر رغبت پیدا کی جاتی تھی ۔

لیکن افسوس ہے کہ مدت ہائے دراز سے یہ مفید اور دل چسپ کام اس ملک سے محو ہو گیا اور اگر ہے تو ایک معیوب حالت میں ہے ۔ دانایان فرنگ نے سنسکرت کے ترجمے لے کر اس میں کچھ کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ اپنے ملک میں رواج دیا اور وہاں اس نے بڑی قدر پائی ۔ اس کے لکھنے والے انشاپردازی کے اعلیٰ درجے کے انشاپرداز شمار ہوتے ہیں ، کیوں کہ مضمون کا انشائیہ ادا کرنا بھی ایک جز اعظم انشا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اظہار خیال ہے ۔ مولانا آزاد کی ادبی سوجھ بوجھ اور ادبی ذوق کے تنوع پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے اور ڈراما نگاری کے فن پر گفتگو کی پہل پر بھی ۔ تفصیلی بحث کے لیے ڈاکٹر اسلم فرخی کی کتاب 'محمد حسین آزاد' جلد دوم صفحہ ۵۵۱ بہ بعد (طبع کراچی ۱۹۶۵ع) دیکھیے ۔

کا ہے ۔ اور عمل میں لانے والے صاحب علم اور صاحب کمال لوگ ہوتے ہیں ۔

اکثر انگریزی اخباروں میں دیکھا جاتا ہے کہ کوہ مری اور شملے پر اعلی اعلی عہدےدار خود اس کے ادا کرنے والے ہوتے ہیں ۔

یہ فن کہ ایک اعلی شاخ انشاپردازی کی ہے ، زبان عرب اور زبان فارس میں نہیں ہے ۔ اور چوں کہ اردو کی شاعری اور انشاپردازی فارسی کی بنیاد پر اٹھی ہے اس لیے اس میں بھی ناٹک نہیں ہے ۔

فی الحال میں نے ایک ڈراما اردو میں لکھا ہے ، جس میں اکبر کے دربار کی بعض مفید حالتیں اور اہل دربار کی لیاقتیں دکھائی ہیں ، اور یہ بھی سمجھایا ہے کہ اکبر بادشاہ غیر ملک کے ہندوؤں اور ہندوستانیوں سے کس طرح گھل مل کر شیر و شکر ہوگیا تھا ۔ اور کالج کے طلباء اس تصنیف کے ادا کرنے[1] کے لیے

---

۱ ۔ غالباً اردو میں یہ پہلا ڈراما ہے جو گورنمنٹ کالج لاہور میں اسٹیج ہوا ۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ڈراما اکبر مکمل لکھا تھا اور وہ باقاعدہ گورنمنٹ کالج کی ڈرامیٹک کلب نے اسٹیج کیا ۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا مسودہ ضائع ہوگیا ۔ البتہ مکمل خاکہ اور دو ایکٹ ان کے کاغذات سے ملے تھے جنھیں آغا محمد طاہر نبیرۂ آزاد کی فرمائش سے مولانا کے شاگرد سید ناصر نذیر فراق نبیرۂ خواجہ میر درد نے مکمل کیا ۔ اس کے علاوہ مولانا نے شکسپیر کے ڈرامے 'میکبتھ' کا ترجمہ بھی کیا تھا ؛ اس کا صرف ایک ایکٹ مولانا کے کاغذات میں سے برآمد ہوا جو رسالہ ہمایوں لاہور کے ابتدائی زمانے کے کسی پرچے میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تیار ہو رہے ہیں - اور یہی بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان
کا ایک کمال جو گردش ایام سے مٹ کر محو ہو گیا تھا ، پھر
تازہ ہوتا ہے ـــــ لو بھئی ، اب پھر کبھی -

دعا کا محتاج

محمد حسین آزاد

۱۸۸۵ع[1]

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

شایع ہوا تھا - گورنمنٹ کالج کی تاریخ جو گورنمنٹ کالج کے صد سالہ جشن پر شائع کی گئی ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ اس دور میں کوئی ڈراما سٹیج کیا گیا اور نہ کسی ڈرامیٹک کلب کا ذکر موجود ہے - مولانا نے ایک اور ڈراما دختر کشی پر لکھا ہے - وہ باقیات آزاد کے سلسلے میں مجلس ترقی ادب شائع کرے گی۔ اس موضوع پر مولانا نے جولائی ۱۸۷۰ع میں ایک مضمون بھی لکھا تھا جس پر گورنمنٹ نے انعام دیا تھا - وہ مضمون ابھی تک کہیں سے حاصل نہیں ہو سکا - رسالۂ انجمن پنجاب میں اس کا خلاصہ شایع کیا گیا ہے - میرا خیال ہے دختر کشی کا ڈراما اسی دور کی یادگار ہے - ستی اور دختر کشی کی رسم کے خلاف اس دور میں حکومت کے ایماء سے ایک مہم شروع کی گئی تھی اور وہ نہایت کامیاب رہی - اس کے بعد اس کا ذکر کہیں میری نظر سے نہیں گزرا - (محمد باقر)

۱ - یہ خط بہ ظاہر ۱۸۸۵ع یا اس کے بعد کا ہے -

۱۲۳

بنام نواب حسین مرزا صاحب[1]

حضرت عالی جناب، قدسی القاب، عمدۂ سادات عظام، زبدۂ امراے ذوی الاکرام ، ادام اللہ مجدہم واجلالہم!

بعد از اداے تسلیم آں کہ اس ننگ خاندان قدیم و جدید کا حال جاننے والا آپ سے زیادہ کوئی نہیں ۔ حقیقی نسب اور تحقیقی

---

۱ ۔ یہ خط جناب نواب حسین مرزا صاحب کو لکھا گیا ہے ۔ نواب صاحب مرزا غالب کے گہرے دوستوں میں سے تھے ۔ ان کی صاحبزادی میرافضل حسین صاحب سے منسوب تھیں ۔ اور اب میر صاحب کی بڑی صاحب زادی سے مولانا اپنے صاحب زادے کا عقد کرنا چاہتے تھے ۔ میر افضل حسین کے والد نواب تفضل حسین صاحب شاہی زمانے میں بادشاہ کے وکیل تھے۔ جامع مسجد کے قریب حویلی میر تفضل حسین کے ساتھ ان کی بڑی جائداد تھی جو ۱۸۵۷ء میں ضبط ہوگئی تھی۔ بہر حال اس نام کا محلہ اب بھی باقی ہے جو وکٹوریہ زنانہ ہسپتال کے عقب میں واقع ہے ۔ میر افضل حسین کے صاحب زادے میر محمد حسین دہلی کی یادگار ہستیوں میں سے تھے ۔ دہلی کے مشہور سوشل ورکر ، میونسپل کمشنر ، دہلی یونیورسٹی کے فیلو اور یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر اور دہلی عربک کالج کے سکرٹری تھے ۔ انھوں نے دہلی عربک سکول کو انٹر کالج اور ڈگری کالج بنوایا ۔ کانگریسی خیالات کے آدمی تھے ۔ حکومت نے کئی بار خطابات سے نوازنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور ملک اور قوم کی بے لاگ خدمات انجام دیتے رہے ۔ ۱۹۴۴ میں انتقال ہوا ۔

یہ خطوط میری والدہ کے پاس تھے ، لیکن وہ کسی کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حسب میرا تو یہ ہے کہ روز ازل سے اباً عن جدٍ اسد اللہ الغالب مظہرالعجائب علی ولی اللہ کا غلام ہوں ۔ اور یہی فخر کافی ہے کہ وہ آپ کے جدّ عالی مقدار تھے ۔

عرض حاجت بر تو حاجت نیست میدانی کہ چیست
حال اخلاصِ من اندر خاندانِ مصطفیٰ

سعیدِ کونین بندہ زادہ محمد ابراہیم حسین دو برس ہوئے کہ خدمت عالی میں مشرف ہوا تھا ، اس کا حال بھی آپ پر روشن ہے ۔ امید ہے کہ سیدی مکرمی سید افضل حسین صاحب کی وساطت سے اپنے دامن عاطفت کا سایہ اس کے سر پر مبذول فرمائیں ۔ فقط

والتسلیم بالاف التکریم

محمد حسین آزاد عفی عنہ
(۱۸۸۶ء؟)

۱۲۴

بنام نواب حسین مرزا صاحب

جناب من!

تسلیم ۔ عنایت نامہ آپ کا سرمایۂ مسرت ہوا ۔ خداوندعالم مبارک کرے! یہ جو کچھ ہوا ، آپ کی سعی سے ہوا اور خدا

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

دکھاتی نہ تھیں ۔ جب ان سے ہم لوگ کہتے تھے کہ ایک بار پڑھ لینے دیجیے تو وہ فرماتی تھیں میرے مرنے کے بعد دیکھ لینا ۔ ۱۹۳۵ء میں ان کا انتقال ہوا تو یہ خط پڑھنے میں آئے اور اب آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں ۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے بزرگ کس احتیاط اور وقار کے ساتھ نسبت ناطے کے فرائض کی تکمیل کرتے تھے ۔ (محمد باقر)

کے فضل سے - برادر عزیز احمد مرزا نے بجائے خود سیدی میر افضل حسین صاحب کو بھی ایک خط اسی مضمون کا لکھا تھا ؛ انھوں نے جو جواب برادر عزیز کو لکھا ہے وہ انھوں نے بجنسہٖ مجھے بھیج دیا ، اور برادر موصوف نے ساتھ اس کے مجھے یہ بھی لکھا ہے کہ توضیح اس امر کی لکھنی چاہیے کہ خِطبہ[1] کون سی[2] صاحب زادی کے لیے ہے - اس دریافت کرنے سے مجھے کمال تردد ہوا - چناں چہ احتیاطاً مصدع ہوں کہ جو آپ سے گفتگو ہوئی تھی اس کے بہ موجب تصریح کردیجیے اور آن سے فرمائیے کہ خطبہ برخوردار ذکیہ بیگم بڑی لڑکی کے لیے ہے - خداوند عالم مبارک کرے - الٰہی آمین !

براہ عنایت مجھے بھی مطلع فرما دیجیے کہ جناب نواب صاحب دام اجلالہم اور سیدی افضل حسین صاحب سے بھی کہہ دیا - اب ایسی تجویز فرمائیے کہ جہاں تک ہو سکے جلدتر اس کار خیر کا سرانجام ہو جائے -

والتسلیم بالتماس الدعا

آزاد وغیرہ وغیرہ

۶ - دسمبر ۱۸۸۶ع

---

۱ - خِطبہ : (بہ کسر اول) خواست گاری -

۲ - میر افضل حسین صاحب کی تین صاحب زادیاں تھیں ؛ مولانا بڑی لڑکی کے خواست گار تھے -

۱۲۵

بنام نواب حسین مرزا صاحب[1]

جناب نواب صاحب ، عالی جناب ، مقدس الالقاب ، رفیع الشان ، عمیم الامتنان، زاد اللہ اجلالہم و اقبالہم!

تسلیم ۔ مرحمت نامۂ عالی طرۂ دستار وصول ہوا ۔ دودمان سیادت خانوادۂ کرم ہے ؛ خانہ زاد موروثی کو جو نسبت فرزندی کے ساتھ عزت بخشی سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں ۔ بندۂ آزاد اس کا شکریہ فقط آپ کے سامنے نہیں کرتا ، پروردگار کی درگاہ اور آپ کے جد کے حضور میں ہے اور ہوگا ۔ اس عریضے کو دولت سرا میں آستانۂ درگاہ[1] پر رکھیے گا اور دعا کیجیے گا ؛ ان شاءاللہ قبول کے لیے امید قوی ہے ۔ میری طرف سے اتنا عرض کیجیے گا کہ ۱۰[2] میں سے ایک ہے اور خانہ زاد موروثی ہے ۔

سیدی عزیزی سید افضل حسین نے جو بہ مقتضاے سعادت مندی آپ کے ارشاد کو اس معاملے میں قبول کیا ؛ انھیں بھی شکریہ اور مبارک باد فرمائیے گا ۔

اب[3] عرض مکرر ہے کہ اس مبارک کام کے سرانجام میں دیر نہ ہو ۔ یہاں گھر سنسان ، کاروبار ابتر ، چیزیں برباد ہیں ،

---

۱ ۔ اس قابل احترام کمرے کے آستانے پر جہاں تعزیہ داری ہوتی ہے۔

۲ ۔ مولانا کو اللہ تعالٰی نے دس اولادیں دی تھیں ؛ ان میں سے اس وقت صرف آغا محمد ابراہیم باقی تھے ۔

۳ ۔ اس خط سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صاحب زادی کے انتقال کے بعد مولانا کس قدر گرفتہ خاطر تھے اور ان کی خانگی زندگی میں کتنا زبردست خلا پیدا ہوگیا تھا ۔ اور وہ اسے کس قدر جلدی پُر کرنے کے خواہش مند تھے ۔

کوئی سنبھالنے والا نہیں ۔ ایک برخوردار ابراہیم کی والدہ ، اس دل شکستہ کے حواس بجا نہیں رہے ۔ خدا جلد وہ دن دکھائے کہ عزیزۂ نورچشم ذکیہ بیگم آئیں ، اپنے گھر کو سنبھالیں ؛ وہ جانیں اور ان کا گھر ۔

والتسلیم بالتماس الدعا

محمد حسین عفی عنہ وغیرہ
۱۶ - ربیع الاول ۱۳۰۴ ھ
(۱۳ - دسمبر ۱۸۸۶ع)

۱۲۶

بنام حاجی بنے صاحب

۱۴ - دسمبر ۱۸۸۶ع
۱۷ - ربیع الاول ۱۳۰۲ ھ
یوم سہ شنبہ

جناب من! سلامت !

تسلیم ۔ عنایت نامہ مورخہ ۹ ۔ دسمبر پرسوں آیا تھا ۔ اس میں لکھا تھا کہ کل ایک خط اور پہنچے گا ۔ اگرچہ وہ اب تک نہیں آیا لیکن عرصۂ فرصت تنگ ہے اس لیے واجب ہوا کہ چند امور ضروری سے مطلع کروں ، کیوں کہ آپ ۲۰ ۔ کو دلی سے روانہ ہوجائیں گے ۔

اول یہ کہ الحمد للہ کسی طرح کا تکلف درمیان نہیں ہے ۔ آپ تو خود بانی مبانی اس مبارک کام کے ہیں اور سیدی عزیزی میر افضل حسین صاحب برخوردار ابراہیم حسین کی ننہیال کی

طرف سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں - پس کیا مناسب ہے ؛ آیا میں ان سے بہ خط راست مراسلت کروں یا نہیں - یہ دلیا کے لوگوں کی باتیں ہیں ورنہ مجھے تو آپ جانتے ہیں کہ کام میں تکلف نہیں رکھتا - جس طرح ان کی خوشی ہو عمل میں آئے -

دوسرے یہ کہ جناب نواب[1] صاحب دام اجلالہم کی خدمت میں نیازنامہ مشتمل بر شکریہ اور مبارک باد حسن قبول کل میں نے روانہ کیا ہے ؛ دریافت فرما لیجیے گا کہ فائز خدمت ہوا یا نہیں -

تیسرے یہ کہ اس برس سال تمام کی معمولی چھٹیوں کے علاوہ ایک ہفتے کی چھٹی زیادہ ہوگی کہ ملکۂ عالم کی سلطنت کے ۵۰ برس کامل ہوئے - لیکن یہ امر ابھی مشتبہ ہے ؛ اس ہفتے میں تنقیح ہو جائے گی - اگر معمولی چھٹیاں ہوئیں تو ربیع الثانی کی ۷ - تک چھٹی ختم ہوگی - اور اگر ایک ہفتے کی چھٹی اور بھی ہوئی تو ۱۴ - ربیع الثانی تک کی چھٹی ہوگی -

پہلی صورت میں یہ ہے کہ تاریخ عقد اس طرح مقرر کی جائے کہ تیسری تاریخ بدھ کا دن گزار کر رات کو عقد ہو ، ۴ - پنج شنبہ کو دلہن گھر میں آ جائے -

اور اگر ایک ہفتے کی چھٹی زیادہ ہوئی تو ۱۴ - ربیع الثانی تک ہوگی - اس صورت میں بہتر ہے کہ ۶ - ربیع الثانی ہفتے کا دن بسر کرکے رات کو عقد ہو ، اتوار کو دلہن گھر میں آئیں - آپ جناب نواب صاحب قبلہ اور سیدی عزیزی میر صاحب کو اس امر سے مطلع فرمائیں - جب یہاں چھٹیوں کی تنقیح ہو جائے گی ، میں فوراً لکھوں گا - ان شاء اللہ تعالیٰ -

---

[1] - نواب حسین مرزا رئیس دہلی -

برادر عزیز احمد مرزا[1] نے چھٹی کی درخواست کر دی ہے اور اس میں بہ تاکید لکھا ہے کہ جلد کوئی آدمی میری جگہ کے لیے تجویز ہو جائے جسے چارج دے کر جاؤں ۔ آپ جانتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ میں ان کاموں میں بالکل نکما ہوں ؛ اگر وہ نہ ہوئے تو میں کچھ بھی نہیں ۔ برخوردار محمد ابراہیم حسین کو بھی میں نے بلا لیا ہے اور وہ آ گیا ہے ۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ دوسرے خط میں لکھوں گا ۔

علی الصباح مجھے ایک ضروری کام کے لیے جانا ہے، ۵ بجے ہیں ، صبح ہوتی ہے ، دعا کرتا جاتا ہوں اور لکھتا جاتا ہوں۔ اللہ قبول کرے ۔ تمام عمر اس حالت میں گزر گئی ؛ یا اللہ برکت دے!

جناب شیخ صاحب کیا کہوں ، میرے گھر کا حال قابل عبرت ہے ۔ برخوردار کی والدہ تنہا ہے اور بہ سبب حوادث زمانہ کے میرے اور اس کے حواس درست نہیں رہے ۔ تمام کاروبار ابتر ہیں ۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے اور سنبھالنے والا کوئی نہیں ۔ خدا جلد وہ دن لائے کہ عزیزہ نورچشمی آ کر اپنے گھر کو سنبھال لیں اور ہم ان کے بار خدمت سے سبک دوش ہو کر گوشۂ عزلت میں بیٹھے دیکھا کریں ۔ البتہ دو وقت کے کھانے اور کچھ کپڑے کی تکلیف دیں گے ، زیادہ کچھ نہ مانگیں گے[2]۔

دعا اور التماس دعا

محمد حسین آزاد عفی عنہ وغیر وغیرہ

۱۴ - دسمبر ۱۸۸۶ع

---

۱ - مولانا کے برادر نسبتی ۔

۲ - یہ خط مولانا نے حاجی بنے صاحب کو لکھا ہے جن کی سرائے

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۲۷

بنام آغا ابراهیم حسین

بہ مطالعہ اقبال نشان عزیزی آغا ابراہیم حسین زاد اللہ عمرہ و توفیقہ

آغائی عزیز من!

میں اس وقت ایبٹسن صاحب کے سلام کو گیا تھا ، معلوم ہوا کہ وہ کل اڑھائی بجے آئیں گے ۔ اس صورت میں یہاں[1] ٹھہرنا بے فائدہ ہے اور نوکری پر حاضر ہونا مقدم ۔ بہتر ہے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

دہلی صدر بازار میں اب تک مشہور ہے ۔ وہ دہلی کے رئیس اعظم تھے ۔ ان کے تعلقات دوستانہ مولانا کے والد سے بھی تھے ۔ ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں ان کی جائداد ضبط ہوگئی تھی ؛ اس کے سلسلے میں برس ہا برس مقدمہ بازی ہوتی رہی ۔ جب ان کے مقدمات چیف کورٹ میں آئے تو وہ اکثر لاہور آیا کرتے اور مولانا کے پاس ٹھہرا کرتے تھے ۔ اس زمانے میں انھوں نے مولانا سے کبھی ڈھائی سو روپیہ قرض لیا تھا ، اور وہ کسی سبب سے ادا نہ کرسکے ۔ ۱۹۲۷ع میں ان کے پوتے نے میرے ماموں میر محمد حسین سے آ کر کہا کہ ان کے ذمے مولانا آزاد کا قرضہ تھا ، وہ میں ادا کرنا چاہتا ہوں ۔ چناں چہ یہ رقم انھوں نے ادا کر دی ۔ (آغا محمد باقر)

۱ ۔ یہ خط مولانا نے احمد مرزا صاحب کے ہاں سے لکھا ہے ۔ وہ مولانا کی بیوی کے بھائی تھے اور کوچہ نتواں (کوچہ میر ناتواں) دہلی میں ان کی حویلی تھی ۔ یہ مولانا کے صاحب زادے کی شادی کے بعد کا خط ہے ۔ میر افضل حسین ان کے خسر کا نام ہے ۔ ۱۸۸۶ع میں لکھا ہوگا ۔ (محمد باقر)

کہ ہم آج رات کی ریل میں روانہ ہو جائیں ، کیوں کہ مجھے پٹیالے میں بھی ٹھہرنا ہے ۔ سیدی عزیزی میر افضل حسین صاحب کو میری طرف سے سلام و دعا کہو اور رخصت طلب کرو ۔ میں ان شاء اللہ آج رات کو بے شک روانہ ہو جاؤں گا ۔ فقط

محمد حسین آزاد عفی اللہ عنہ

(۱۸۸۶ع)

مکرر یہ کہ تم ابھی چلے آؤ تاکہ ضروریات میں مشورہ ہو جائے ۔ احمد مرزا کہیں گئے ہوئے ہیں ۔ فقط ۔

۱۲۸

سید ناصر نذیر فراق[1] کے نام

عزیز اقبال نشان من سلامت !

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد ، میں آج کل علاوہ فرائض نوکری کے ایسے تعلقات میں گرفتار ہوں کہ کھانے اور پینے کا مزا بھی معلوم نہیں ہوتا ۔ خدا جانے میری تحریر سے تم کیا سمجھے ہوگے ۔ حقیقت میں یہ کام زیادہ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ضعف دماغ نے مجھے نکما کر دیا ہے ۔ رات کو بالکل

---

۱ ۔ خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ، میر محسن علی کے بیٹے ۔ اگست ۱۸۶۵ع میں ولادت اور فروری ۱۹۳۳ع میں وفات پائی ۔ نظم و نثر میں مولانا آزاد کے شاگرد تھے ۔ اردو بڑی رواں ، شیریں ، سادہ اور خاص بیگماتی لکھتے تھے ۔ حامدحسن قادری نے ان کی نو کتابوں کے نام اور نثر کے نمونے لکھے ہیں ۔ (داستان تاریخ اردو ، طبع دوم صفحہ ۷۷۷)

لکھ پڑھ نہیں سکتا ۔ درحقیقت یہ بھی مقتضاے سن ہے ۔ آزاد بے چارہ بڈھا ہو گیا اور صدمات زمانہ نے توڑ دیا ۔ اپنے مسودے بستوں میں بندھے پڑے ہیں؛ دیکھتا ہوں اور ترستا ہوں کہ ہائے نظرثانی نہیں کر سکتا ۔ جب یہ حالت ہو تو فرمائیے، شاگردوں کا حق کیا ادا کر سکوں ؟ میرا حال خود قابل رحم ہے ۔ بہ کمال عجز کہتا ہوں کہ معاف کرو ۔ سوالوں کا جواب مجملاً لکھتا ہوں :

۱ ۔ تصانیف کی فہرست مشکل ہے ، کبھی پھر لکھوں گا۔

۲ ۔ استاد مرحوم کا دیوان ایک دفعہ[1] مرتب کیا وہ ضایع ہوگیا ؛ اب پھر فرصت پاؤں تو دوبارہ محنت کروں ۔

۳ ۔ 'دربار اکبری' سات آٹھ سو صفحے کی کتاب میں نے لکھی ہے ۔ اس میں امراے عہد اکبر کے حالات اس لطف کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جس طرح میر ، سودا ، سید انشا کے حالات آپ نے 'آب حیات' میں دیکھے ۔ کتاب تیار ہے ، فقط نظرثانی کی کسر ہے ۔ بس بھئی ، اب پھر کبھی ۔

۵ ۔ جون ۱۸۸۷ع

دعا کا محتاج

بندۂ آزاد

---

۱ ۔ ذوق کے انتقال کے بعد کئی سال کی محنت سے مولانا کے والد ماجد مولوی محمد باقر صاحب ، ذوق کے فرزند خلیفہ اسماعیل اور مولانا آزاد نے بڑی محنت سے ان کا دیوان مرتب کیا تھا ۔ لیکن ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں ذوق کے فرزند شہید ہوگئے اور دیوان ان کے مکان کے ساتھ لوٹ کی نذر ہوگیا ۔ مولانا کے گھر میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۲۹

بنام سید ناصر نذیر فراق دہلوی

عزیز اقبال نشان من! سلامت باد!

بعد از دعاہاے فراواں معلوم باد ، ماشاء اللہ تمھاری جوانی اور طبیعت کی روانی اعلیٰ درجے پر ہے ۔ غزلوں! پر غزلیں بھیجے جاتے ہو اور مجھے ضعف دماغ دن اور رات سوایا ہو رہا ہے ۔ غزلیں رکھ چھوڑی ہیں ؛ جی ٹھکانے ہوگا تو بنا کر بھیج دوں گا ۔

دعا کا محتاج
بندۂ آزاد
۱۲ جون ۱۸۸۷ء

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

ذوق کا جو کلام پڑا تھا وہ مولانا گھر سے نکلتے وقت اٹھا لائے ۔ برعظیم پاکستان اور بھارت میں ذوق کے ہاتھ کی تحریریں صرف وہی ہیں جو مولانا آزاد کے باقیات میں ہیں ۔ یہ قابل قدر ذخیرہ جناب آغا محمد باقر صاحب کی ملکیت میں ہے ۔ (فاضل)

۱ ۔ سید ناصر نذیر فراق کا بیان ہے کہ مولانا ایک مرتبہ دلی آئے تو ان کے والد نے فراق کو مولانا کے قدموں پر لا ڈالا اور عرض کی کہ اسے آزاد ثانی بنادیجیے ۔ مولانا نے فراق کو گلے سے لگایا ۔ ان کی آنکھیں پرنم ہو گئیں ۔ فرمایا سید صاحب آپ نے یہ کیا کیا ، سید زادے کو مجھ گنہگار کے قدموں پر ڈال دیا ! اس کے بعد پوری توجہ کا وعدہ کرکے اصلاح کا سلسلہ جاری کردیا ۔ آخر میں دربار اکبری اور ناموافق حالات، سخت دماغی محنت اور بیٹی کے غم سے وہ نڈھال ہوتے گئے؛ سب سے بڑھ کر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۱۳۰

بنام سید ناصر نذیر فراق دهلوی

عزیز اقبال نشان من! سید ناصر نذیر فراق سلامت!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد ، تمھارا خط اور غزل پہنچی اور بنا دی گئی جو اس خط کے ساتھ واپس بھیجتا ہوں۔ اس غزل کا مقطع بھی پسند آیا :

یا علیؑ ہند میں رہتا ہے فراق
اب نجف میں اسے بلوائیے آپ

میں اسے بار بار پڑھتا ہوں اور نجف[۱] کی طرف منہ کرکے عرض کرتا ہوں مولا! آزاد اور فراق کو اپنی جناب میں جلد بلوائیے !

دعا کا محتاج
بندۂ آزاد
۱٦ جون ۱۸۸۷ع

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

صاحب زادی کی وفات سے ضعف دماغ اور نسیان کا عارضہ لاحق ہوگیا ۔ صحت کی خرابی نے دل و دماغ کو بالکل معطل کردیا تھا۔ جس انداز سے انھوں نے اعتذار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے ۔

۱ - نجف اشرف (عراق) وہ مقام ہے جہاں حضرت علی کا روضۂ مبارک ہے ۔

۱۳۱

بنام سید ناصر نذیر فراق دہلوی

عزیز اقبال نشان من! سید ناصر نذیر فراق سلامت!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد ، بھائی ! تمھارے 'سات طلاقنوں' کے قصے پڑھ کر میرے پیٹ میں بل پڑ پڑگئے۔ خدا کی پناہ ! کس بلا کی پھوہڑ اور گیگلی تھیں ۔ میں دیکھتا ہوں تمھاری نثر تمھاری نظم سے زیادہ مزے دار ہو چلی ہے ۔ خدا رکھے دلی کے رہنے والے اور خواجہ میر درد کے نواسے! تم سلیس اردو نہ لکھو گے تو اور کون لکھے گا ۔ تمھارا یہ رسالہ اس قابل ہے کہ چھپوایا جائے اور لڑکیوں کو پڑھایا جائے ۔ میں نے جا بہ جا اصلاح دے دی ہے ، غور سے دیکھ لینا ۔ بیرنگ پیکٹ بھیجتا ہوں ۔

دعا کا محتاج
بندۂ آزاد
۳۰ جون ۱۸۸۷ ع

۱۳۲

بنام شمس العلما مولوی ممتاز علی صاحب[1]

عزیزالقدر مولوی سید ممتاز علی! بارگاہ رسالت پناہی میں تجویز ہوئی ہے کہ روحانیہ کے خیالات اور فرقوں میں پھیلتے جاتے ہیں ؛ اسلام کیوں اس فخر سے خالی رہے ۔ حکم ہے کہ

---

۱ ۔ سید ممتاز علی صاحب دیوبند ضلع سہارن پور (ہند) میں ۲۷ ستمبر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کوشش سے پھیلاؤ - جو لوگ کر رہے ہیں وہ خارق سے خالی ہیں ، تمھیں شکر کرنا چاہیے کہ جب ضرور ہوگا ان کا ظہور ہوگا ؛ ان شاء اللہ تعالیٰ -

کئی وارداتیں مجھ پر یہاں گزری ہیں جنھیں دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں کہ آیندہ خدا جانے کیا ہوگا - پہلے دونوں کارڈ اور یہ بلکہ آزاد کا ہر خط احتیاط سے رکھنا ؛ شاید عنقریب ضرورت ترتیب ہو تو جمع کرنے مشکل ہوں گے -

---

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

۱۸۶۰ع کو پیدا ہوئے اور ۱۵ جون ۱۹۳۵ع کو لاہور میں رحلت فرمائی - وطن ہی میں علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی - ۱۸۷۴ع سے انگریزی کا شوق ہوا - انھوں نے مولانا محمد حسین آزاد سے بھی تعلیم حاصل کی - مولانا آزاد ان کو فرزند کے برابر جانتے تھے اور مولوی صاحب بھی ان کو باپ مانتے تھے- سید ممتاز علی صاحب سر سید کے حامی اور اردو کے بہت بڑے مصنف تھے - تہذیب نسواں—اور پھول کے نام سے ان کے دونوں رسالے اردو ادب کے اہم ترین ادیبوں کے لیے آغوش تربیت ثابت ہوئے - سید صاحب نے تفصیل البیان ، حقوق نسواں ، ردالملاحدہ ، تذکرۃ الانبیا ، جیسے اہم تالیفات یادگار چھوڑے - حکومت نے انھیں علمی خدمتوں کی بنا پر شمس العلما کا خطاب مرحمت کیا تھا - معاصرین میں ان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا - مرحوم کے بعد سید حمید علی اور سید امتیاز علی تاج جیسے فرزندوں نے ان کے ادارۂ دارالاشاعت کو قائم رکھا - تاج صاحب نے علمی اور ادبی حلقوں میں بعض اہم خدمتیں انجام دی ہیں - انارکلی ان کا زندۂ جاوید ڈراما ہے - اس کے علاوہ متعدد تالیفات و مضامین ، افسانے اور ڈرامے قبول عام اور شہرت دوام کی سند حاصل کر چکے ہیں - اسی وجہ سے حکومت نے آپ کو ستارۂ امتیاز کا اعزاز دیا ہے -

پہلا خارق التیام میرے زخم کا ہے کہ اب بغیر ٹرس یعنی پیٹی کے بے تکلف پھرتا ہوں اور حکم ہے کہ نہ باندھو ۔ اسی سانس میں ایک طریقہ ہدایت فرمایا ہے ، جس سے تدارک اس کا ہوتا ہے ۔ اس کی احتیاط اور تقلیل فنا کا حکم ہے کیوں کہ عالم اسباب ہے ۔ ڈاکٹر اور طبیب دوائیں دیتے ہیں اور دوائیں اثر کرتی ہیں ۔ عالم ارواح طبائع و ارواح کے حالات جز و کل سے واقف ہیں ، وہ دواؤں کے محتاج نہیں ؛ جہاں موقع ہوتا ہے اثر دیتے ہیں اور حسب الحکم فائدہ پہنچاتے ہیں یا سلب کرلیتے ہیں ۔

یہ بات تم سے کہنے کے قابل تھی ، خدا جانے کہی تھی یا نہیں کہ جس وقت کہ انتڑی آہستہ آہستہ پہلے مقام پر رجوع کررہی تھی تو ایک شعبہ اس کا اس مزے سے پھر آیا کہ میرے منہ سے نکلا ——— 'زہے کبریا!' ۔ حضرت نے آہستہ سے فرمایا ——— 'یا ذالکبریا!' ہم اس کے ہاتھ میں ہیں طبیعت کو صلاحیت صحت کا راستہ دیتے ہیں[1] ۔

(۱۸۸۸ ؟)

۱۳۳

بنام کوتوال لاہور

جناب کوتوال صاحب! کرم فرمائے نیازمنداں سلامت!

بعد از سلام نیاز آں کہ چند کتابیں کتب خانۂ آزاد میں بہ اوقات مختلفہ چوری گئی ہیں ۔ اس امید پر کہ شاید کبھی نظر

---

۱ ۔ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی : 'محمد حسین آزاد'۔ جلد اول ۔ صفحہ ۳۷۸
بحوالہ مکاشفات آزاد صفحہ ۲۰۳ ۔

آجائیں اور سرکار میں گرفتار ہوسکیں ، فہرست ارسال خدمت کرتا ہوں کہ دفتر سرکار میں امانت رہے ۔ فقط

۱ ۔ لیلاوتی فارسی : تقطیع متوسط ، دیسی کاغذ ، مدت دراز کی لکھی ہوئی ہے ۔

۲ ۔ شاہ جہاں نامہ : تقطیع متوسط ، کشمیری کاغذ ، خوش خط، چند ورق کسی اور مضمون کے ہیں ۔

۳ ۔ دیوان شوکت : متوسط سے ذرا چھوٹی تقطیع ہے اور اسی وضع اور تقطیع کا (دیوان) شوکت میرے پاس بھی موجود ہے ۔

۴ ۔ اطباق الذہب : چھوٹی تقطیع ہے ، عربی خط ۔ پرانی جلد ۔

۵ ۔ مجموعہ رسائل فقہ : متوسط تقطیع ، انگریزی سفید نیا کاغذ، عربی خط ، فقط چمڑے کی سرخ جلد ، رنگ عمدہ ۔ فقہ و عقائد کے چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں؛ چھاپہ طہران ۔

۶ ۔ تاریخ بہاول پور : متوسط تقطیع ، متوسط خط ہے ۔

۷ ۔ آثار الصنادید : کا ایک باب پہلے چھاپے کا ۔

۸ ۔ کتاب علم کیمیا : انگریزی کاغذ پر ، زبان عربی ۔ کچھ نظم ، کچھ نثر ۔

۹ ۔ شرح اصول کافی : تصنیف ملا صدرا ۔ چھاپہ طہران ۔

راقم آثم
محمد حسین آزاد
۵ - مئی ۱۸۸۹ع

۱۳۴

آغا محمد ابراهیم کی فرمائش سے دیوان ذوق پر ایک تحریر[1]

حمد خدا سے آغاز تھا ، شکر پر انجام ہے کہ فرض نے اپنا حق ادا کیا اور عمروں کی آرزو آج پوری ہوئی ۔ قلم کا مسافر زمین سے آسمان اور مکان سے لامکان تک بارہا چڑھتا اور اترتا رہا ، دس مہینے کے بعد قلمدان میں آ کر دم لیا ۔ اس میں اتنی طاقت کہاں تھی ؟ پاک نیت کا زور تھا ، صدق عقیدت نے پر پرواز لگائے کہ یہ رتبے پائے ۔ استاد کے کلام شاگرد کے لیے حقیقی اور تحقیقی بھائی ہوتے ہیں ، اب ان سے رخصت کا وقت ہے ۔

ہاں برادران عزیز! ایک حساب سے دو پشت اور دلی سے نکل کر چونتیس برس ہم تم ساتھ رہے ؛ پریشانی اور سرگردانی حد سے گزری مگر رفاقتوں میں فرق نہیں آیا ۔ پیارے بھائیو ! اللہ نے تمھیں ہیئت مجموعی دی ہے ؛ آج تک میرے پاس امن و عافیت کے دامن میں سوئے ؛ اب اکیلے نکلتے اور آزادی کے زور سے اٹھتے ہو ۔ رواج کے پروں سے اڑو ، عالم کی وسعت میں پھیلو ، شہرت کے شہروں میں پھرو ، وقت کی درازی میں عمر پاؤ ! اللہ تمھارا نگہبان ہے ، تم بھی مجھے خدا حافظ کہو ! پیارے بھائیو! دیکھنا ، دیکھنا ، ! دنیا ایک مقام ہے ، بچ کر چلنا ، دشمنوں کا شمار نہیں اور دوست اللہ ہی اللہ ہے ۔

---

۱ ۔ دیوان ذوق کی طباعت مکمل ہوگئی تو آغا محمد ابراہیم صاحب نے اپنے پدر بزرگ وار کے سامنے ان کی محنت کو سجا کر پیش کیا اور کہا میاں باوا ! اس پر کچھ لکھ دیجیے۔ مولانا نے قلم اٹھایا اور اس گئی گزری حالت میں جب حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے یہ عبارت لکھنے بیٹھ گئے ۔ آغا صاحب نے اس آخری شاہکار کو دیوان ذوق کے آخر میں شایع کر دیا ۔

یا اللہ! بد نگاہوں سے بچائیو ؛ اور بدی کے قلموں کو توڑیو! بے بس آزاد ، بے کس آزاد اس وقت ایک عالم میں بیٹھا ہے ، کس کا دل ہے کہ اس کیفیت کو پائے ۔ نیک استاد ، پیارے استاد کے لکھے پھٹے پرانے کاغذ پرزے سامنے پھیلے ہیں ۔ یہ لڑکپن سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک کی نشانی ہیں ، انھیں سامنے سے اٹھانا کیسے بھائیوں کو الوداع کہنا ہے ۔ یہ درست ہے کہ گران سنگ فرض تھا اور گراں بہا قرض تھا جس سے آج میں ہلکا ہوا ۔ لیکن عمروں کا ساتھ ہے اور دس مہینے دن رات آنکھوں کا تیل ٹپکایا ہے ۔ موانست رو رو کر دل سے رخصت مانگتی ہے ۔ ہائے دل گیر محنت تھی لیکن دل پزیر محنت تھی ؛ سخت کام تھا مگر مزے کا کام تھا ، اور ثواب پر انجام تھا کہ استاد کا کلام تھا ۔ اب یہ کام کہاں ! آہ استاذ کہاں!

خیر آزاد! بہار زندگی کے لطف ہوتے ہیں کہ بہار نظر اور ساعت وغیرہ وغیرہ ایک ایک کرکے انسان سے رخصت ہوتے جاتے ہیں ۔ تب وہ کیا کرتا ہے ؟ صبر کرتا ہے ۔ بس صبر کر کہ یہ نعمت بھی رخصت ہوئی اور نہ کرو گے تو کیا کرو گے ؛ بندگی کا عالم ، بے چارگی کا ماتم ہے ۔

خاتمۂ تحریر اس دعا پر ہے کہ الٰہی! تو جانتا ہے ، آزاد نے جو کچھ کیا نیک نیت اور پاک عقیدت سے کیا ہے، اور تیرے حکم سے کیا ہے؛ اس خدمت کو قبول کر ، کلام کو عمر دے ، نام کو روشن کر اور آزاد کے حال پر رحم کر کہ تو ارحم الراحمین ہے!

۱۸۹۱ع[1]

۱۔ مولانا نے کلام ذوق کو چونتیس سال کا ساتھی بتایا ہے ؛ یہ مدت ۱۸۵۷ع سے ۱۸۹۱ع تک پوری ہو جاتی ہے ۔

۱۳۵

بنام منشی ذکاء اللہ صاحب

منشی[1] میاں!

لو بھئی اب آگے سنو! کل صبح کو[2] میں بہ موجب معمول کے ہوا کھانے نکلا ؛ شہر کے باہر پہنچا تو دیکھتا ہوں ایک مرد مقدس ، متقی وضع ، پرہیزگار صورت جبہ پہنے ہیں ، حاجیان عرب کا عمامہ سر پر ، ہزار دانہ کی تسبیح ہاتھ میں آہستہ آہستہ سڑک پر چلے جاتے ہیں ۔ ان کے چہرے کو سفید داڑھی نے روشن کیا تھا ۔ جبے کے سبز رنگ سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت خضر ہیں ، مگر عصا کہتا تھا کہ حضرت موسیٰ بھی ہیں ۔ چوں کہ بزرگوں کا ادب میری طبیعت میں خداداد ہے ، میں نے انھیں سلام کیا ۔ انھوں نے نہایت کشادہ پیشانی سے میرا سلام لیا ۔ میں نے دیکھا کہ ان کی باوقار آنکھوں سے جو

---

۱ ۔ منشی صاحب شمس العلما خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ ، مولود یکم اپریل ۱۸۳۲ع متوفی ۷ نومبر ۱۹۱۰ع ۔ مولانا کے ہم وطن ، ہمدرس اور بہت گہرے اور مخلص دوست تھے ۔ دونوں کی مراسلت کے دفتر ضایع ہوگئے ۔ ایک دو خط ہیں جن میں سے زیر نظر دو خط عالم دیوانگی کے ہیں ۔ البتہ بہت سے خطوط منشی جی کے مولانا کے مسودات میں پیوست ہیں ۔ وہ ایک طرف سے خالی تھے ، مولانا نے ان کی پشت پر لکھا اور مسودے میں ٹانک دیا ۔

۲ ۔ یہ خط اوائل زمانہ وارفتگی کا ہے جس میں اپنے واردات قلبیہ اپنے عزیز دوست جناب شمس العلما ذکاءاللہ صاحب کو لکھے ہیں ۔

نگاہیں نکلتی ہیں ان سے محبت اور شفقت ٹپکتی ہے - بے اختیار
آگے بڑھا اور مصافحہ کر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا - چوں کہ
صبح کے وقت انوار الٰہی کا جلوہ پھیلا ہوا تھا ، دوسرے ان کی
صورت اور لباس نے دل پر اثر کیا ، اپنی بداعمالی اور دنیا کی
سیہکاری کا خیال کر کے ان سے عرض کی کہ مجھ روسیاہ کو
کچھ نصیحت فرمائیں جو میرے کام آئے - وہ مسکرائے اور
اس طرح میری طرف دیکھا کہ میرے دل اور جان کو اپنا معتقد
بنا لیا - پھر مجھ سے کہا کہ ہم تمھارے حسن عقیدت سے بہت
خوش ہوئے - وہ آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے اور میں نصف قدم
ان سے پیچھے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا - چند لمحے میں نے تامل
کیا ، کیوں کہ ان کی متانت اور وقار مجھے زیادہ بولنے کی
اجازت نہ دیتے تھے - آخر پھر ہاتھ باندھ کر سوال کی آنکھوں
سے ان کی طرف دیکھا - انھوں نے فرمایا کہ قلم دوات تمھارے
پاس ہے ؟ عرض کی کہ نہیں ، مگر جو کچھ آپ فرمائیں گے
بندہ صفحۂ دل پر نقش کرتا جائے گا - پھر مسکرائے اور فرمایا
کہ اہل دنیا بے وقوف ، نا اہل ہیں - ہم نہ کسی کو اپنا دیدار
دیتے ہیں اور نہ کسی سے بات کرتے ہیں - مگر اس وقت یہ
حسن عقیدت تمھارا ہمیں پسند آیا ، اس لیے چند فقرے جن میں
بہت سی کتابوں کا بلکہ ہزاروں کتب خانوں کا عطر کھنچا
ہوا ہے ، تمھارے سپرد کرتے ہیں - انھیں نا اہلوں سے بچانا
اور اپنا دستورالعمل بنانا کہ یہ ہمارے اسرار ہیں - میں نے پھر
جھک کر سلام کیا اور آنکھیں بند کر کے اشارہ کیا یعنی
بہ سر و چشم - انھوں نے کہا :

(۱) یاد رکھو کہ دنیا میں دوست تو کوئی ہے ہی نہیں،
جو زیادہ دوستی برتے اسی کو دشمن سمجھنا -

(۲) دشمن سے ایسی دل‌فریب محبت برتو کہ دوستوں کی دوستی بھی نابود ہو جائے۔ آدمی ہو تو آلو بن جائے۔ پھر اگر پورا سلیقہ ہو تو پنجرے میں بند کرکے پر قینچ کر دو؛ نہیں تو مطلب نکالو اور چھوڑ دو۔

(۳) نہ محبت کو نیکوں کی نیکی پر منحصر رکھو، نہ اسے ان کی نیکی کی مقدار پر خرچ کرو۔ تم اپنے مطالب کو دیکھتے رہو۔ جس سے نکلتا دیکھو اس کو گدھا بناؤ اور جھٹ سوار ہوجاؤ۔

(۴) اس میں پہلے یہ اعتقاد رکھو کہ دنیا میں اچھا تو کوئی نہیں۔ یہ ہم صورت جو آدمیوں کے جامے میں پھرتے چلتے دکھائی دیتے ہیں . . . ۔

آزاد

(۱۸۹۱ء؟[1])

۱۳۶

بنام منشی ذکاء اللہ صاحب

منشیِ من[2]! تسلیم۔

میری واردات ذرا سننا؛ اڑھائی مہینے سے عمل جاری ہوا تھا۔ صبح کو عید رمضان کا دن تھا؛ ہوا کھانے چلا،

---

۱ - ظاہر ہے کہ خط زمانۂ وارفتگی کا ہے۔ لیکن دنیا داروں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے عاقل و دانا بھی مانیں گے اور ان نصیحتوں کو آویزۂ گوش بنائیں گے۔

۲ - یہ بھی وارفتگی کے ایام کی تحریر ہے جس میں اپنی جسمانی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

دیکھا کہ انتڑی کا معاملہ بے لطف ہے؛ رستے میں کئی جگہ برداشت کا عمل کیا، نہ ہوا۔ حکم ہوا کہ امتلا ہے، آبی خلا ہے غذائی، طبیعت خود بے لطف ہے، کلیدان بند نہیں ہوتا۔ کشش کا اثر پورا نہیں ہوتا، اور سبب یہی تھا کہ اگرچہ جوہرِ ہوا میں پرسوں کے مینہ سے خنکی تھی مگر وہ آفتاب کی گرمی کو توڑ نہ سکتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک بجے عمل سے فارغ ہوا۔ عمل خواب ہوا۔ رات ٹھنڈی، ہوا جان بخش تھی۔ مگر قسمت کی بات کہ حکم ہوا ذرا آرام لے لو۔ کم بخت آرام جس نے ہشیار کیا۔ اس وقت کہ چند منٹ بعد چار بجے، ہزار لعنت اپنے حال پر کر کے اٹھا۔ پیٹ خام، نا صاف۔ فقط روح الارواح کے کرم سے ہضم صالح کے ساتھ معمولی اجابت ہوئی۔ یہ نہ ہوتا تو غضب ہوتا۔ اس وقت حکم ہوا کہ تربوز کھا لو؛ احتیاط نے انکار کیا، حکم ہوا کہ نہ کھاؤ گے تو قدم نہ اٹھا سکو گے پھر ہوا خوری کون کرے گا؟ تربوز کھایا مگر بے لطف؛ ڈرتے ڈرتے چلنے لگا تو بندوں میں درد اور کیفیت بخار کی سی محسوس ہوئی۔ حکم ہوا کہ یہ اسی غفلت کی برکت ہے جس نے تین گھنٹے تک بے خبر سلایا، اور یہ عمل مبارک کی برکت ہے، ورنہ بخار میں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اور دماغی کیفیت کی اطلاع اپنے پیارے دوست کو دی ہے۔ ریاضت اور عمل و اذکار میں مولانا برداشت کا عمل خاص طور پر بجالاتے تھے۔ جب ان کی طبیعت خراب ہوتی تو آنکھیں بند کر کے زمین پر چت لیٹ جاتے اور توجہ کامل کے لیے سانس کا عمل کرتے تھے جس سے طبیعت کو قدرے سکون حاصل ہو جاتا تھا۔

شبہ کیا تھا ۔

ہواخوری کی حد بابو رامجس کی کوٹھی تھی ۔ وہ اپنے باغ میں اس عمدہ مقام پر بیٹھے ، جو صبح کی جان تھا ، روح الارواح ان کی خوبیوں کو پسند کرتے تھے اور خوشی کے الفاظ ان کے حق میں کہتے تھے ۔ مگر فرماتے تھے جلدی چلو ، رستے میں آگ برسے گی اور پانی بجھائے گا ۔ چلتے ہوئے حکم ہوا یہاں لیٹ کر برداشت کا عمل کرو ، چناں چہ ہوا ، مگر کچھ نہ ہوا تھوڑی دور آگے چل کر درختوں کی قطار نے سایہ ڈالنا شروع کیا ۔ جاتے ہوئے جو ہوا سامنے سے زندگی دیتی تھی اب پشت پر ہوگئی تھی ۔ حکم ہوا کہ رخ پھیرو ، ذرا ٹھہرو ، دم لو ، تبدیل کر لو ۔ حقیقت میں لطف عجیب حاصل ہوتا جاتا تھا ، سینہ ہلکا ہوتا تھا ، گھبراہٹ تھم جاتی تھی ۔ جوہڑ کے کنارے پر پہنچے تو ہوا کی لہریں پانی سے مباحثے کر رہی تھیں ؛ حکم ہوا کہ یہیں ٹھہرو اور ہوا تبدیل کر لو ۔ لطف ہائے مذکورہ کا اثر قوی ہو گا اور آنکھوں کی لذت نفع زاید ہے ۔ اتنے سے مقام پر تین جگہ توقف ہوئے مگر یہی ارشاد تھا کہ دھوپ نے ہوا کو گرما دیا ۔ بڑھو آگے ۔ رستے میں حرارت رفتار خواہ حرارت ہوا سے جا بجا کلیدان ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا ، اور میں سنبھالتا بھی تھا تو لعاب دہن کا نگلنا اسے تھوڑی دور پر توڑ دیتا تھا ۔ تھوڑی دور چل کر باغ میں داخل ہوا ، یہاں ایک جگہ بیٹھ کر ہوا تبدیل کی ۔ شیشم کا ہرا بھرا درخت ، اس کی شادابی کا لطف ، ٹھنڈی ہوا کی موجیں ۔ حکم ہوا کہ یہاں رات کا سامان کر کے بیٹھو ۔ میں شرما کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ رستے میں کئی جگہ بیٹھنے کو جی چاہا مگر حکم یہی تھا کہ چلو جلدی اور کچھ کھاؤ ۔ میں دیکھوں تو شکم سیر ۔ فرماتے تھے کہ یہ

رطوبت و ریاح ہیں ؛ دل بھوکا ہے ، پیٹ بھوکا ہے ۔ گھر آ کر تقاضائے شفقت سے فقط دہی چاٹ کر اور ڈیڑھ کباب سے منہ سلونا کر کے دستر خوان زیادہ کیا ۔ کھانے پر شکر خدا ہے مگر رات کی نیند نے غافل کیا ؛ اس کی شکایت نہیں بھولتی ۔ بارہ بجے خود بہ خود اجابت ہوئی ۔ اس کی آگاہی دو موقع پر پہلے دے چکے تھے ۔ اس سے دل ہلکا ہوگیا ۔ میں لکھ رہا ہوں، گیارہ بارہ بجے ہیں اور حکم ہے کہ فارغ ہو ، تو تمھیں کھانا کھلائیں ۔ اب بس[1] ۔

آزاد ۔

(۱۸۹۲ع ببعد)

---

۱ ۔ عہد وارفتگی کی تحریر ہے مگر ایک عالم ہے ۔